تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف کا اردو ترجمہ
تعارف
فقہ و تصوف
تصنیف
شاہ عبدالحق محدث دہلوی
ترجمہ
محمد عبدالحکیم شرف قادری
مکتبہ قادریہ ۰ لاہور

تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف کا اردو ترجمہ
تعارف
فقہ و تصوف
پہلی مرتبہ منظرِ عام پر
مجدد ملت، برکۃ المصطفیٰ فی الہند
مصنف
شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
بقیۃ السلف شیخ الحدیث علامہ
مترجم
محمد عبد الحکیم شرف قادری
مکتبہ قادریہ ○ لاہور

بانی :بقیۃ السلف شیخ الحدیث علامہ **محمد عبدالحکیم شرف قادری** قدس سرہ

نام کتاب ---------------- تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ

اردو ترجمہ ---------------- **تعارف فقہ وتصوف**

مصنف ---------------- شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ

مترجم ---------------- شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

اشاعت ---------------- 1421ھ/2000ء

صفحات ---------------- 328

تصحیح ---------------- محمد عبدالستار طاہر مسعودی

باہتمام ---------------- حافظ نثار احمد قادری

کمپوزر ---------------- الحجاز کمپوزرز، اسلام پورہ۔لاہور

تعداد ---------------- 1000

قیمت ---------------- روپے

ملنے کا پتا

مکتبہ قادریہ داتا دربار مارکیٹ۔لاہور 7226193-0321 042-7226193

کاروان اسلام پبلی کیشنز۔ایچ س ہاؤسنگ سوسائٹی، ٹھوکر نیاز بیگ۔لاہور

ضیاء القرآن پبلیکیشنز۔لاہور **شبیر برادرز** اردو بازار۔لاہور

مکتبہ اہل سنت جامعہ نظامیہ۔لاہور **زاویہ پبلشرز** داتا دربار۔لاہور

مکتبہ ضیاء العلوم۔راولپنڈی **مکتبہ برکات المدینہ**۔کراچی

مکتبہ مہریہ کاظمیہ۔ملتان **مکتبہ اہل سنت**۔فیصل آباد

فہرس

مضامین	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	مضامین
۲۱۱	☆عبادات میں کمال!
۲۱۲	☆چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز اور تیس سال روزہ
"	☆پچپن حج ---جائے وفات پر سات ہزار مرتبہ ختم قرآن
"	☆الحمد للہ پڑھانے پر بیٹے کے استاذ کو پانچ سو درہم نذر کئے
"	☆بیت اللہ شریف میں ختم قرآن اور معرفتِ الٰہی کا حصول
"	☆میں نے تیری معرفت کما حقہ حاصل کی
۲۱۳	☆پڑوسی آپ کے رونے کی آواز سنتے تھے
۲۱۴	☆پیکر صبر و حلم
۲۱۵	☆امانت و دیانت
۲۱۶	☆ہارون الرشید کے دربار میں امام اعظم کے اوصاف کا بیان
۲۱۷	☆امام ابو حنیفہ کی دس صفات
۲۱۸	☆ائمہ محدثین کا خراج تحسین
"	**وصل (۲)----امام اعظم، عالم، فقیہ اور محدث**
"	☆ائمہ مجتہدین کا اعتراف
۲۲۰	☆چار ہزار اساتذہ، دس ہزار تلامذہ
۲۲۱	**وصل (۳)----خصوصی مناقب**
"	☆سب سے زیادہ شاگرد، چند ایک کا تعارف
۲۲۳	☆چالیس شاگرد مرتبہ اجتہاد پر فائز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

سید عبدالرحمٰن بخاری

ریسرچ آفیسر قائداعظم لائبریری، لاہور

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسّلام علی حبیبہ سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین أما بعد :۔

آفاقیت خلاق عالم جل مجدہ کی شان ہے اور مخلوق میں اُس نے صرف اپنے محبوب پاک سید کائنات علیہ کو اس امتیاز سے نوازا ہے۔ حضور فخر دو عالم علیہ کی صرف نبوت ہی آفاقی نہیں، سیرت مطہرہ بھی آفاقی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ آفاقیت آپ علیہ کی ذات مقدسہ کا خاصہ ہی نہیں فیضان بھی ہے۔ جس طرح آنحضرت علیہ کی ذات مقدسہ تکوین اور تشریع دونوں دائروں پر حاوی ہے اسی طرح آپ علیہ کی شان آفاقیت کا ظہور بھی دونوں دائروں میں یکساں ہوا ہے تکوین میں میرے آقا علیہ کی شان آفاقیت "ورفعنا لک ذکرک" کے الوہی اہتمام اور صدیوں پر محیط "تذکار سیرت" کے تاریخی مشاہدہ کی سند رکھتی ہے اور تشریع میں اسکی نمود "کعبہ واسلام و قرآن" سب میں آشکار ہے۔ بجا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسٰی علیہ السلام تک سب پیغمبروں کا دین "اسلام" ہی تھا، مہر ختم نبوت نے انبیاء سابقین کے ساتھ ساتھ ان کے دین کی بساط بھی لپیٹ دی اس لئے اب اسلام صرف اور صرف "دین مصطفیٰ علیہ" کا نام ہے اور رہتی دنیا کوئی اور مذہب اپنے لئے "اسلام" کا عنوان اختیار نہیں کر سکتا یہ بھی میرے آقا و مولا رحمت عالم علیہ کی شان آفاقیت کا

ایک کرشمہ اور تکوینی ظہور ہے۔

حضور سید کائنات علیہ کا دین ابدی، آفاقی اور ہمہ گیر پیغام ہدایت ہے۔ مخلوق کے لئے حتمی، قطعی اور دائمی نظام رشد و فلاح۔ دھرتی کا ہر باسی اس کا مخاطب ہے اور نسل آدم کا ہر فرد اس کا مکلف۔ فضائے ہستی کا ہر گوشہ اس مہتاب سے ضوگیر ہے اور نوع انسانی کا ہر طبقہ اس چشمہ سے فیضیاب۔ یہ ایک جامع، مکمل اور فطری دین ہے ایسا ضابطہ حیات جس میں حسی مادیت ایک برتر روحانیت کے تابع، عملی واقعیت ایک بلند نظر مقصدیت سے ہمکنار اور فکری وحدت ایک لامتناھی تنوع میں جلوہ گر ہے۔ ایسا ہمہ گیر نظریہ جو فکر و شعور، احساس و وجدان اور تہذیب و تمدن کے سب دائروں پر محیط ہے ایسا نظام ہدایت جو فرد کی تکمیل سے لیکر معاشرہ کی تعمیر تک، تزکیہ روح سے لیکر سیاست ملی تک اور دنیوی سعادت سے لے کر اخروی فلاح تک زندگی کے ہر زاویے کو اجاگر کرتا ہے۔ ایسا دین جو کائنات ہستی کے تمام گوشوں کی تزئین اور انسانی فطرت کے سب تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے۔

دین اسلام کی جامعیت، ابدیت اور آفاقیت ایسے اٹل حقائق ہیں جو ایک طرف خود صاحب دین کی عظمتوں سے آشکار ہیں اور دوسری جانب علم کے ہر معیار، وقت کے ہر پیمانے اور تاریخ کی ہر کسوٹی سے ہمکنار۔ لیکن جب یہ حقائق خود زندگی اور عمل کے آئینے میں جلوہ گر ہوتے ہیں تو دین کا جو روپ سامنے آتا ہے وہ ''فقہ اسلامی'' کہلاتا ہے فقہ اسلامی افراد کی تعمیر شخصیت اور حیات اجتماعیہ کے تمام شعبوں کی صورت گری کے لئے بنیادی اقدار اور عملی ڈھانچہ فراہم کرتی ہے۔ فقہ اپنی جامعیت، تنوع اور دائرہ عمل کے لحاظ سے زندگی کی بیکراں وسعتوں سے ہمکنار، تہذیب و تمدن کے سب گوشوں پر حاوی اور اپنے اصول و فروع کی لامتناہی کثرت کے ساتھ کبھی خشک نہ ہونے والا ایسا چشمہ علم و حکمت ہے جس کی نظیر اقوام عالم میں

کہیں ممکن نہیں۔

فقہ کی اساس وحی الٰہی، غایت فلاح انسانی اور منہاج دانش ایمانی ہے۔ اس کا ظہور قرآن وسنت کا ثمر، تعامل امت کا جوہر اور ائمہ اجتہاد کی فکری کاوشوں کا حاصل ہے۔ فقہ کو عام طور پر صرف قانون کا ہم معنی سمجھا جاتا ہے مگر یہ بالکل غلط ہے لبدی و آفاقی دین کا ایک جزو ہونے کے ناطے فقہ اسلامی ہر لحاظ سے جامع، مکمل اور ہمہ گیر ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے انفرادی واجتماعی تمام شعبوں اور دنیوی واخروی دونوں زاویوں پر یکساں محیط ہے۔ ایک مغربی ناقد این۔ جے۔ کولسن[OS] کے الفاظ میں:

"In theory of course ,the shariah has always been a totalitarian and comprehensive code of conduct covering every aspect of human life." (1)

یعنی نظری طور پر شریعت اسلامیہ ہمیشہ سے ایک مکمل اور جامع ضابطہ عمل ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں کا پوری طرح احاطہ کرتی ہے۔

خود فقہ اسلامی کے سب سے پہلے مدون، سراج امت امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ نے اسکی تعریف:

"معرفۃ النفس مالها وما عليها"(۲)

کے الفاظ میں کر کے یہ بتادیا کہ دین ودنیا کے ہر سوال کا جواب اور انسانی زندگی کے ہر مسئلہ کا حل فقہ اسلامی کے دائرے میں آتا ہے۔ اور اس لحاظ سے دیکھا جائے تو علم فقہ نہ صرف اسلام کی تشریعی فکر کا خزانہ بلکہ اسکی آفاقی تہذیب کا سرچشمہ قرار پاتا ہے۔ فقہ کے لغوی اطلاق ہی میں فکر و تدبر کی گہرائی اور جز رسی کا عنصر موجود ہے۔ ہر معاملہ کی گہرائی میں اترنا اور ہر پیچیدہ گتھی کو سلجھانا فقہی بصیرت کا خاصہ ہے۔ حق کی

1۔ Coulson : Conflicts and tensions in Islamic Jurisprudence, P-18

2۔ التھانوی: کشاف اصطلاحات الفنون، ج 1، ص ۳۰، صدر الشریعہ: التوضیح، ج 1، ص ۲۴

تلاش، اس کا راستہ اور منشاء الٰہی کی دریافت اسکی منزل ہے - تعمیر حیات، تنظیم معاشرہ اور استحکام تمدن اسکے عمرانی وظائف ہیں اور تہذیب نفس، تکمیل عبدیت اور فلاح آخرت اسکے روحانی مقاصد - یوں لگتا ہے وحی الٰہی ایک آبشار ہے جس سے فقہ کے لاکھوں کروڑوں احکام قطرہ قطرہ پھوٹ رہے ہیں اور زندگی کی روش روش مہکار ہے ہیں - سوچو تو اسکی گہرائی اور گیرائی حد ادراک سے باہر ہے اور دیکھو تو قواعد و ضوابط کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر بہہ رہا ہے - مگر کمال یہ ھے کہ رنگا رنگ احکام کی جامعیت ایک حسین وحدت کی لڑی مین پروئی ہوئی اور لا محدود ضابطون کی وسعت ایک مربوط نظام میں ڈھلی ہوئی ہے ۔ سید امیر علی کے الفاظ میں :

"یہ ایک بلند نظر مقصدیت اور انتہائی معقول عملیت کا شاہکار توازن لئے ہوئے ہے(۱)"

فقہ کے استنادی اور اجتہادی مآخذ نے اسے بیک وقت ثبات و تغیر کا حسین امتزاج بخشا اور حرکت و ارتقاء کے لامتناہی امکانات سے آراستہ کر دیا ہے - لہٰذا اب زمانہ جتنے بھی رنگ بدل لے اور زندگی ارتقاء کے راستے پر جتنی بھی منزلیں طے کر لے ؛ فقہ اسلامی کی بیکراں وسعت انہیں اپنی آغوش میں سمو کر رہے گی اور یوں اسلام کی لبدی قانونی پوزیشن اور دینی سرمائے کے تحفظ، توسیع اور تفویض کا اہتمام فقہ اسلامی کے ذریعہ ہر عصر و عہد میں ہوتا رہے گا -

فقہی سرمائے کے تحفظ، توسیع اور تفویض کا سانچہ وحی الٰہی کی روشنی میں وضع ہوا اور عقل سلیم کے اجتہادی عمل سے برتا گیا - یہ سانچہ فطرت کے اٹل احقائق پر استوار اور مشروعیت علیا (super legality) کے مقدس دینی و روحانی رنگ میں رنگا ہوا ہے - مشروعیت علیا کا رنگ خدا کی حاکمیت مطلقہ (Absolute Divine Sovereignty) سے پھوٹتا، رسول اللہ ﷺ کے اختیار تشریع

1-Ameer Ali , Syed : The Spirit of Islam , P-297

(Unity فکر و عمل) سے پنپتا اور امت کی وحدت (power of legislation) (of Faith and practice میں جھلکتا ہے۔ مشروعیت علیا کا یہ حقیقی رنگ جو عبدیت، اطاعت اور وحدت سے عبارت ہے جب انسانی زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی دائروں میں پھیلتا ہے تو اسکی بدولت معاشرے میں فقہ اسلامی کا نفاذ بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے ریاست کے انتظامی جبر یا کسی اور قوت نافذہ کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ ہر شخص خود ہی اپنے داخلی محرکات کے تحت اسے اپنانے اور اسکے تقاضوں پر عمل کرنے کی شعوری کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ فقہی احکام براہ راست لوگوں کے دل ودماغ پر چھا جاتے اور ان کے نفس و ضمیر کی گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر قانون، اخلاق سے ہمکنار ہوتا، فقہی نظام، تصوف میں ڈھلتا اور انسان طریقت کی وادیوں میں قدم رکھتا ہے، جبھی تو علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے تصوف کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا التحیہ کو اپنے باطن میں جذب کرنے اور اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام تصوف ہے۔

پس طریقت چیست اے والا صفات؟

شرع را دیدن باعماق حیات

اس اعتبار سے تصوف محض اسلام کی اخلاقی اقدار کا مجموعہ نہیں رہتا بلکہ دین کے پورے علمی، عملی اور تنظیمی ڈھانچے پر حاوی ہو جاتا ہے۔ تصوف کی روح اسلام کی ظاہری وباطنی سب جہتوں، اسکے وجود کی تمام پرتوں اور اسکی تہذیب کے کل دائروں میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ دنیا کی ہر قوم کی طرح امت مسلمہ اپنی ایک جداگانہ تمدن رکھتی ہے لیکن اس تمدن کا امتیاز وہ خصوصی دینی روح اور باطنی جوہر ہے جو اسکے قانونی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی ہر نظام میں جاری وساری ہے۔ اسلام کا عقلی و علمی

اظہار ہو یا سماجی و معاشرتی نظم، بہر آئینہ روحانیت ہی سے اسکے تانے بانے اور تار و پود بنے ہیں اور روحانیت ہی کا اصطلاحی نام تصوف ہے۔ یوں تصوف اسلامی شریعت سے الگ کسی چیز کا نام نہیں بلکہ اس کا ایک اہم اور بنیادی جزو ہے۔ قانون کو اخلاق میں پرونے، علم کو حکمت میں بدلنے، ظاہر کو باطن میں ڈھالنے اور عمل کو جذبوں سے ہمکنار کرنے والا جزو، تصوف نام ہے نہ رسم۔ یہ تو ایک حقیقت ہے۔ محبت الٰہی، اتباع سنت اور حسن اخلاق کی شیرازہ بندی۔ تصوف جمود نہیں تحریک ہے۔ روحانیت، فلاح آخرت اور خدمت خلق کی تحریک۔ تصوف علمی نظریہ نہیں، عملی تجربہ ہے۔ خالص شخصی، باطنی اور روحانی تجربہ۔ تصوف کہنے سننے کی نہیں، سیکھنے اور برتنے کی چیز ہے۔ یہ ذہن و خرد سے نہیں، قلب و وجدان کی راہ سے ملتا ہے۔ یہ خارج سے نہیں چمکتا، باطن سے پھوٹتا ہے یہ فکر و نظر کے سانچے میں نہیں پنپتا۔ احساس اور انفاس کی گہرائیوں میں پلتا ہے۔ اس کا رویہ عقلی تجسس نہیں، تسلیم و تفویض ہے۔ اس کا اسلوب بحث و جدل نہیں، روحانی واردات ہے، اور اس کا حاصل ظن و تخمین نہیں، حق الیقین ہے۔ اس لئے جو شخص اسلام کو تصوف کی راہ سے پالے وہ تشکیک و اضطراب کے ہر آزار اور تلبیس و تزویر کے ہر دام فریب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اس تناظر میں دیکھیں تو اسلام اپنی حقیقت کے لحاظ سے تزکیۂ روح کا دین اور تصوف اس دین کا جوہر قرار پاتا ہے۔ روحانیت سرچشمۂ حیات ہے اور اسی کی توسیع و تشکیل کا نام مذہب۔ اسی سے علم و فکر، جذبہ و احساس اور عمل و کردار کی سب قوتیں پروان چڑھتی ہیں۔ اسی سے فطرت انسانی کے سب تقاضے پورے ہوتے اور ذہن و دل کو جلا ملتی ہے۔ اسی کے ساز سے کائنات ہستی کے سب نغمے پھوٹتے اور اسی کے رخ پر زندگی کے سب دھارے بہتے ہیں۔ الغرض روحانیت جوہر وجود ہے اور اسی کا نام تصوف۔ یوں تصوف کی حیثیت ہمارے دین میں وہی قرار پاتی ہے جو ایک زندہ

نامیاتی وجود (Living organism) میں عمل تنفس یعنی سانس کی آمد و شد کی ہے۔

تصوف کا انکار کرنے والے یا اسے عجمی سازش ٹھہرانے والے ناقدین آج تک اسکی حقیقت اور حیثیت کو سمجھ ہی نہیں پائے۔ معاندانہ تنقید سے قطع نظر چودہ صدیوں کی تاریخ میں اسلامی تصوف کی حقیقت اور اسکے جوہری نظام پر ایک بھی ایسا اعتراض سامنے نہیں آسکا جس میں ذرا بھی وزن یا جان ہو۔ رہے آج کے وہ عقلیت پرست دانشور جو اسلام کی مادی تعبیر پر یقین رکھتے ہیں اور مغربیت کی پیروی میں اس دین حق کو بھی روحانیت سے عاری کر کے مجرد ایک سیکولر نظام یا زیادہ سے زیادہ قومی و نسلی شناخت کا ایک عنوان بنادینا چاہتے ہیں تو ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ تصوف کی نفی خود اسلام کی نفی ہے۔ اور تصوف کو مٹانا اسی طرح ناممکن جسطرح اسلام کو مٹانا۔

☆ تصوف کی نمود اسلام کی ہمقدم اور تصوف کی تاریخ خود اسلام کی تاریخ ہے

☆ تصوف کی تحریک دین ہی کی تحریک ہے۔

☆ تصوف کی دعوت اسلام کی دعوت اور اس کا فروغ اسلام کا فروغ ہے۔

☆ تصوف اسلام کی معنوی قوت اور اسکی بقا کا ضامن ہے۔

☆ اسلام اگر حقیقت ہے تو تصوف اس کا عرفان۔ اسلام اگر تمدن ہے تو تصوف اس کا جوہر۔

☆ اسلام اگر شریعت ہے تو تصوف اسکی روح۔

☆ اور اسلام اگر سوسائٹی ہے تو تصوف اس کا بندھن۔

☆ تصوف اپنی حقیقت کے لحاظ سے خدا تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ یہ تزکیۂ نفس اور تعمیر سیرت کا الوہی منہاج ہے۔ یہ روح انسانی کی شناخت اور فطرت صحیحہ کی

بازیافت کا سفر ہے۔یہ صحت فکر اور حسن عمل کا آفاقی معیار ہے۔یہ فقہ کا جوہر، اخلاق کا سانچہ اور شریعت کا جادہ ھے

☆اور سچ تو یہ ہے کہ تصوف اسلام کی خالص ترین اور پاکیزہ ترین تعبیر ہے

اسی لئے تصوف اسلامی معاشرہ کے روز اول سے موجود ہے اور انشاء للہ رہتی دنیا تک پوری آب و تاب کے ساتھ مطلع حیات پر جگمگاتا رہے گا۔

تصوف اسلام کی شیرازہ بندی کا وہ داخلی عنصر ہے جو عقائد، اخلاق، اعمال اور شریعت کے دیگر تمام اجزاء میں خون کی طرح گردش کر رہا ہے قانون، معاشرت، معیشت اور سیاست ھر نظام ایک ڈھانچہ ہے اور روحانیت اسکی جان۔یہ ڈھانچہ فقہ اسلامی کہلاتا ہے اور روحانیت کا سر عنوان تصوف ہے۔یوں فقہ اور تصوف کا باھمی تعلق بہت گہرا ہے یہ دونوں ایک ھی پیکر کے دو اجزا اور ایک ھی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ایک "فقہ ظاہر" ہے اور دوسرا "فقہ باطن"۔دونوں وحدت کے اٹوٹ رشتے میں پروئے ہوئے، باھم لازم و ملزوم۔ایک زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتا ھے اور دوسرا اسے معتبر بناتا ہے۔ایک تہذیب کا خاکہ دیتا ہے اور دوسرا اس میں رنگ بھرتا ہے۔ایک حقیقت کا راستہ دکھاتا ہے اور دوسرا منزل تک پہنچاتا ھے۔

☆ فقہ شریعت کا ظاہر ھے اور تصوف اس کا باطن۔

☆ فقہ معاشرت کا عملی دائرہ ھے اور تصوف اس کا اخلاقی پہلو۔

☆ فقہ احکام کا علم ھے اور تصوف ان پر عمل کی تحریک۔

☆ فقہ آداب کا مجموعہ ھے اور تصوف ان کا حسن۔

☆ فقہ معاملات کا ضابطہ ھے اور تصوف ان کی تکمیل۔

☆ فقہ ایک مطالعہ ھے اور تصوف ایک رویہ۔مطالعہ شعور دیتا ہے اور تصوف برتاؤ سکھاتا ھے۔

☆ فقہ سے اچھی عادات پروان چڑھتی ہیں اور تصوف انہیں استقامت میں ڈھالتا ہے

☆ فقہ سے عمل کا سانچہ ملتا ہے اور تصوف اس میں اخلاص پیدا کرتا ہے

☆ فقہ سے کردار نشوونما پاتا ہے اور تصوف اسے جذبوں سے ہمکنار کرتا ہے

غرض فقہ سے شریعت ہمارے جسموں پر لاگو ہوتی ہے اور تصوف اسے دلوں میں اتارتا ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہ اور تصوف ہمیشہ اسلامی معاشرے میں ساتھ ساتھ رہے ہیں اور ان میں منافرت پیدا کرنے کی ہر کوشش مذموم اور رائگاں ٹھہری۔ ایک طرف ابنِ تیمیہ جیسے فقیہ اور ابنِ جوزی جیسے عظیم محدث صوفیاء کرام پر بے جا تنقید کے باعث مطعون رہے تو دوسری جانب سرمد اور منصور حلاج ایسے کئی معتبر صوفیاء نے فقہ ظاہر سے انحراف کی سزا پائی۔ پھر دیکھیے ایک طرف احمد بن حنبل علیہ الرحمہ جیسے جلیل القدر امام فقہ واجتہاد اور محمد الغزالی علیہ الرحمہ جیسے امام فکر و دانش ایک عرصہ تک صوفیاء کرام اور تصوف سے دور رہنے کے بعد بالآخر ان کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ تادم آخر تصوف کی آغوش میں سانس لیتے رہے اور دوسری جانب گروہ صوفیاء کے سردار جنید بغدادی علیہ الرحمہ ایسے امام تصوف پکارتے رہے کہ:

"علمنا هذا مشيّد بالكتاب والسنة۔"

یعنی ہمارا یہ علم تصوف کتاب و سنت ہی سے آراستہ ہے اور مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ ایسے عظیم محقق صوفی نے فیصلہ کردیا کہ:

"طریقت و حقیقت خادمان شریعت اند۔"

یعنی طریقت اور حقیقت دونوں شریعت کے تابع اور خادم محض ہیں۔ یہی نہیں ذرا آگے بڑھ کر دیکھیے کہ ایک طرف شیخ عزالدین بن عبدالسلام ایسے جلیل القدر فقیہ و

محدث ہمیں ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمہ کے آگے سر جھکائے ہوئے، سپردگی کی تصویر بنے نظر آتے ہیں اور مولانا روم جیسے عبقری حکیم یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ ؎

مولوی ہر گز نشد مولائے روم

تا غلام شمس تبریزی نشد

اور دوسری جانب داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمہ اور غوث الاعظم محی الدین جیلانی علیہ الرحمہ ایسے بے مثال ائمہ روحانیت ہمیں فقہاء ظاہر کی تقلید و پیروی کرتے اور ائمہ اجتہاد کی عظمت کا دم بھرتے نظر آتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ محض دو طبقوں کا باہمی ربط و ضبط نہیں بلکہ شریعت محمدی علیٰ صاحبہا التحیہ کے دو اجزاء، علم ظاہر اور علم باطن کی شیرازہ بندی کا آئینہ دار ہے۔ جبھی تو ایک طرف امام شافعی علیہ الرحمہ بہانگ دھل یہ اعلان کر رہے ہیں کہ:

"یحتاج الفقیہ إلی معرفة اصطلاح الصوفیة لیفیدہ من العلم مالم یکن عندہ۔"

یعنی صاحب فقہ و اجتہاد کو علم صوفیہ کی شدید احتیاج ہے تاکہ اس کا نقص دور ہو سکے اور دوسری جانب امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ دو ٹوک فیصلہ سنا رہے ہیں کہ:

"شریعت را سہ جزو است، علم و عمل و احسان۔ تا ایں ہر سہ جزو متحقق نشود، شریعت متحقق نشود۔"

یعنی شریعت اسلامیہ کے تین اجزا ہیں۔ علم، عمل اور احسان۔ جب تک یہ تینوں اجزا اکٹھے نہ ہوں شریعت قائم نہیں ہوتی۔ اور لیجیے: امام مالک علیہ الرحمہ نے تو یہ کہہ کر بات ہی ختم کر دی ہے کہ:

"من تصوف ولم یتفقہ فقد تزندق ومن تفقہ ولم یتصوف فقد تفسق ومن جمع بینہما فقد تحقق۔"

یعنی جس نے فقہ کے بغیر تصوف کو اپنایا وہ زندیق ہوا اور جس نے تصوف کے بغیر فقہ پر اکتفا کیا وہ فاسق ٹھہرا اور جس نے دونوں کو جمع کر لیا وہی ہدایت کی راہ پر ثابت قدم ہے۔

بنابریں فقہ اور تصوف کا حسین امتزاج ہی ہدایت کا راستہ ہے اور اسی حسین امتزاج کا شاہکار ہے پیش نظر کتاب:

"تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف"

یہ در حقیقت اپنی آغوش میں دو کتابوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ شارح بخاری علامہ شیخ احمد زروق علیہ الرحمہ نے فقہ اور تصوف کی شیرازہ بندی، ظاہر و باطن میں ہم آہنگی اور فقہاء و صوفیاء کے درمیان مفاہمت پیدا کرنے کیلئے

"قواعد الطریقۃ فی الجمع بین الشریعۃ والحقیقۃ"

کے عنوان سے ایک بے مثال کتاب تصنیف کی اور آگے چل کر شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اس کتاب کے منتخب اجزاء کی شرح لکھی جو "تحصیل التعرف" کے نام سے ہمارے سامنے ہے۔ یوں یہ کتاب بیک وقت علم ظاہر اور علم باطن کے دو جلیل القدر اماموں کی فکری کاوشوں کا حاصل ہے۔ ایک کے وجدان سے معرفت کے چشمے پھوٹے اور دوسرے نے ان کو بہتے دھاروں میں بدل دیا۔ ایک نے علم و دانش کی بنیاد اٹھائی اور دوسرے نے اس پر بلند پایہ عمارت کھڑی کر دی۔ ایک نے تخلیقی فکر کے نئے راستے بنائے اور دوسرے کے رہوار تخیل نے ان راہوں سے کئی جہان معنی دریافت کئے۔ ایک نے ظاہر و باطن میں ہم آہنگی کے سانچے وضع کیے اور دوسرے نے فقہ و تصوف کو ان سانچوں میں ڈھال دیا۔ ایک کی روحانیت نے دنیائے علم میں توازن کا ماورائی خاکہ دیا اور دوسرے کے تفقہ نے اس خاکے میں معنویت کا رنگ بھرا۔ ایک کی عبقریت نے بین الفنون (Inter Sciences) بحث

و نظر کا منہاج تراشا اور دوسرے کی اجتہادی بصیرت نے اسے یوں برتا کہ آنے والی نسلوں کے لئے فکری رہنمائی کا سامان مہیا کر دیا۔ اس طرح یہ کتاب ایک غیر معمولی تحقیق کا روپ دھار گئی۔

پھر جس قدر بلند پایہ اور عمیق یہ کتاب تھی، اتنا ہی عظیم اور ژرف نگاہ مترجم اسے میسر آیا۔ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری زید مجدہ کی ذات گرامی علم و فضل کی دنیا میں خود ایک استعارہ اور پہچان بن گئی ہے۔ تعلیم و تدریس، وعظ و تقریر اور تحقیق و تصنیف میں عمر گزری ایک عالم کو سیراب کیا۔ تشنہ لبوں کی پیاس بجھائی اور فکر و دانش کے گلزار کھلائے۔ پیش نظر ترجمہ ان کے تبحر علمی، وسعت فہم اور دقت نظر کا شاہکار ہے۔ اسلوب میں تحقیق، تسلسل اور تکمیل کا رنگ جھلک رہا ہے اور طرز نگارش انتہائی سلیس، شستہ اور رواں ہے۔ اردو اور عربی دونوں زبانوں میں مہارت کو اس سلیقہ سے برتا ہے کہ ترجمہ میں اصل بیان کی لطافت منعکس ہو رہی ہے۔ اس سے کتاب جہاں تحقیق، تشریح اور تعبیر کے سہ آتشہ لطف کا مرقع بن گئی ہے وہیں اسکی تاثیر و افادیت میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ بارگاہ رب العزت میں استدعا ہے کہ مترجم کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور ہم سب کو دین متین کی بیش از بیش خدمت کے مواقع ارزانی فرمائے۔ آمین

گدائے در حبیب ﷺ

سید عبدالرحمٰن بخاری

۵ / مارچ ۱۹۹۷ء

حیاتِ مبارکہ

شیخ الاسلام، امام اہلِ سنت، شیخ محقق

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی

قدس سرہ العزیز

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

فہرس

• شیخ الاسلام، امامِ اہلِ سنت، شیخ محقق

حضرت شیخ عبد الحق محدّث دہلوی قدس سرہ العزیز

اللہ تعالیٰ کی عادتِ کریمہ یہ رہی ہے کہ انسانیت کو شرک و کفر اور گمراہی سے نکالنے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے گئے، فکرِ انسانی صدیوں کے ارتقاء کے بعد جہاں پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی مقدس ہستیوں نے لمحوں میں وہاں پہنچادیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، امورِ آخرت اور عالم کے حادث یا قدیم ہونے کے بارے میں بڑے بڑے فلسفیوں اور دانشوروں نے کیا کیا موشگافیاں نہ کیں، لیکن وہ اپنے وابستگان دامن کو دولتِ یقین فراہم نہ کر سکے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے چند کلمات نے سامعین کو وہ یقین عطا کیا، جس کی بناء پر وہ جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور دنیا و آخرت کی سعادتیں حاصل کر گئے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا، آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، البتہ پیغمبرانہ جدو جہد اور مشن کو جاری رکھنے کے لئے امتِ مسلمہ کے جلیل القدر افراد آگے بڑھے، انہوں نے نہ صرف دعوت و ارشاد کا کام پورے ولولے اور لگن سے کیا، بلکہ دینِ متین کے مقدس چہرے سے گرد و غبار صاف کرنے میں تمام صلاحیتیں بھی صرف کر دیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَّنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا۔

"بے شک اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر صدی کے آخر پر ایسے شخص کو بھیجے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے گا۔"

علماء اسلام نے مجدد کے لئے جو شرطیں بیان کی ہیں، وہ یہ ہیں:

۱- وہ علومِ ظاہرہ اور علومِ باطنہ کا جامع ہو۔

۲- اس کے درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور وعظ و تذکیر سے نفع عام ہو۔

۳- سُنّت کی اشاعت و ترویج اور بدعت کے خاتمے کے لئے کوشاں ہو۔

۴- ایک صدی کے آخر اور دوسری صدی کے آغاز میں اس کے علم کی شہرت ہو اور لوگ دینی مسائل میں اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔

پھر یہ ضروری نہیں کہ ہر صدی میں ایک ہی مجدد ہو، گزشتہ صدیوں میں سے ہر صدی میں ایک سے زیادہ مجدد ہوئے ہیں۔

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری (والد ماجد ڈاکٹر مختار الدین احمد، علی گڑھ) فرماتے ہیں:

"مجدد مائۃ حادی عشر (گیارھویں صدی کے مجدد) مجدد الف ثانی، امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی (متولد ۱۰/ محرم ا۹۷ھ، متوفی ۲۸/ صفر ۱۰۳۴ھ) اور صاحب تصانیف کثیرہ شہیرہ و زاہرہ و باہرہ حضرت شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی (متولد ۹۵۸ھ، متوفی ۱۰۵۲ھ) اور میر عبدالواحد بلگرامی صاحب "سبع سنابل" متوفی ۱۰۱۷ھ) تھے[1]

آئندہ صفحات میں گیارھویں صدی کے مجدد، پاسبان دین مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم علومِ دینیہ کے نامور مبلغ اور ناشر، دینی حمیت و غیرت کے پیکر، امام المحدثین شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دینی اور ملی کارناموں کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے گا، انشاءاللہ العزیز، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حضرت کی حیاتِ مبارکہ کا مختصر تذکرہ پیش کر دیا جائے۔

۱؎ محمد ظفر الدین بہاری، ملک العلماء: چودھویں صدی کے مجدد اعظم (جامعہ اشرفیہ، مبارکپور) ص ۳۳-۳۲

حیاتِ مُبارکہ

۹۵۸ھ — ۱۰۵۲ھ

۱۵۵۱ء — ۱۶۴۲ء

امامِ اہلِ سُنّت شیخ عبدالحق محدثِ دہلوی ، شہر دہلی ، ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ اُن کے آباء واجداد میں سے آغا محمد ترک بخاری ، سُلطان محمد علاء الدین خلجی کے زمانے میں بخارا سے ہجرت کر کے دہلی میں وارد ہوئے اور بلند وبالا مناصب پر فائز رہے۔ بخارا سے ہجرت کے وقت متعلقین اور مریدین کی ایک جماعت اُن کے ہمراہ تھی۔[۱]

آپ کے والد ماجد شیخ سیف الدین دہلوی شعر و سخن کا ذوق رکھنے والے عالم اور صاحبِ حال بزرگ تھے۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں شیخ امان اللہ پانی پتی کے مرید اور خلیفۂ مجاز تھے۔[۲]

حضرت شیخ نے "تکملۂ اخبار الاخیار" میں اُن کے متعدد ملفوظات نقل کیے ہیں، چند ایک ملاحظہ ہوں :

۱۔ مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے جو مخلوق کے لئے کام کرتے ہیں تاکہ ان کے نزدیک اہمیت حاصل کریں۔ کام کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے ، مخلوق سے کیا کام ؟

۲۔ جب دیکھا جاتا ہے کہ علماء اور فضلاء جاہ وعزت اور کثرتِ اسباب کے حاصل کرنے اور مال ودولت کے جمع کرنے میں مخلوقِ خدا کے ساتھ اُلجھتے ہیں اور لڑائی تک پہنچ جاتے ہیں، تو میں شکر کرتا ہوں کہ میں نے زیادہ نہیں پڑھا اور اکابر میں سے نہیں ہوا۔

۱۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق : تکملۂ اخبار الاخیار (طبع مجتبائی، دہلی) ص ۲۸۹

۲۔ خلیق احمد نظامی : حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ندوۃ المصنفین، دہلی، ص ۶۵-۶۶

۳-(شیخِ محقق فرماتے ہیں کہ مجھے والدِ گرامی نے کئی دفعہ فرمایا) کسی شخص کے ساتھ علمی بحث میں جھگڑا نہ کرنا اور کسی کو تکلیف نہ دینا، اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ حق دوسری جانب ہے، تو قبول کر لینا، ورنہ دو تین بار کہنا اگر نہ مانیں تو کہنا کہ بندہ کو اسی طرح معلوم ہے، جو کچھ آپ کہتے ہیں، وہ بھی ہو سکتا ہے، جھگڑا کس بات کا؟

۴-اگر تمہیں اپنے پیر اور استاد سے محبت اور عقیدت ہو تو اس سلسلے میں کسی سے لڑائی نہ کرو اور تعصب اختیار نہ کرو، یہ محبت کا کام ہے، جسے محبت نہ ہو، وہ کیا کام کرے گا؟ فائدہ بزرگوں کی عقیدت، محبت، اور پیروی میں ہے، تم جو جنگ کر رہے ہو، وہ اپنے نفس کے لئے ہے، نہ کہ بزرگوں کے لئے۔

۵-طریقت کے بہت سے معاملات ہیں، جنہیں اس راہ کے اصحابِ ہمت ادا کرتے ہیں۔ حقیقت کا اصل کام یہ ہے کہ ہر وقت اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کے ساتھ ہے۔ ایک لحظہ بھی اس خیال سے غافل نہ رہے، دست در کار و دل بایار۔[۱]

شیخ محقق نے نہ صرف ان کی نصیحتوں کو عمر بھر یاد رکھا، بلکہ ان پر عمل پیرا بھی رہے۔

شیخ سیف الدین دہلوی ۲۷ شعبان المعظم ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء کو پاس انفاس میں مشغول تھے، اسی حالت میں رحمتِ حق کی آغوش میں پہنچ گئے۔

تحصیلِ علم

حضرت شیخ محقق کو اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے عقلِ سلیم اور فہم و دانش کا

۱- عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: تکملہ اخبار الاخیار فارسی (مجتبائی دہلی) ص ۹۳-۲۹۲

وافر حصہ عطا فرمایا۔ حافظہ حیرت انگیز حد تک قوی تھا، خود فرماتے ہیں:

"دو اڑھائی سال کی عمر میں دودھ چھڑائے جانے کا واقعہ مجھے اسطرح یاد ہے جیسے کل کی بات ہو"

والد ماجد نے ظاہری اور باطنی تربیت پر بھرپور توجہ دی، دو تین ماہ میں قرآن پاک پڑھا دیا۔ پھر حضرت شیخ محقق عبدالحق علوم دینیہ حاصل کرنے لگے۔ جب عربی نصاب اور منطق و کلام کی کتابوں تک پہنچے تو ماوراء النہر[1] کے دانشوروں کے پاس حاضر ہوئے اور سات آٹھ سال دن رات محنت کر کے علوم دینیہ حاصل کیے شیخ نے اپنے اساتذہ کے نام نہیں لکھے۔ ذوق و شوق اور علمی انہماک کا یہ عالم تھا کہ ہر روز اکیس بائیس گھنٹے پڑھنے اور مطالعہ میں صرف کرتے۔

اپنی محنت شاقہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر اتنا ذوق و شوق مولا تعالیٰ کی طلب اور باطن کی ریاضت میں ہوتا تو معاملہ کہاں تک پہنچتا"

ذکاوت و فطانت کا یہ عالم تھا کہ دوران سبق عجیب عجیب نکتے اور مفید باتیں ذہن میں آتیں، اساتذہ کے سامنے پیش کرتے، تو وہ کہتے:

"ہم تم سے استفادہ کرتے ہیں اور ہمارا تم پر کوئی احسان نہیں ہے۔"[2]

سترہ سال کی عمر میں اس وقت کے مروجہ علوم سے فارغ ہو گئے۔ بعد ازاں ایک سال میں قرآن پاک یاد کر لیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کچھ عرصہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔

شیخ محقق ۹۹۶ھ/۸۸-۱۵۸۷ء میں حجاز مقدس پہنچے، ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء تک وہیں قیام کیا۔ اس دوران حج و زیارت کے علاوہ مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالوہاب

---

[1] ماوراء النہر سے مراد وہ شہر ہیں جو اس نہر کے شمال میں واقع ہیں، مثلاً بخارا، سمرقند، اور کاشغر وغیرہ ۱۲ قادری

[2] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اخبار الاخیار (فارسی) ص ۳۰۲

متقی کی خدمت میں حاضر ہو کر علمی اور رُوحانی استفادہ کیا۔ مشکوٰۃ شریف کے علاوہ تصوف کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ اسی اثنا میں شیخ سے اجازت لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ ۲۳ ربیع الثانی ۹۹۷ھ سے آخر رجب ۹۹۸ھ تک وہاں قیام کر کے سرکار دوعالم ﷺ کی نوازش ہائے بے پایاں سے فیض یاب ہوئے۔ شیخ محقق فرماتے ہیں :

"اس فقیر حقیر نے حضرت خبیر بشیر نذیر ﷺ سے جو انعام واکرام کی بشارتیں پائی ہیں، ان کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا۔"[۱]

بیعت و خلافت

حضرت شیخ محقق کو بچپن ہی سے عبادت و ریاضت کا بےحد شوق تھا۔ جوں جوں عمر میں اضافہ ہوتا گیا، یہ شوق بھی بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ اپنے زمانے کے اولیائے کاملین میں شمار ہوئے۔ ابتداً والد ماجد کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے۔ پھر اُن کے ایماء پر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت موسیٰ پاک شہید ملتان (م ۱۰۰۱ھ) کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ مکۃ معظمہ میں حضرت شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کی، ارشاد و سلوک کی منزلیں طے کیں اور شیخ نے انہیں چار سلسلوں چشتیہ، قادریہ، شاذلیہ اور مدنیہ کی اجازت عطا فرمائی۔

شیخ محقق ہندوستان واپس آئے تو سلسلۂ قادریہ میں بیعت اور خلافت رکھتے ہوئے، سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں عارف کامل حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ جناب محمد صادق ہمدانی نے "کلمات الصادقین" میں لکھا ہے کہ شیخ محقق نے حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رُوحانی اشارے پر یہ بیعت کی تھی۔[۲]

۱۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اخبار الاخیار ص ۳۰۴

۲۔ خلیق احمد نظامی : حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص، ۱۳۰

تصانیف

حضرت شیخ محقق نے اپنی حیاتِ مبارکہ کا اکثر و بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر کیا۔ ان کی تصانیف دُنیا بھر میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں، فنی اعتبار سے انکی تصانیف درج ذیل عنوانات کے تحت آتی ہیں:

(۱) تفسیر (۲) تجوید (۳) حدیث (۴) عقائد (۵) فقہ (۶) تاریخ (۷) تصوف (۸) نحو (۹) اخلاق (۱۰) اعمال (۱۱) منطق (۱۲) سیر (۱۳) ذاتی حالات (۱۴) خطبات (۱۵) اشعار (۱۶) مکاتیب وغیرہ۔[۱]

حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ کی تصانیف ساٹھ ہیں۔ چند مشہور تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ اشعۃ اللمعات،

مشکوٰۃ شریف کا فارسی میں ترجمہ اور شرح، چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اردو میں اس کے ترجمہ کی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی، چنانچہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلی دو جلدوں کا ترجمہ تین جلدوں میں کیا، ان کی علالت اور پھر وصال کے سبب یہ کام راقم کے ذمے لگا راقم نے ترجمہ کی چوتھی اور پانچویں جلد مکمل کر لی ہے، چھٹی جلد مولانا مفتی محمد خان قادری کے تعاون سے مکمل ہو گئی ہے، یہ چھ جلدیں چھپ چکی ہیں، ایک جلد مزید ہو گی جو زیرِ تکمیل ہے۔ یہ سب کام فرید بک سٹال، لاہور کے زیرِ اہتمام ہو رہا ہے۔

۲۔ لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی)

(اس کی چار جلدیں لاہور سے طبع ہو چکی ہیں)

۳۔ شرح سفر السعادۃ (فارسی)

۱۔ خلیق احمد نظامی: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۶۰

۴-مدارج النبوۃ (فارسی)

سیرتِ طیبہ کی اہم ترین اور لافانی کتاب۔

۵-اخبار الاخیار (فارسی)

ہندوستان کے علماء اور مشائخ کا مستند تذکرہ۔

۶-جذب القلوب الٰی دیار المحبوب (فارسی)

تاریخِ مدینہ کے نام سے اس کا ترجمہ چھپ چکا ہے۔

۷-زبدۃ الاسرار (عربی)

مناقب سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ تلخیص بہجۃ الاسرار۔

۸-زبدۃ الآثار (فارسی)

زبدۃ الاسرار کا ترجمہ مع اضافات۔

۹-تکمیل الایمان (فارسی)

اسلامی عقائد اور مسلکِ اہل سنت وجماعت۔

۱۰-شرح فتوح الغیب (فارسی)

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف مبارک فتوح الغیب کی شرح۔

(عربی)

۱۱-ماثبت بالسنۃ (عربی)

بارہ مہینوں کے اسلامی معمولات، کتاب وسنت اور طریقِ اسلامی کی روشنی میں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ڈاکٹر زبید احمد کے حوالے سے شیخ محقق کی تصانیف میں الاکمال فی اسماء الرجال کا بھی ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ فہرس التوالیف میں اس کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ الاکمال امام ولی الدین رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب مشکوٰۃ کی تصنیف ہے اور مشکوٰۃ شریف کے آخر میں چھپی ہوئی عام

دستیاب ہے۔

۱۲- تحصیل التعرف فی معرفة الفقه والتصوف (عربی)

یہ کتاب دو قسموں پر مشتمل ہے

پہلی قسم:

تصوف کی تعریف اور اس کی اہمیت بیان کرنے کے بعد شیخ احمد زروق کی کتاب "قواعد الطریقة" کے اٹھائیس قواعد کی شرح جن میں علماء ظاہر، باطن کے درمیان مفاہمت کی راہنمائی ہے

دوسری قسم:

فقہ حنفی کی اہمیت اور برتری کے بیان کے ساتھ سیدنا امام اعظم، امام احمد بن حنبل اور سیدنا غوث اعظم کا تذکرہ۔

۱۳- فتح المنّان بتائید مذهب النعمان:

مذہب حنفی کے قرآن پاک اور قوی احادیث سے دلائل۔

۱۴- رسالہ ضربُ الاقدام

پیر عبد الغفار کشمیری ثم لاہوری نے ۱۳۴۹ھ میں پانچ رسائل کا مجموعہ شائع کیا تھا، ان میں ایک رسالہ ضربُ الاقدام بھی ہے، اس کی ابتداء میں لکھا ہے:

رسالہ ضربُ الاقدام

من تصنیف زبدة المحققین شیخ عبدالحق دهلوی.

رحمة الله تعالی علیه

اس رسالے میں حضرت شیخ محقق نے صلوٰة غوثیہ کا ثبوت اور جواز پیش کیا ہے۔

وصال

۲۱ ربیع الاوّل ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء کو آسمانِ علم و معرفت کا نیّر درخشاں احادیثِ نبویہ کا عظیم شارح، دینِ اسلام اور مقامِ مصطفےٰ کا محافظ اور مسلکِ اہلِ سنّت کا پاسبان، دنیا والوں کی نگاہوں سے روپوش ہو کر دہلی کے ایک گوشے میں محوِ استراحت ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ وقدس سرہ۔

شیخ محقق کی دینی و علمی خدمات

حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طویل زندگی دینِ اسلام کے تحفظ اور اس کا پیغام عام کرنے اور مقامِ مصطفےٰ ﷺ کی حفاظت کرنے میں صرف کر دی۔ دینِ متین کے خلاف اٹھنے والے نئے نئے فتنوں کی مؤثر سرکوبی کی اور مسلکِ اہلِ سنّت و جماعت کی شاندار ترجمانی کی، بالخصوص عقیدہ ختمِ نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والوں کے خلاف علمی و قلمی جہاد کیا۔

اُس دَور میں مہدوی تحریک عروج پر تھی، جس کا آغاز سنّت کی ترویج اور بدعت کے خاتمے سے متعلق تھا۔ بعد ازاں مہدویت کا تصور اس سطح تک پہنچا کہ دینِ اسلام کے قطعی عقیدے ختمِ نبوت سے ٹکرا گیا، اس تحریک کا بانی سید محمد جونپوری کہتا تھا کہ ہر وہ کمال جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو حاصل تھا، وہ مجھے بھی حاصل ہو گیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ کمالات وہاں اصالۃً تھے اور یہاں تبعاً ہیں۔ اتباعِ رسول اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ امتی نبی کی مثل ہو گیا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی، حضرت علی متقی اور شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے اس تحریک کی شدید مخالفت کی اور مقامِ مصطفےٰ کے تحفظ کا فریضہ انجام دیا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"اگر سولہویں اور سترھویں صدی کی مختلف مذہبی تحریکوں کا بغور تجزیہ کیا جائے، تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس زمانے کا سب سے اہم مسئلہ پیغمبر اسلام کا صحیح مقام اور حیثیت متعین کرنا، اور برقرار رکھنا تھا۔
تصورِ امام، عقیدۂ مہدویت، نظریۂ الفی (دین اسلام کی عمر صرف ایک ہزار سال ہے ۱۲ اق) دینِ الٰہی، یہ سب تحریکیں پیغمبر اسلام (علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخصوص مقام اور مرتبہ پر کسی نہ کسی طرح ضرب لگاتی تھیں۔
شیخ عبدالحق کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کے اعلیٰ و ارفع مقام کی پوری طرح وضاحت کر دی اور اس سلسلہ کی ہر ہر گمراہی پر شدت سے تنقید کی۔ [۱]

یہ وہ دور تھا کہ علما بدعتیوں کی سرپرستی کرتے تھے اور فسق و فجور کی حوصلہ فزائی کرتے تھے۔ صوفیائے خام نے طریقت کو شریعت سے الگ کر کے تصوف کا بگاڑ دیا تھا، ایسے علما و مشائخ کی بے ہودگیوں نے اکبر بادشاہ کو دین سے برگشتہ کر دیا۔ بقول شیخ محقق ایک وقت وہ تھا کہ

"بادشاہ اتباع شریعت اور عبادت کا پابند تھا، وہ مشائخ کا بہت عقیدت مند تھا، اور ایک وقت تک خطبہ بھی خود پڑھا کرتا تھا۔" [۲]

پھر ایسا برگشتہ ہوا کہ دن بدن دین سے دور ہوتا چلا گیا، بقول ملا عبدالقادر بدایونی ارکانِ دین اور اسلامی عقائد مثلاً نبوت، کلام، دیدارِ الٰہی وغیرہ کا تمسخر اڑایا جانے لگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت پر صراحۃً اعتراضات کیے جانے لگے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ دیوان خانے میں اعلانیہ نماز ادا کرے۔ چار وقت سورج کی عبادت کی جاتی، ماتھے پر قشقہ لگایا جاتا، اسلامی تعلیمات کے خلاف کتے اور خنزیر کی نجاست کا

۱۔ خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۲۷۲
۲۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: رسالہ ضرب الاقدام (مطبع نامی گرامی اسلامی) ص ۲۷

حکم کالعدم قرار دے دیا گیا، اور ان کی زیارت کو عبادت کا درجہ دے دیا گیا۔

ظاہر ہے ان حالات میں عقائد و اعمال کے ہر گوشے میں بگاڑ کا پیدا ہونا قدرتی امر تھا۔ شیخ محقق نے دینی تعلیمات کو فروغ دے کر اس زہر کا تریاق فراہم کیا۔ شیخ نے اکبر کے انتقال پر نواب سید فرید مرتضٰی خاں کے ذریعے جہانگیر کو تاریخی خط لکھا، جس کی ایک ایک سطر سے دین اور ملتِ اسلامیہ کا درد ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس خط میں شیخ محقق نے دُنیا کی بے ثباتی، عدل و انصاف کی اہمیت، مقامِ نبوت اور اتباعِ شریعت ایسے مسائل پر کھل کر گفتگو کی ہے تاکہ جہانگیر اپنے پیش رو کی گمراہیوں کا مرتکب نہ ہو، اس کے علاوہ شیخ نے اکبری دور کے دیگر امرا سلطنت کو بھی خطوط لکھے اور امراء کی دینی غیرت کو جوش دلایا۔

امام ربانی، مجدد الف ثانی اور حضرت شیخ محقق (رحمہما اللہ تعالیٰ) دونوں ہم عصر بھی ہیں اور پیر بھائی بھی، تجدید اسلام، احیاءِ سنّت اور اماتتِ بدعت کے سلسلے میں دونوں کا ہدف ایک ہے، البتہ طریق کار دونوں کا اپنا اپنا ہے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ دونوں نے ایک ہی بات کہی ہے، لیکن مختلف انداز میں، مجدد صاحب کے یہاں انقلابی جوش، سخت گیری اور "برہم زن" کے نعرے ہیں، تو شیخ محدث کے یہاں بھی ماحول سے سخت نفرت اور احیاء سنّت کا غیر معمولی جذبہ ہے۔ مجدد صاحب کی طرح وہ ڈنکے کی چوٹ پر بات نہیں کہتے، لیکن کہتے وہی ہیں جو مجدد صاحب نے کہا ہے"[1]

دربارِ اکبری کے مشہور شاعر اور بے نقط تفسیر سواطع الالہام کے مصنف فیضی کے شیخ محقق سے گہرے تعلقات تھے۔ فیضی کے خطوط پڑھنے سے پتا چلتا ہے

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۳۰۲

کہ اسے شیخ سے کتنی محبت و عقیدت تھی؟ شیخ اگر چاہتے تو فیضی اور ابوالفضل کے ذریعے دربار اکبری میں بڑے سے بڑا دُنیاوی اعزاز حاصل کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے فقر و فاقہ اور گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی اور اُن کے فقرِ غیور نے کسی طرح گوارا نہ کیا کہ عظمتِ اسلام پر حرف آئے۔ فیضی جیسا علامہ اور مخلص دوست جب صراطِ مستقیم سے بھٹک گیا، تو اُس کی فرمائش کے باوجود شیخ نے اس سے ملنا پسند نہ کیا۔

فہرس التوالیف میں شیخ محقق نے جس قدر تند و تیز تبصرہ فیضی کے بارے میں کیا ہے، کسی دوسرے معاصر کے بارے میں نہیں کیا۔ غیرتِ ایمانی کا لہو اُن کے قلم سے ٹپکتا ہوا محسوس ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

"فیضی اگرچہ فصاحت و بلاغت اور کلام کی پختگی میں ممتازِ روزگار تھا، لیکن افسوس کہ اس نے کفر اور گمراہی کے گڑھے میں گر کر بدبختی کا نشان اپنے حالات کی پیشانی پر لگا لیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ملت اور دین والوں کے لیے اس کا اور اس کی منحوس جماعت کا نام لینے سے بھی پرہیز ہے، اللہ تعالیٰ ان پر رجوع فرمائے، اگر وہ مومن ہیں۔" (ترجمہ) [1]

علم حدیث کی تشریح اور ترویج

علم حدیث شمالی ہند سے تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شیخ محقق نے علوم دینیہ خصوصاً علم حدیث کی شمع روشن کی، نیز درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کو ایک مشن کے طور پر اپنایا، تو ہندوستان کی فضائیں قال اللہ قال الرسول کی دل نواز صداؤں سے گونج اٹھیں۔

حضرت شیخ محقق کی تصانیف کا ذکر اس سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ اُن کے خاندان کی حدیثی خدمات کا مختصر تذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۲۴۳

○ حضرت شیخ نور الحق بن شیخ محقق (متوفی ۹؍ شوال ۱۰۷۳ھ) نے چھ جلدوں میں بخاری شریف کی شرح "تیسیر القاری" کے نام سے فارسی میں لکھی۔ انداز وہی ہے، جو شیخ محقق قدس سرہ کا "اشعۃ اللمعات" میں ہے۔ نیز شرح "شمائل ترمذی" لکھی جس کا قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

○ شیخ نور الحق کے پوتے شیخ سیف اللہ بن شیخ نور اللہ نے "شمائل ترمذی" کی شرح "اشرف الوسائل" کے نام سے لکھی۔

○ شیخ نور الحق کے دوسرے پوتے شیخ محب اللہ نے "صحیح مسلم" کی شرح "منبع العلم" کے نام سے لکھی۔

○ شیخ محب اللہ کے فرزندِ اکبر حافظ محمد فخر الدین نے "حصن حصین" کی شرح فارسی میں لکھی۔

○ حافظ محمد فخر الدین کے صاحبزادے شیخ الاسلام محمد، دہلی میں صدر الصدور کے عہدے پر فائز رہے۔ انہوں نے بخاری شریف کی شرح چھ جلدوں میں لکھی، جو "تیسیر القاری" کے حاشیہ پر چھپی ہوئی ہے۔

○ شیخ الاسلام محمد کے صاحبزادے شیخ سلام اللہ نے "موطا امام مالک" کی شرح، "شرح محلّی محل اسرار الموطا" دو جلدوں میں لکھی۔ اس کے علاوہ "شرح شمائلِ ترمذی" لکھی۔

○ شیخ سلام اللہ کے صاحبزادے شیخ محمد سالم نے رسالہ "نور الایمان" اور رسالہ "اصول الایمان" لکھا۔[1]

غرض یہ کہ شیخ محقق اور ان کے خاندان نے علومِ دینیہ اور حدیث شریف کی جو خدماتِ جلیلہ انجام دی ہیں، وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ص ۲۶۴-۲۵۸

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے جس وقت مسندِ تدریس بچھائی اُس وقت شمالی ہندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس تنگ و تاریک ماحول میں علومِ دینی کی ایسی شمع روشن کی کہ دُور دُور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ درسِ حدیث کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں جاری ہو گیا۔ علومِ دینی خصوصاً حدیث کا مرکزِ ثقل، گجرات سے منتقل ہو کر دہلی آ گیا۔ گیارھویں صدی ہجری کے شروع سے تیرھویں صدی کے آخر تک علمِ حدیث پر جتنی کتابیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں، ان کا بیشتر حصہ دہلی یا شمالی ہندوستان میں لکھا گیا، یہ سب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا اثر تھا۔"[1]

حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ کی دینی خدمات کے بارے میں چند مزید تاثرات ملاحظہ ہوں:

حضرت علامہ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے شیخ محقق کے تذکرے کا آغاز ان کلمات سے کیا ہے:

"وہ صوری اور معنوی کمال کے جامع اور جمالِ نبوی کے عاشقِ صادق تھے، انہیں شہرت کا عظیم حصہ ملا۔ مؤرخین میں سے کسی نے اجمالاً اور کسی نے تفصیلاً ان کا تذکرہ کیا ہے۔ دہلی میں واقع اُن کے مزار کے گنبد میں ایک پتھر پر ان کے مختصر حالات فارسی میں لکھے گئے ہیں، میں ان کا عربی میں ترجمہ کر رہا ہوں۔"[2] (ترجمہ)

۱۔ خلیق احمد نظامی، پروفیسر — حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۲۰۴

۲۔ غلام علی آزاد بلگرامی، علامہ سید — سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (طبع حیدر آباد دکن ۱۳۰۳ھ) ص ۵۲

مولوی فقیر محمد جہلمی، علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"باون (۵۲) سال کی عمر میں ظاہر و باطن کی جمعیت سے مکنت (قدرت) حاصل کر کے تکمیل فرزندان و طالبان میں مشغول ہوئے اور نشر علوم خصوصاً علم شریف حدیث میں ایسی طرز سے جو ولایت عجم میں کسی کو علمائے متقدمین و متاخرین سے حاصل نہ ہوا تھا، ممتاز و مستثنیٰ ہوئے اور فنونِ علمیہ خصوصاً فنِ حدیث میں کتبِ معتبرہ تصنیف کیں، جن پر علمائے زمانہ فخر کرتے اور ان کو اپنا دستور العمل جانتے ہیں اور اہلِ دانش خواص و عوام دل و جان سے ان کے خریدار ہیں۔"[1]

پیشوائے اہل حدیث نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

"ہندوستان جب فتح ہوا، اس میں علم حدیث نہیں تھا، بلکہ کبریت احمر کی طرح کمیاب تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کے بعض علماء مثلاً شیخ عبدالحق ترک دہلوی، متوفی ۱۰۵۲ھ اور ان جیسے دوسرے علماء پر اس علم کا فیضان کیا، شیخ وہ پہلے عالم ہیں جو ہند میں علم حدیث لائے اور یہاں کے لوگوں کو بہترین انداز میں یہ علم سکھایا، پھر یہ منصب اُن کے صاحبزادے شیخ نور الحق متوفی ۱۰۷۳ھ نے سنبھالا۔"[2] (ترجمہ)

شیخ محقق قدس سرہٗ کی تصانیف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شیخ کی تمام تصانیف علماء کے نزدیک مقبول اور محبوب ہیں، علماء انہیں شوق سے پڑھتے ہیں اور وہ واقعی اس لائق ہیں، ان کی عبادات میں قوت، فصاحت اور سلاست ہے، کان! انہیں محبوب رکھتے ہیں اور دل

۱۔ فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ (مکتبہ حسن سہیل، لاہور) ص ۴۳۰

۲۔ صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: الحطہ (طبع لاہور) ص ۶۱-۱۶۰

لطف اندوز ہوتے ہیں۔" (ترجمہ) [۱]

مولوی فقیر محمد جہلمی لکھتے ہیں:

"آپ کی فضیلت اور تنقید حدیث میں کوئی موافق و مخالف شک نہیں کر سکتا، مگر جس کو اللہ تعالیٰ انصاف سے اندھا کر دے یا تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھ دے، اعاذنا اللہ منہا" [۲]

عقائد

اہل سنت و جماعت کے عقائد، کتب کلام مثلاً

☆شرح عقائد، ☆ تمہید ابو شکور سالمی، ☆ المعتقد المنتقد اور ☆ تکمیل الایمان وغیرہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ دورِ آخر میں کچھ مسائل کو نزاعی بنا دیا گیا ہے۔ ذیل میں ہم اس امر کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں کہ شیخ محقق نے ان مسائل کے بارے میں کیا کہا ہے؟ اختصار کے پیش نظر صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ کی محبت

شیخ محقق کو حضور سید الانبیاء ﷺ سے گہری والہانہ عقیدت و محبت تھی جو ہر مسلمان کو ہونی چاہیئے۔ مدینہ منورہ کے احترام کے پیش نظر وہاں ننگے پاؤں پھرتے تھے۔ [۳] سرکار دو عالم ﷺ کا ذکر آتا ہے تو حضرت شیخ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور ان کا قلم حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے اپنی جولانیاں دکھاتا ہے شیخ محقق قدس سرہ نے حضور سید عالم ﷺ کی بارگاہ میں ایک نعت پیش کی تھی، اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ثنا ئیش گو، ولے چوں نیست ایمائش ز تو ممکن،

۱۔ صدیق حسن خان بھوپالی، نواب: الحطہ (طبع لاہور) ص ۱۶۱-۱۶۰

۲۔ فقیر محمد جہلمی، مولوی: حدائق الحنفیہ، ص ۴۳۰

۳۔ فاروق احمد انا، پروفیسر: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۱۱۲

بایں یک بیت مدحش را علی الاجمال اکفا کن

مخواں او را خدا از بہر شرع وحفظ دیں،

دگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش انشا کن

خرامم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ

جمال خود نما رحمے بجان زار شیدا کن

جہاں تاریک شد از ظلم سیہ کاراں

بیاؤ عالمے را روشن از نور تجلی کن

☆ نبی اکرم ﷺ کی نعت کہو، لیکن چونکہ تم اس کا حق ادا نہیں کر سکتے، اس لئے یہ ایک شعر پڑھ کر آپ کی اجمالی تعریف پر اکتفا کرو۔

☆ حکم شریعت اور دین کی حفاظت کے پیش نظر حضور سرور عالم ﷺ کو خدا نہ کہو، اس کے علاوہ آپ کی تعریف میں جو وصف چاہو تحریر کر دو۔

☆ یارسول اللہ (ﷺ) میں آپ کے جمال اقدس کے ہجر کے غم میں پریشان ہوں، اپنا دیدار عطا فرمائیں اور محب صادق کی جان پر رحم فرمائیں۔

☆ سیاہ کاروں کے ظلم سے دنیا تاریک ہو گئی ہے، آپ تشریف لائیں، اور نور تجلی سے جہان کو روشن فرمائیں۔

کہتے ہیں کہ جب شیخ تیسرے شعر پر پہنچے تو رقت طاری ہو گئی اور زار و قطار رونے لگے، خود شیخ محقق کا بیان ہے کہ انہیں چار مرتبہ خواب میں حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی۔[1]

علم مصطفیٰ (ﷺ)

حدیث شریف میں ہے: فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

---

[1] خلیق احمد نظامی، پروفیسر: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص ۱۱۸-۱۱۹

حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ اس کا ترجمہ اور شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"پس میں نے جان لیا، وہ کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام جزئی اور کلی علوم اور ان کا احاطہ حاصل ہو گیا۔" [1]

مدارج النبوۃ کے خطبہ میں فرماتے ہیں:

"حضور نبی اکرم ﷺ ذاتِ الٰہی کی تمام شانوں، اللہ تعالیٰ کی صفات کے احکام، افعال و آثار کے اسماء کے جاننے والے اور تمام ظاہر و باطن اور اوّل و آخر علوم کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور فَوقَ کُلِّ ذِی عِلمٍ عَلِیم کا مصداق ہوئے ہیں۔" [2]

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر پہلی دفعہ صور پھونکنے تک جو کچھ دنیا میں ہے حضور نبی اکرم ﷺ پر منکشف کر دیا گیا، یہاں تک کہ اوّل سے آخر تک تمام احوال آپ کو معلوم ہو گئے۔ آپ نے بعض احوال کی خبر صحابہ کرام کو بھی دی۔" [3]

ان تصریحات سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت شیخ محقق کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم ﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامِ قیامت تک کے تمام احوال اور ذاتِ باری تعالیٰ کی شیون اور صفات کا علم عطا فرمایا۔ اسی وسیع ترین علم کو علم مَا کَانَ وَمَا یَکُونُ کہا جاتا ہے۔

۱۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر) ج 1، ص ۳۳۳

۲۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر) ج 1، ص ۲

۳۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر) ج 1، ص ۱۴۴

اختیار و تصرف

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: سَلْ (مانگو)

حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی شرح میں اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم ﷺ کی قدرت اور اختیارات بیان کرتے ہوئے سماں باندھ دیا ہے:

"مطلقاً فرمایا مانگو، کسی خاص مطلوب کی تخصیص نہیں فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام معاملہ آپ کے دستِ اقدس میں ہے، جو چاہیں، جسے چاہیں، اپنے پروردگار کی اجازت سے دے دیں۔

فَاِنَّ مِن جُودِكَ الدُّنیا وَ ضَرَّتَهَا
وَمِن عُلُومِكَ عِلمَ اللَّوحِ وَ القَلَمِ

دنیا و آخرت آپ کی بخشش کا ایک حصہ ہیں اور لوح و قلم کا علم آپ کے علم کا بعض ہے۔

اگر خیریتِ دنیا و عقبیٰ، آرزو داری
بدرگاہش بیا و ہر چہ می خواہی تمنا کن

اگر تو دنیا و آخرت کی خیریت کی آرزو رکھتا ہے، تو ان کے دربار میں آ، اور جو چاہتا ہے آرزو کر۔" [1]

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

جن و انس کے تمام ملک اور ملکوت اور تمام جہان، اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور تصرف سے نبی اکرم ﷺ کے احاطہ، قدرت و تصرف میں تھے۔ [2]

۱۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی، ج ۱، ص ۳۹۶

۲۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی، ج ۱، ص ۴۳۲

حاضر و ناظر

حضور نبی اکرم ﷺ روضہ مقدسہ میں تشریف فرما بعطاءِ الٰہی تمام جہان کا مشاہدہ فرمار ہے ہیں، جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں۔ اسی مطلب کو حاضر و ناظر کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ فرماتے ہیں :

”اس کے بعد اگر یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے جسدِ اقدس کو ایسی حالت اور قدرت بخشی ہے کہ آپ جس جگہ چاہیں بعینہٖ اُس جسم مبارک کے ساتھ یا جسم مثالی کے ذریعے تشریف لے جائیں خواہ آسمان پر یا زمین پر، اسی طرح قبر میں یا قبر کے علاوہ، اس کا احتمال ہے، جبکہ ہر حال میں روضہ مبارکہ کے ساتھ خاص نسبت برقرار رہتی ہے۔“ [۱]

سلوک اقرب السبل میں فرماتے ہیں :

علمائے اُمّت کے کثیر مذاہب اور اختلافات کے باوجود کسی ایک شخص کا اس مسئلے میں اختلاف نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ تاویل اور مجاز کے شائبہ کے بغیر، حقیقتِ حیات سے دائم و باقی ہیں اور اعمالِ اُمّت پر حاضر و ناظر، طالبانِ حقیقت اور بارگاہِ رسالت کی طرف متوجہ ہونے والوں کے لئے فیض رساں اور مربّی ہیں۔ [۲]

اس کے علاوہ ”مدارج النبوۃ“ فارسی جلد ۱ ص ۱۲۱ اور ”اشعۃ اللمعات“ فارسی جلد ۱ ص ۴۰۱ پر بھی یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔

جسم بے سایہ

شیخ محقق، مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں :

”حضور نبی اکرم ﷺ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا، کیونکہ زمین جائے

۱۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق : اشعۃ اللمعات، ج ۲، ص ۲۵۰

۲۔ ایضاً : سلوک اقرب السبل بالتوجہ الیٰ سید الرسل (مع اخبار الاخیار) ص ۱۵۵

کثافت اور نجاست ہے، دھوپ میں بھی آپ کا سایہ نہیں دیکھا گیا، اسی طرح علماء نے بیان کیا ہے، تعجب ہے کہ ان بزرگوں نے چراغ کی روشنی میں سایہ نہ ہونے کا ذکر نہ کیا...... چونکہ نبی اکرم ﷺ عین نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔"[1]

دیدارِ الٰہی

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

"مختار یہ ہے کہ دُنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے، لیکن بالاتفاق واقع نہیں، ہاں حضور سیّد المرسلین ﷺ کے لئے شبِ معراج واقع ہے۔"[2]

حیات انبیاء کرام و اولیاء عظام

مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

"انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات، علماء ملت کے درمیان متفق علیہ ہے اور کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ وہ زندگی، شہداء اور فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کی زندگی سے کامل تر اور قوی تر ہے، ان کی زندگی معنوی اور اُخروی ہے اور انبیاء کرام کی حِسّی اور دُنیاوی ہے، اس بارے میں احادیث اور آثار واقع ہیں۔"[3]

نیز ملاحظہ ہو: "اشعۃ اللمعات" فارسی، ج ۱، ص ۵۷۴

"اشعۃ اللمعات" میں فرماتے ہیں:

انبیاء کرام حیاتِ حقیقی دُنیاوی سے زندہ ہیں اور اولیائے کرام حیات

۱۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی، ج ۱، ص ۱۱۸

۲۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی، ج ۴، ص ۴۲۴

۳۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی، ج ۲، ص ۴۴۰

اخروی معنوی سے۔"[1]

جذب القلوب میں فرماتے ہیں:

"بعض مشائخ نے کہا کہ میں نے چار اولیاء کرام کو پایا، وہ قبروں میں اسی طرح تصرف کرتے ہیں، جس طرح ظاہری حیات میں کرتے تھے، یا اس سے زیادہ۔"[2]

سماعِ موتٰی

جذب القلوب میں فرماتے ہیں:

"تمام اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ تمام اموات کے لئے جاننے اور سننے والے ادراکات ثابت ہیں۔"[3]

زیارتِ قبور

"تمام مومنوں کی قبروں اور ان کی روحوں کے درمیان ایک دائمی نسبت ہے جس کی بنا پر وہ زیارت کرنے والوں کو پہچانتے ہیں اور انہیں سلام کہتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ زیارت تمام اوقات میں مستحب ہے۔"[4]

زیارتِ روضۂ انور

"جذب القلوب" میں فرماتے ہیں:

"حضرت سید المرسلین ﷺ کی زیارت، افضل سنتوں اور مؤکدہ مستحبات

۱۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات، ج ۳، ص ۴۰۲
۲۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: جذب القلوب فارسی (طبع نولکشور لکھنو) ص ۲۱۳
۳۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: جذب القلوب فارسی (طبع نولکشور لکھنو) ص ۲-۲۰۱
۴۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: جذب القلوب فارسی (طبع نولکشور لکھنو) ص ۲۰۶

میں سے ہے، اس پر علمائے دین کا قولی اور فعلی اجماع ہے۔"[۱]

توسل اور استعانت

"جذب القلوب" میں فرماتے ہیں:

"حضور نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگتے ہوئے کہا: تیرے نبی کے طفیل اور ان انبیاء کرام کے طفیل جو مجھ سے پہلے ہوئے، اس حدیث سے وصال سے پہلے اور اس کے بعد دونوں حالتوں میں توسل ثابت ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد، جب دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے وصال کے بعد توسل جائز ہے، تو سید الانبیاء علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بطریق اولیٰ جائز ہو گا، بلکہ اس حدیث کی بناء پر بعد از وصال اولیاء کرام سے توسل کا قیاس کریں تو بعید نہیں ہے، ہاں اگر حضور سید الرسل ﷺ کی خصوصیت پر دلیل قائم ہو جائے، تو قیاس درست نہ ہو گا، مگر دلیل کہاں؟۔"[۲]

اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

"امام غزالی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ زندگی میں جس ہستی سے مدد طلب کی جاتی ہے، ان کے وصال کے بعد بھی ان سے مدد طلب کی جائے گی"[۳]

"اشعۃ اللمعات" فارسی جلد سوم میں تفصیلی گفتگو کے بعد فرماتے ہیں:

"منکرین کی خواہش کے برعکس اس جگہ کلام طویل ہو گیا، کیونکہ

۱۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: جذب القلوب (فارسی) ص ۲۱۰

۲۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: جذب القلوب (فارسی) ص ۲۲۱

۳۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: جذب القلوب (فارسی) ج ۱، ص ۷۱۵

ہمارے زمانے کے قریب ایک فرقہ پیدا ہو گیا ہے، جو اولیاء اللہ سے استمداد کا منکر ہے اور اُن کی طرف توجہ کرنے والوں کو مشرک اور بُت پرست قرار دیتا ہے اور جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتا ہے۔"[1]

شفاعت

ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر فاسقوں اور گناہ گاروں نے دُنیا میں اہل طاعت و تقویٰ کی کوئی امداد اور خدمت کی ہو گی، تو آخرت میں اس کا نتیجہ پائیں گے اور ان کی شفاعت اور امداد سے جنت میں جائیں گے"۔[2]

امام ابن ماجہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے:

انبیاء، پھر علماء، پھر شہداء، اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"ان تین گروہوں کی شفاعت کی تخصیص ان کی فضیلت و کرامت کی زیادتی کی بناء پر ہے، ورنہ تمام اہل خیر مسلمانوں کے لئے شفاعت ثابت ہے۔ اس سلسلے میں مشہور حدیثیں وارد ہیں، خواہ گناہوں کی بخشش کے لئے ہو یا درجات کی بلندی کے لئے، اور شفاعت کا انکار بدعت اور گمراہی ہے جیسے کہ خوارج اور بعض معتزلہ کا مذہب ہے۔"[3]

محفلِ میلاد

"مدارج النبوۃ" میں فرماتے ہیں:

ابولہب نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت پر خوشی اور

---

[1] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات (فارسی) ج ۳، ص ۴۰۲
[2] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات (فارسی) ج ۔، ص ۴۰۵
[3] عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: اشعۃ اللمعات ج ۴، ص ۴۰۸

مسرت کا اظہار کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی بدولت اس کے عذاب میں تخفیف فرمادی اور سوموار کے دن اس سے عذاب اٹھالیا، جیسے کہ احادیث میں آیا ہے۔ اس جگہ میلاد منانے والوں کے لئے دلیل ہے جو سرکارِ دوعالم ﷺ کی ولادت باسعادت کی رات خوشی مناتے ہیں اور مال خرچ کرتے ہیں۔ ابولہب جو کافر تھا اور اس کی مذمت قرآن پاک میں نازل ہوئی۔ اُسے حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باکرامت کی خوشی منانے اور اپنی کنیز کا دودھ حضور سرکارِ دوعالم ﷺ کے لئے صرف کرنے پر جزا دی گئی۔ مسلمان جو محبت اور سرور سے مالا مال ہے اور اس سلسلے میں مال خرچ کرتا ہے، اس کا کیا حال ہوگا؟ لیکن یہ ضروری ہے کہ عوام میں پیدا کردہ بدعتوں مثلاً گانے، حرام آلات کے استعمال اور منکرات سے خالی ہو، تاکہ طریقۂ بدعت محرومیت کا سبب نہ ہو۔"[1]

ایصالِ ثواب

"تکمیل الایمان" میں فرماتے ہیں:

"مردوں کے لئے زندوں کی دعاؤں اور بہ نیت ثواب صدقہ دینے میں اہلِ قبور کے لئے عظیم نفع ہے، اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں اور آثار وارد ہیں، نماز جنازہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔"[2]

اس کے علاوہ اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۷۹۷ ملاحظہ ہو۔

عرس

"ماثبت بالسنۃ" میں فرماتے ہیں:

"مغرب کے بعض متاخرین مشائخ نے فرمایا کہ جس دن اولیاء کرام بارگاہِ

۱۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ (فارسی)، ج ۲، ص ۱۹

۲۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: تکمیل الایمان فارسی (طبع لکھنؤ) ص ۷۷-۷۶

عزت اور مقامات قدس میں پہنچتے ہیں، اس دن باقی دنوں کی نسبت زیادہ خیر و برکت اور نورانیت کی امید کی جاتی ہے اور یہ ان امور میں سے ہے جنہیں علمائے متاخرین نے مستحسن قرار دیا ہے۔''[1]

مزارات پر گنبد اور عمارت بنانا

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آخر زمانہ میں چونکہ عوام کی نظر ظاہر تک محدود ہے، اس لئے مشائخ اور اولیاء کے مزارات پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھتے ہوئے کچھ چیزوں کا اضافہ کیا تاکہ وہاں اسلام اور اولیائے کرام کی ہیبت و شوکت ظاہر ہو، خصوصاً ہندوستان میں جہاں دشمنانِ دین ہنود اور دوسرے کافر بہت سے ہیں، ان مقامات کی شان و شوکت سے وہ لوگ مرعوب اور مطیع ہوں گے۔ بہت سے اعمال، افعال اور طریقے ایسے ہیں، جو سلف صالحین کے زمانے میں ناپسند کیے جاتے تھے اور بعد کے زمانوں میں پسندیدہ قرار دیے گئے۔''[2]

قادریت

حضرت شیخ محقق قدس سرہ العزیز کو اگرچہ دوسرے سلاسل میں بھی بیعت و خلافت حاصل تھی، لیکن ان پر نسبتِ قادریت کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ حضور سیدنا شیخ سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی نسبت ہی کو اپنے لئے طرۂ امتیاز قرار دیتے تھے۔ فتوح الغیب کی فارسی میں شرح لکھی تو احتراماً اس کی ابتداء میں اپنا نام نہیں لکھا، اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس حقیر کے نام کے ذکر کی کیا حیثیت اور مجال ہے؟ کہ اس جگہ ذکر کیا

۱۔ عبد الحق محدث دہلوی، شیخ محقق: ماثبت بالسنۃ (عربی، اردو، طبع لاہور) ص ۲۲۴

۲۔ عبد الحق محدث دہلوی، شیخ محقق: شرح سفر السعادۃ فارسی (مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر) ص ۱۷۲

جا سکے۔"[۱]

اس جگہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ کا ایک ارشاد پیش کیا جاتا ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں ہے فرماتے ہیں:

سبحان اللہ! سیدنا قطب الاقطاب کی شانِ مبارک کا کیا کہنا؟ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ جو جیّد عالم بھی تھے۔جب انہوں نے کتاب فتوح الغیب تالیف محبوب سبحانی کی شرح لکھنے کا مصمّم ارادہ کیا تو ان کے دل میں ایسی دہشت پیدا ہوئی کہ قلم اٹھانے کی جرأت نہ رہی۔ تاآنکہ پاپیادہ لاہور حضرت شاہ ابو المعالی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اس غرض کے لئے حاضر ہوئے کہ وہ برزخی طور پر جناب سلطانِ اولیاء و جانِ اصفیاء سے شرح لکھنے کی اجازت طلب فرما کہ انہیں سرفراز فرمادیں۔ چونکہ شاہ ابو المعالی سیدنا غوث اعظم کے ساتھ محبت اور تعلق برزخی میں یگانہ اور وحید الدہر گزرے ہیں، انہوں نے اجازت حاصل کر کے محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کو مشرف فرمایا

(ملفوظاتِ مہریہ (طبع گولڑہ شریف) ملفوظ نمبر ۱۴۲ ص ۱۰۵)

"اخبار الاخیار" میں متحدہ ہندوستان کے مشائخ کرام کا تذکرہ ہے، لیکن شیخ محقق قدس سرہ کا حُسنِ عقیدت دیکھئے کہ انہوں نے سب سے پہلے سیّدنا غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کیا ہے۔

مَسلک

حضرت شیخ محقق مسلکِ اہلِ سُنّت وجماعت کے امام ہیں، اُن کے عقائد کا مختصر جائزہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ کے عقائد اور معمولات

۱۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: شرح فتوح الغیب فارسی (طبع لکھنؤ) ص ۴۲۴

وہی ہیں، جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:۔ "مسلک امام ربانی"، طبع لاہور، از مولانا محمد سعید احمد نقشبندی رحمہ اللہ تعالیٰ، یہی عقائد و معمولات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملتے ہیں۔ "القول الجلی کی بازیافت" از حکیم سید محمود احمد برکاتی میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ مقالہ رضا اکیڈمی، لاہور نے طبع کیا۔

علماء دیوبند اگرچہ شیخ محقق کا نام احترام سے لیتے ہیں، تاہم وہ اپنے مکتبِ فکر کا تعلق، ان سے قائم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

مولوی انور شاہ کشمیری کے صاحبزادے مولوی انظر شاہ کشمیری استاذ تفسیر، دارالعلوم دیوبند کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو، جس میں وہ خاموشی کی زبان میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں:

"ایک عرصہ تک میرا خیال یہ رہا کہ دیوبند کو اپنا تعلق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے کیوں نہ قائم کرنا چاہیے، غالباً ہندوستان میں اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے حدیث کے سلسلہ میں ان کی خدمات کچھ کم وقیع نہیں، شروح حدیث میں شاہ صاحب مرحوم کے قلم سے جو کچھ جواہر پارے تیار ہوئے ہیں، انہیں تو جانے دیجئے، ان کے صاحبزادہ شیخ نورالحق کی شرح بخاری بھی ایک زمانہ میں معروف و متداول رہی۔ اس خانوادہ کی خدمات علماء ولی اللّٰہی کے کنبہ کی طرح اگرچہ جلیل و وقیع نہیں ل، تاہم حدیث و قرآن سے ہند کو واقف کرنے میں شیخ عبدالحق مرحوم کا بھی بہر حال حصہ ہے۔

پھر یہ رائے بھی بدل گئی، اوّل تو اس وجہ سے کہ شیخ مرحوم تک ہماری

ل چاند کے چہرے پر گرد و غبار ڈالنے والی بات ہے۔ (شرف قادری)

سند ہی نہیں پہنچتی۔ نیز حضرت شیخ عبدالحق کا فکر کلیتہً دیوبندیت سے جوڑ بھی نہیں کھاتا۔ غالباً میری بات بہت سوں کو چونکا دینے والی ہو، مگر اس موقع پر میں ایک جلیل اور صاحبِ نظر عالم کی رائے میں اپنے لئے پناہ ڈھونڈتا ہوں، سُنا ہے کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری مرحوم فرماتے تھے کہ "شامی اور شیخ عبدالحق پر بعض مسائل میں بدعت و سُنّت کا فرق واضح نہیں ہو سکا۔" بس اسی اجمال میں ہزار ہا تفصیلات ہیں، جنہیں شیخ کی تالیفات کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھیں گے۔"[۱]

حضور نبی اکرم ﷺ کے علم شریف کی وسعت کی نفی کرنے کے لئے حضرت شیخ محقق قدس سرہٗ کا نام ناجائز طور پر استعمال کیا گیا۔"

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی لکھتے ہیں:

"اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔"[۲]

حالانکہ شیخ محقق نے تصریح کی ہے کہ

"ایں سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ۔"[۳]

(ترجمہ) "اس بات کی کوئی بنیاد نہیں ہے اور اس کی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔"

علاوہ ازیں حضرت شیخ نے یہ بات بطورِ حکایت نقل کی ہے، روایت ہرگز نہیں کی۔ حکایت و روایت میں زمین و آسمان کا فرق ہے، جیسے کہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔

بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ بریلی، بدایوں، خیر آباد اور رامپور کے علماء

۱۔ انظر شاہ کشمیری، مولوی: فٹ نوٹ ماہنامہ البلاغ (شمارہ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ) ص ۴۹

۲۔ خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی: براہین قاطعہ (کتب خانہ امدادیہ، دیوبند) ص ۵۵

۳۔ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی (سکھر) ج ۱، ص ۷

یعنی علماء اہلِ سنت ہی حضرت شیخ محقق کے جانشین اور اُن کے مسلک کے امین ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ ایک جگہ چند اکابر ملت اسلامیہ کا ذکر کرنے کے بعد ان الفاظ میں شیخ محقق کا ذکر کرتے ہیں:

"شیخ شیوخ علماء الہند، محقق فقیہ، عارفِ نبیہ مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کبرائے ملت و عظمائے اُمت قَدَّسَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی بِاَسْرَارِھِم وَاَفَاضَ عَلَیْنَامِنْ بَرَکَاتِھِمْ وَاَنْوَارِھِمْ"[1]

اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام، امامِ اہل سنت، حضرت شیخ محقق، شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کی تربتِ انور پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، اُن کی اولاد امجاد اور تمام اہل سنت و جماعت کو اُن کے علمی ورثے کی حفاظت، اور اشاعت کی توفیق عطا فرمائے اور اُن کی تصانیف مبارکہ کے ذریعے احناف کے باہمی اختلاف کا خاتمہ فرمائے۔ آمین بحرمۃ سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

۱۔ احمد رضا بریلوی، امام: مجموعہ رسائل حصہ دوم (مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) ص ۱۰۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ تحصیل التعرف

شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے دور کی نابغۂ روزگار شخصیت تھے، انہوں نے صرف علوم دینیہ پڑھے ہی نہیں تھے، بلکہ باکمال مشائخ کی خدمت میں رہ کر ان پر عمل پیرا ہونے کی تربیت بھی حاصل کی تھی، وہ شریعت وطریقت کے جامع، دریائے علم ومعرفت کے شناور، اور اخلاص و تقویٰ کے پیکر تھے، ان کی ہر تحریر منتخب اور دین متین کی صحیح ترجمان ہے، درج ذیل سطور میں ان کی مایۂ ناز کتاب "تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف" کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔ حضرت شیخ محقق نے اس کتاب کو دو حصوں پر تقسیم کیا ہے

پہلی قسم : میں تصوف کی تعریف اور اس کی اہمیت بیان کرنے کے بعد شارح بخاری حضرت شیخ احمد زروق رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب :

"قواعد الطریقۃ فی الجمع بین الشریعۃ و الحقیقۃ"

سے اٹھائیس قواعد نقل کر کے ان کی شرح کی ہے، جن میں علماء ظاہر و باطن کے درمیان مفاہمت کا راستہ تجویز کیا گیا ہے

دوسری قسم : میں فقہ، فقہاء اور دیگر متعلقہ امور بیان کئے گئے ہیں، اس قسم میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات اور مناقب تفصیل سے بیان کرنے کے علاوہ فقہ حنفی کی عظمت بیان کرنے کے بعد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے احوال کسی قدر تفصیل سے بیان کئے ہیں، چونکہ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ ان کے مذہب پر تھے اس مناسبت سے ان کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے

تصوف اور اس کے متعلقات کا بیان

اس قسم میں تصوف کی تعریف، اس کی اہمیت، اور اس کا اشتقاق بیان کرنے کے بعد اس غلط خیال کی تردید کی ہے کہ صوفیہ کا وجود اسلام کے دور اوّل میں نہیں تھا، بلکہ یہ فرقہ بعد کے زمانے کی پیداوار ہے، اس سلسلے میں انہوں نے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ:

"ہمارے طریقے کی بنیاد کتاب وسنّت پر ہے اور ہر وہ طریق جو کتاب و سنّت کے خلاف ہو باطل اور مردود ہے۔"

ان کا یہ فرمان بھی نقل کیا ہے:

"جس شخص نے حدیث نہیں سنی اور فقہا کے پاس نہیں بیٹھا اور باادب حضرات سے ادب نہیں سیکھا وہ اپنے پیروکاروں کو بگاڑ دے گا۔"

اس کے بعد حضرت شیخ محقق نے شارح بخاری سیدی احمد زرّوق رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب

قواعدُ الطَّرِيقَةِ في الجمع بين الشَّرِيعةِ والحقيقَةِ

سے اٹھائیس قواعد نقل کر کے ان کی شرح کی ہے، یہ کتاب دراصل ایک عارف باللہ تعالیٰ کی علماء ظاہر اور صوفیہ کے درمیان مفاہمت کی بہترین کوشش ہے اور دونوں فریقوں کے درمیان میانہ روی کا راستہ تجویز کیا ہے۔

صوفیہ کرام کے ماننے والوں کی تعداد اگرچہ ہر دور میں بڑی کثرت کے ساتھ پائی گئی ہے، تاہم ان کے ناقدین اور اُن پر اعتراض کرنے والے بھی ہر دور میں پائے گئے ہیں، دورِ قدیم میں صوفیہ پر کڑی تنقید کرنے والوں کے سرخیل، مشہور نقاد اور محدث علامہ ابنِ جوزی ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ زرّوق فرماتے ہیں کہ ان

حضرات کی تصانیف سے بھی فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے لئے تین شرطیں ہیں:

۱- اعتراض کرنے والوں کی نیک نیتی پر شبہ نہ کیا جائے

۲- جن حضرات پر اعتراض کیا گیا ہے ان کا عذر تسلیم کیا جائے یا تاویل کی جائے

۳- پڑھنے والا اپنی سوچ اپنی حد تک محدود رکھے۔

اگر ان شرائط کو ملحوظ رکھا جائے تو انسان غلطی کے مقامات سے محفوظ رہ سکتا ہے اور علی وجه البصيرة اپنے لئے راستہ متعین کر سکتا ہے۔

حضرت شیخ نے منکرین کے انکار کی وجوہ بھی بیان کی ہیں اور ان کتابوں کی نشاندہی بھی کی ہے جن کے مطالعہ سے مخلص علماء نے منع کیا ہے، اس کے باوجود وہ تصوف کی اہمیت کا انکار نہیں کرتے، بلکہ تصوف کو فقہ سے اہم قرار دیتے ہیں، اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تصوف بغیر فقہ کے صحیح نہیں ہے؛- تصوف کا حاصل یہ ہے کہ انسان اپنا تعلق خالق اور مخلوق سے درست رکھے اور دونوں کے حقوق ادا کرے- جسے ضروری احکام شرعیہ فقہیہ کا علم ہی نہیں ہے وہ شیطان کا کھلونا تو بن سکتا ہے، اس راستے کا راہی نہیں ہو سکتا۔

حضرت سیدی شیخ زروق نے بعض لوگوں کے اس خیال کا بھی رد کیا ہے کہ صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، یعنی وہ غیر مقلد ہوتا ہے، شیخ فرماتے ہیں کہ اکابر صوفیہ کرام کسی نہ کسی امام مجتہد کے پیروکار تھے، لیکن وہ ایسے طریقے کو ترجیح دیتے تھے جس میں دل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضوری میسر ہو۔

حضرت شیخ نے سماع کے بارے میں بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے، حضرت شیخ محقق فرماتے ہیں اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ اس جگہ تین قول ہیں:

۱- فقہاء کے مذہب پر راجح قول یہ ہے کہ سماع حرام ہے،

۲-محدثین کے نزدیک مباح ہے،

۳-صوفیہ کے مسلک کے مطابق تفصیل ہے، جیسے کہ مشہور مقولہ ہے کہ سماع اس کے اہل کے لئے مباح ہے-

حضرت شیخ زروق فرماتے ہیں کہ حالتِ ضرورت سماع جائز ہے، مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد قاعدہ نمبر ۱۸ میں فرماتے ہیں:

"یہ سب اس وقت ہے جب آلات کے بغیر ہو، ورنہ عنبری اور ابراہیم بن سعد کے علاوہ سب اس کی حرمت پر متفق ہیں-"

سماع ضرورت کے وقت اور شرائط کی رعایت کے ساتھ جائز ہے، تاہم اس سے خرابیاں پیدا ہونے کا خطرہ ہے، جیسے وہ محلِ ذکر مفاسد سے خالی نہیں جس میں مرد اور عورتیں، فاسق اور اہلِ غفلت موجود ہوں، اس لئے حضرت شیخ زروق رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں اہل علم کے دو موقف ہیں:

۱- جو حضرات برائی کے راستوں کے بند کرنے کے قائل ہیں وہ سماع سے بالکل منع کرتے ہیں، تاکہ ایسا نہ ہو کہ سماع کسی ممنوع اور مکروہ تک پہنچا دے-

۲- جو حضرات برائی کے راستوں کے بند کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتے وہ اسی صورت سے منع کرتے ہیں جہاں باطل اور ناجائز کام پایا جائے-

پھر فرماتے ہیں کہ پہلا قول زیادہ محتاط، محکم اور زیادہ سلامتی والا ہے [۱]

اسکے بعد وہ ضرورتیں بیان کی ہیں جو سماع کی طرف داعی ہیں- [۲]

علاوہ ازیں سماع کے قائلین کی بیان کردہ تین شرائط بیان کی ہیں: [۳]

۱-وقت موزوں ہو، جگہ مناسب ہو اور ساتھی ہم خیال ہوں-

۱- قاعدہ نمبر ۲۱ ۲- قاعدہ نمبر ۲۲ ۳- قاعدہ نمبر ۲۳

۲- فراغت ہو یعنی شرعی اور عادی اعتبار سے کوئی زیادہ اہم امر در پیش نہ ہو۔

۳- سینہ نفسانی خواہشات سے پاک ہو۔

وجد اسکی حالتیں اور اسکے احکام

ذکر اور سماع کی محافل میں بعض اوقات حاضرین میں سے کسی پر ایک خاص حالت طاری ہو جاتی ہے جس کی بنا پر وہ حرکت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اس کے بارے میں شیخ فرماتے ہیں:

"صرف اس وقت حرکت کرے جب حال کا غلبہ ہو"[۱]

اگر اس شخص پر حال کا غلبہ نہ ہو اور اس کے باوجود وہ حرکت کرے تو دیکھنے والا تین حال سے خالی نہیں ہو گا، اس سے کم درجہ ہے تو خاموش رہے، اس سے بلند مرتبہ ہو تو اسے منع کرے اور اگر اس کا ہم مرتبہ ہے تو اسے تنبیہ کرے۔

بعد ازاں حضرت شیخ زروق نے وجد کے احکام بیان کیے ہیں۔[۲] حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تصوف کی مشہور اور بنیادی کتاب "تعرف" کے حوالے سے وجد کی کئی تعریفیں نقل کی ہیں، حضرت شیخ ابوالحسن نوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وجد شوق کا وہ شعلہ ہے جو انسان کے سر پر ظاہر ہوتا ہے، تو اس حالت کے وارد ہونے پر اعضاء میں خوشی یا غم کی وجہ سے اضطراب ظاہر ہو جاتا ہے۔"

حضرت شیخ محقق فرماتے ہیں:

"مشائخ نے فرمایا کہ وجد جلد زائل ہو جاتا ہے، محبت کی گرمی برقرار رہتی ہے جو زائل نہیں ہوتی۔"

۱۔ قاعدہ نمبر ۲۳ ۲۔ قاعدہ نمبر ۲۴

بعض مشائخ نے فرمایا:

"وجد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقام مشاہدہ کی طرف ترقی کی بشارتوں کا نام ہے۔"[1]

شیخ زروق فرماتے ہیں کہ اگر حالت وجد میں انسان کا اختیار اور ضبط ہاتھ سے جاتا رہے اور یہ حالت تکلف کے بغیر پائی جائے تو اس شخص کا حکم وہی ہے جو مجنون کا ہے اس حالت میں اگر فرض ادا کرنے سے رہ گیا تو اس کی قضا لازم ہے، کیونکہ یہ حالت اگرچہ غیر اختیاری ہے، لیکن اس کا سبب (سماع، ذکر وغیرہ) اس نے اپنے اختیار سے اپنایا ہے۔ اس حالت میں اگر اس سے کوئی غیر مشروع فعل سرزد ہو جائے تو وہ لائق اتباع نہیں، اس سلسلے میں چند بزرگوں کے واقعات پیش کیے ہیں، مثلاً

- ـــــ حضرت شیخ ابوالحسن نوری نے اپنی گردن جلاد کے سامنے پیش کردی،
- ـــــ حضرت ابو حمزہ حج کے لئے جاتے ہوئے کنوئیں میں گر گئے انہوں نے امداد کے لئے کسی مخلوق کو نہیں پکارا،
- ـــــ شیخ شبلی نے خاص حالت میں اپنی داڑھی صاف کردی۔ اور مال دریا میں پھینک دیا۔

اسی ضمن حضرت شیخ زروق نے وجد کی تین قسمیں اور ان کی علامات بیان کی ہیں:

۱۔ وجد کے دوران ایسا مطلب محسوس ہو جو علم، عمل یا حال کا فائدہ دے اور اسے استراحت کی حاجت محسوس ہو تو یہ وجد حقیقی اور معنوی ہے۔

۲۔ صاحب وجد کی توجہ خوش آوازی اور اشعار کی موزونیت کی طرف ہو، اس کے ساتھ نفس میں گرمی اور اضطراب محسوس کرے تو یہ وجد طبعی ہے

۳۔ صرف حرکت اس کے پیش نظر ہو اور اس کے بعد بے چینی پیدا ہو اور

---

[1] قاعدہ نمبر ۲۴

جسم میں سخت گرمی ہو تو یہ وجد شیطانی ہے۔[1]

پھر فرماتے ہیں کہ اموال اور عزتوں کی طرح عقلوں کی حفاظت بھی واجب ہے، لہٰذا جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ میری عقل سماع سے مغلوب ہو جائے گی، اس کے لئے سماع بالاتفاق ممنوع ہے، کپڑوں کا پھاڑنا بھی جائز نہیں کہ یہ مال کو ضائع کرنا ہے[2]

(ظاہر ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب قصداً کپڑے پھاڑے غیر اختیاری حالت میں تو معذور ہے ۱۲ ق)

مزید فرماتے ہیں کہ عاشقانہ اور فصیح اشعار کا پڑھنا، اشعار کا بلند آواز سے پڑھنا، منظوم کلام سن کر طبیعت میں میلان کا پیدا ہونا مشاہدہ کے حصول سے بعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا جلال، نفس کے قائم ہونے سے مانع ہے۔ اشعار نفس کی پسندیدہ اور قابل ستائش چیزوں میں شامل ہیں۔ جس شخص کے دل پر حق کا نور جلوہ گر ہو اس میں غیر کا حصہ باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر صحابہ کرام اور محققین صوفیہ نے شعر و شاعری میں زیادہ دلچسپی نہیں لی۔[3]

وجد کا تذکرہ آگیا ہے تو بعض اکابر محققین کے ارشادات بھی ملاحظہ فرمائیں۔ بعض سعادتمندوں کو ذکر اور سماع کی مجلس میں حالتِ وجد و جذب طاری ہو جاتی ہے، لغت میں وجد کا معنی ہے پالینا، صوفیہٗ کرام کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہونے والے انوار و تجلیات اور کیفیات روحانیہ کا پالینا مراد ہے، جذب کا لغوی معنی کھینچنا ہے، صوفیہٗ کرام کی اصطلاح میں جذب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا اس قدر غلبہ ہو جائے کہ توجہ تمام ماسوی اللہ تعالیٰ سے ہٹ جائے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"جذب یہ ہے کہ آدمی کو اپنے خیال کا اس قدر مغلوب بنالیں کہ نفسانی

۱۔ قاعدہ نمبر ۲۵ ۲۔ قاعدہ نمبر ۲۶ ۳۔ قاعدہ نمبر ۲۷

خواہشات تو کجا وہ خود اپنے آپ سے بے خبر ہو جائے، جیسے کہ ایک معمولی نوکر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو تو بادشاہ کی عظمت و شوکت کو دیکھ کر اپنے آپ اور تمام لذتوں سے غافل ہو جائے، اس صورت میں خود بخود قضائے الٰہی پر رضا حاصل ہو جاتی ہے (ترجمہ)"۔[۱]

وجد و جذب کی کیفیت تین حال سے خالی نہیں:

۱۔ کسی شخص پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ حقیقۃً طاری ہو جائے، اس بنا پر اس سے مختلف حرکات صادر ہوں، مثلاً اٹھ کر کھڑا ہو جائے یا گر کر تڑپنے لگے تو وہ شخص بلاشبہہ مبارک اور مسعود ہے۔

۲۔ ایک شخص پر وہ حقیقی کیفیت تو طاری نہیں ہوتی، لیکن وہ اہل اللہ اصحاب وجد کی مشابہت کے ارادے سے وہی انداز اختیار کرتا ہے، اسے تواجُد کہتے ہیں اور یہ بھی جائز ہے۔

۳۔ لوگوں کے سامنے اپنے قصد اور اختیار سے اصحاب وجد جیسی حرکتیں اس نیت سے کرے کہ دیکھنے والے اسے اولیاء اللہ میں سے جانیں اور اس کے عقیدت مند بنیں تو یہ ریاکاری، حرام اور شرکِ خفی ہے۔

علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"تواجد یہ ہے کہ ایک شخص کو حقیقۃً وجد حاصل نہ ہو، لیکن وہ تکلف سے وجد کو اختیار کرے، اس میں شک نہیں کہ تواجد میں حقیقی وجد والوں سے مشابہت اختیار کرتا ہے اور یہ نہ صرف جائز ہے، بلکہ شرعاً مطلوب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[۱] تفسیر عزیزی (فارسی) جلد ۱، ص ۵۶۸ مطبوعہ دہلی

مَن تَشَبَّهَ بِقَومٍ فَهُوَ مِنهُم (الحدیث)

"جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ ان میں سے ہے"

یہ حدیث امام طبرانی نے "معجم اوسط" میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

کسی قوم سے مشابہت اختیار کرنے والا ان میں سے اس لئے ہے کہ اس کا اس قوم سے مشابہت اختیار کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ ان سے محبت رکھتا ہے اور ان کے احوال وافعال سے راضی ہے۔" (ترجمہ)[1]

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اور اگر خلوت و تنہائی محض میں جہاں کوئی دوسرا نہ ہو، بہ نیتِ محمودہ مثل تشبُّہ بہ عشاق والہین یا جلبِ حالاتِ صالحین ہو تو ائمہ شان میں مختلف فیہ، بعض ناپسند فرماتے ہیں کہ صدق و حقیقت سے بعید ہے، اور ارجح یہ ہے کہ ان نیتوں کے ساتھ جائز بلکہ حسن ہے، کہ مَن تَشَبَّهَ بِقَومٍ فَهُوَ مِنهُم"[2]

إِن لَم تَكُونُوا مِثلَهُم فَتَشَبَّهُوا ۔ إِنَّ التَّشَبُّهَ بِالكِرَامِ فَلَاحُ

اور سچی نیت سے نیکوں کی حالت بناتے بناتے خدا چاہے تو واقعیت بھی مل جاتی ہے۔

امام احمد رضا بریلوی یہ بھی فرماتے ہیں:

"باقی رہا تواجد جو صحیح طریقے (صحیح نیت) سے ہو تو اس کی طرف شیخ قشیری نے اپنے رسالہ میں اشارہ کیا ہے (رسالہ قشیریہ عربی ص ۳۷) انہوں نے فرمایا کہ ایک جماعت کہتی ہے کہ جو شخص وجد کا اظہار کرے اس کے تواجد کو تسلیم نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ تکلف پر مشتمل ہے اور

۱۔ عبدالغنی نابلسی، علامہ: الحدیقۃ الندیہ، ج ۲، ص ۵۲۵

۲۔ احمد رضا بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، نصف اول ص ۲۱۴

تحقیق سے دور ہے، جب کہ ایک جماعت کہتی ہے کہ خالص فقراء کے لئے جائز ہے، جو ان کیفیات کے حصول کے منتظر ہوتے ہیں، ان کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ روؤ، اگر رونا نہ آئے تو رونے کی شکل بناؤ۔"[۱]

وجد کے بارے میں گفتگو چل نکلی ہے تو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کی گفتگو کا وہ حصہ بھی ملاحظہ فرمالیں جو انہوں نے قاعدہ نمبر ۲۸ کی شرح میں لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ

"امام غزالی نے احیاء العلوم میں کئی ایسی حکایات نقل کی ہیں کہ بعض اہل دل اولیاء کرام پر قرآن پاک سننے سے وجد طاری ہو گیا، ان حکایات کے نقل کرنے کے بعد انہوں نے خود ایک سوال اٹھایا: کیا وجہ ہے؟ کہ صوفیہ قوالوں سے منظوم کلام سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں، قاریوں سے قرآن پاک سننے کے لئے اکٹھے نہیں ہوتے، ان کا اجتماع اور تواجد قاریوں کے حلقوں میں ہونا چاہیے نہ کہ قوالوں کے مجمع میں۔

امام غزالی نے اس سوال کا جواب یہ دیا کہ قرآن پاک کی نسبت، قوالی وجد کو زیادہ ابھارتی ہے، اس دعوے کو انہوں نے کئی وجوہ سے بیان کیا، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی تمام آیات سننے والے کے حال کے مناسب نہیں ہوتیں، ہر سننے والا نہ تو ان کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ ہی انہیں اپنے حال پر چسپاں کر سکتا ہے، جس شخص پر غم یا شوق یا ندامت کا غلبہ ہو، اس کے حال کے مطابق وہ آیات کیسے ہوں گی؟ جن میں میراث طلاق اور حدود وغیرہ کا ذکر ہے۔"[۱]

۱۔ احمد رضا بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ جلد دہم (طبع انڈیا) جزء اول ص ۲۱۴

اس سوال وجواب کو نقل کرنے کے بعد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے عارف باللہ امام احمد بن ابراہیم واسطی کا کلام ان کے رسالہ فقر محمدی سے نقل کیا ہے، پورا اقتباس تواصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں، اس جگہ اس کا کچھ حصہ پیش کیا جاتا ہے جو گوش ہوش سے سننے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں:

"تعجب ہے اس شخص پر جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعوٰی کرتا ہے اور اس کے دل کو محبوب کا کلام سننے سے وجد نہیں ہوتا، قصائد اور تالیوں کی آواز سن کر اس کا دل وجد میں آجاتا ہے، جب کہ اللہ عزّوجلّ کے محبین کے لئے قرآن پاک کا سننا ان کے سینوں کی شفا اور اسرار (لطائف) کی راحت ہے۔ متکلم جلّ شانہٗ اپنے کلام میں جلوہ گر ہوتا ہے اور ارباب محبت اس کے کلام، امر، نہی، وعدے، وعید، قصص، خبروں، نصیحتوں اور اطلاعات میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان کے دل خوفِ الٰہی کی آماجگاہ بن جاتے ہیں..... متکلم کی عظمت ان پر چھا جاتی ہے اور اس کی رحمت، الطاف، جلال اور انعام کے مشاہدے کی بنا پر ان کے دلوں کو محبت کے ذریعے کھینچ لیتی ہے۔

تو اس شخص کی بات نہ سن جو کہتا ہے کہ قرآن پاک انسانی طبیعتوں کے مناسب نہیں ہے، اس کے سننے سے وجد نہیں ہوتا، اور شعر انسانی طبائع کے مناسب ہے اس لئے کہ شعر سے دل میں رقت پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ کلام فاسد ہے، اور اس کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔ اس لئے کہ شعر صرف اپنے اوزان کی بدولت طبیعتوں کو حرکت نہیں دیتا، خصوصاً جب اچھی آواز والا رشت، زہادی وغیرہ (زاگوں) سے گائے، اس کے ساتھ تالی بجانا بھی شامل ہو، اور وہاں رقص کرنے والے بھی ہوں،

ا۔ شرح قاعدہ نمبر ۲۸

ایسی صورت حال بچوں اور چارپایوں کو طبعی اور جبلی تقاضے کے تحت تھرکنے پر مجبور کر دیتی ہے، نہ کہ ایمان اور یقین کے تقاضے کی بنا پر۔

رہے اہل یقین، صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والے احسان و اخلاص میں ان کی پیروی کرنے والے تو قرآن پاک ان کے دلوں میں چھپے ہوئے یقین کو حرکت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے! اشعار کا سننا چھوڑ دو، آیات کا سننا لازم پکڑو، اگر تمہیں قرآن پاک میں دلچسپی نہ ہو تو اپنے آپ کو متکلم جل شانہٗ کی معرفت میں کم نصیب ہونے کی تہمت لگاؤ۔ کیونکہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت زیادہ رکھتا ہے وہ اس کا کلام سنتے وقت زیادہ خشوع کا حامل ہوتا ہے" (شیخ واسطی کا کلام ختم ہوا)

اس میں شک نہیں کہ عملاً ہماری وہی حالت ہے جو امام غزالی نے بیان فرمائی ہے، تاہم شیخ امام واسطی کا کلام ہمیں گہرے غور و فکر کی دعوت دیتا ہے کہ آخر ہم محبوب حقیقی جَلّ جلالُہٗ کے کلام کے معانی تک پہنچنے اور اس کے مطالب میں غور و فکر کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان والا شان ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (۸۲/۴)

"یہ لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟ کیا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟"

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن پاک اور حدیث پاک پڑھنے، ان کے مطالب و معانی کے سمجھنے، ان میں تفکر و تدبر اور ان کے احکام پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

دوسری قسم

فقہ اور فقہاء کی اہمیت اور ائمہ مجتہدین کے احوال و آثار

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس قسم میں فقہ اور ائمہ مجتہدین کی طرف رجوع کی ضرورت بیان کی ہے، اس کے بعد ان کا ارادہ یہ تھا کہ چاروں اماموں کے احوال و آثار بیان کریں گے، لیکن جب امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال اور مناقب کا تذکرہ شروع کیا تو یہ سلسلہ اتنا دراز ہو گیا کہ باقی ائمہ کو چند سطروں میں خراج عقیدت پیش کر کے اپنا قلم روک لیا۔

تاہم شیخ محقق جہاں فقہی مذہب کے اعتبار سے حنفی ہیں وہاں وہ طریقت کے لحاظ سے قادری بھی ہیں اور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل و جاں سے شیدائی۔ حضرت سیدنا غوث الثقلین چونکہ حنبلی ہیں، اس لئے حضرت شیخ نے مختصر طور پر حضرت محبوب سبحانی کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے امام حضرت سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا بھی کسی قدر تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے۔

حضرت شیخ محقق وصل نمبر ۱۰ میں فرماتے ہیں:

"جب میں مکہ معظمہ میں تھا اس وقت میں نے امام احمد کے مذہب کی ایک کتاب خریدی، اس کے حاشیہ پر مذہب حنبلی کے ایک عالم علامہ زرکشی کی شرح کتاب الخرقی و الخرقی تھی، یہ عظیم اور مبسوط کتاب تین ضخیم جلدوں میں تھی، اس کے خریدنے کا مقصد یہ تھا کہ جہاں تک ممکن ہو ان کے مذہب کی پیروی کروں گا، اس امید پر کہ میرا عمل میرے شیخ، غوث اعظم قطب اکرم و الحکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے عمل کے موافق ہوگا، وجہ یہ تھی کہ میں نے اکثر و بیشتر مسائل
میں امام احمد کے اقوال امام ابو حنیفہ کے اقوال کے موافق پائے تھے،
اگرچہ ایسی روایت میں ہوں جو اصل مذہب کے مخالف ہی ہو۔ اس بنا
پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میں اپنے شیخ کی مخالفت کر کے حرج
میں واقع نہیں ہوا۔"

اسی وصل میں "نکتہ لطیفہ" کا عنوان قائم کر کے فرماتے ہیں:

کہا جاتا ہے کہ صاحب کشاف (جار اللہ زمخشری) فقہ میں حنفی اور
عقائد میں معتزلی تھے، اسی لئے انہیں حنفزلی کہا جاتا ہے، ہم بھی اس
لائق ہیں کہ ہمیں حنفنبلی کہا جائے، کیونکہ ہم بھی مذہب حنفی اور
حنبلی کے جامع ہیں۔

حضرت شیخ محقق وصل نمبر ۴ میں فرماتے ہیں کہ عوام الناس اور متعصب
شافعیوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ امام شافعی کے مذہب میں اتباع حدیث
پر بہت زور دیا گیا ہے، جب کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب رائے اور اجتہاد پر مبنی اور حدیث
کے مخالف ہے، یہ بات صریح جہالت اور محض غلط ہے کیونکہ امام اعظم کا مجتہد ہونا
ملت اسلامیہ کے نزدیک مسلم و مقبول ہے، بلکہ وہ دوسرے مجتہدین سے مقدم بھی
ہیں۔

حضرت شیخ محقق نے اس وہم کی دو نمایاں وجہیں بیان کی ہیں۔

۱۔ صاحب مصابیح اور صاحب مشکوٰۃ مذہب شافعی سے تعلق رکھتے تھے،
انہوں نے اپنے مذہب کے دلائل تلاش اور جستجو سے جمع کر کے اپنی
کتابوں میں درج کئے اور جن احادیث سے احناف استدلال کرتے ہیں ان
کے راویوں پر جرح قدح کی ہے۔

۲- مذہب حنفی کی مشہور کتاب "ہدایہ" نے بھی کسی حد تک لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کیا ہے- کیونکہ صاحب ہدایہ نے اکثر مقامات پر عقلی دلائل اور قیاسوں کو بنیاد بنایا ہے- اور ایسی حدیثیں لائے ہیں جن میں کئی قسم کا ضعف پایا جاتا ہے-

اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے جلیل القدر شیخ کمال الدین ابن ہمام کو کہ انہوں نے مذہب حنفی کی تحقیق کی اور اسے قابل استدلال حدیثوں سے ثابت کیا، نیز متن کی حدیثوں کو بھی ثابت کیا-

حضرت شیخ محقق اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جب یہ مسکین مکہ معظمہ میں تھا اور مشکوٰۃ شریف پڑھا کرتا تھا، تو مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ مذہب شافعی اختیار کر لوں، کیونکہ میں نے دیکھا کہ جو احادیث ان کے مذہب کے مطابق ہیں صحیح ہیں، اور مذہب حنفی کے موافق حدیثوں پر طعن کیا گیا ہے-

میں نے اپنا یہ خیال سیدی شیخ عبدالوہاب متقی کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے فرمایا: یہ بات آپ کے خیال میں کیسے واقع ہو گئی؟ غالباً مشکوٰۃ شریف پڑھنے سے آپ کو یہ بات سوجھی ہے، انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد پر وہ حدیثیں تلاش کیں جو ان کے مذہب کے موافق تھیں اور وہی حدیثیں اپنی کتابوں میں لکھ دیں- حالانکہ ان کی بیان کردہ حدیثوں سے اعلیٰ درجے کی حدیثیں موجود ہیں، جو ان کے معارض ہیں، یا ان سے راجح ہیں، یا ان کی ناسخ ہیں، اور یہ ایک حقیقت ہے جیسے کہ ہمارے مذہب کی لکھی ہوئی کتابوں سے ظاہر ہے"-

آگے بڑھنے سے پہلے حضرت شیخ محقق ہی سے اس واقعہ کا تتمہ بھی ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

"جب شیخ عبدالوہاب متقی مجھے وطن (ہندوستان) کے لئے رخصت کرنے لگے تو میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے کچھ عرصہ اپنی خدمت میں رہنے دیں تاکہ دونوں مذہبوں (حنفی اور شافعی) کی تحقیق کر لوں اور اس سلسلے میں واضح نتیجہ سامنے آجائے، انہوں نے فرمایا ان شاء اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ وہیں حل ہو جائے گا، چنانچہ حضرت شیخ کی برکت سے "مشکوٰۃ شریف" کی شرح اور ایک دوسری کتاب :

"فتح المنّان فی تائید مذهب النعمان"

میں یہ مسئلہ حل ہو گیا۔"

بحرالعلوم حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی (صاحب نبراس) نے بھی تقریباً یہی کچھ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں :

"کچھ حضرت شافعیہ نے گمان کیا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ قیاس کو اختیار کر لیتے ہیں اور حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں، یہاں تک کہ حنفیہ "اصحاب رائے" اور شافعیہ "اصحاب حدیث" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔"

سوال : یہ وہم جو لوگوں میں مشہور ہو گیا ہے اس کا سبب کیا ہے ؟

جواب : اس کے دو سبب ہیں :

۱۔ اس مذہب (حنفی) والوں نے اپنے مذہب کی مؤید احادیث کو جمع نہیں کیا، کیونکہ ان کے امام صرف حفاظ سے حدیث لینے کے قائل تھے، وہ روایت بالمعنیٰ سے گریز کرتے تھے، اس لئے ان کی صرف مختصر مسند ہی مشہور ہوئی ہے۔ برخلاف باقی تین مذاہب کے، انہوں نے اپنے مذہب کے موافق احادیث کئی کئی جلدوں میں جمع کی ہیں، چنانچہ ان کی مؤلفات مشہور ہو گئیں، جو احادیث کی

تلاش کرے گا اسے امام ابو حنیفہ کے مذہب کو ثابت کرنے والی زیادہ صحیح اور زیادہ قوی حدیثیں مل جائیں گی - امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے جمع کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا

۲- امام ابو حنیفہ بعض اوقات موافق قیاس حدیث کو مخالف قیاس حدیث پر ترجیح دیتے تھے - اس سلسلے میں وہ حدیث کو ترجیح دینے کے لئے عقلی دلیل بیان کر دیتے تھے، لیکن ان کے ہم مذہب سستی کا شکار علماء حدیث کی تلاش کی بجائے صرف عقلی دلیل کے بیان کرنے پر اکتفاء کرتے تھے -

مختصر یہ کہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد (رحمہم اللہ تعالیٰ) حدیث کی معرفت اور سنت سے استدلال کے بلند ترین مقام پر فائز تھے، لیکن ان کے مذہب کے بعض علماء نے احادیث کی تلاش اور انکی تخریج میں کوتاہی کی اور عقلی دلائل پر اکتفا کیا، جس سے لوگوں کو یہ گمان ہو گیا کہ اس مذہب کی بنا رائے پر ہے -

اس وہم کو تقویت اس بات سے ملی کہ بعض متاخرین احناف نے محدثین کے خلاف تعصب کا مظاہرہ کیا، ان کی شان کو کم جانا اور ان کی مخالفت میں غلو کیا، یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ التحیات میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا مکروہ ہے، ایام بیض (قمری مہینے کی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ) کے روزے اور جمعہ کے دن سورہ کہف کا پڑھنا مکروہ ہے حالانکہ یہ امور حدیث صحیح سے ثابت ہیں -"

علامہ پرہاروی مزید فرماتے ہیں:

"خلاصہ یہ کہ یہ کہنا کہ امام ابو حنیفہ قیاس کو اختیار کرتے ہیں اور حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں وہم ہے بلکہ وہ تمام ائمہ سے زیادہ، حدیث کی پیروی کرنے

والے ہیں، جسے شک ہو وہ فقہ حنفی کی کتاب "شرح مواہب الرحمٰن" دیکھ لے، اس کے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے دلائل پیش کرنے کا التزام کیا ہے، اسی طرح محقق ابن ہمام کی شرح ہدایہ (فتح القدیر) دیکھ لیجئے، انہوں نے ان اعتراضات کا جواب دیا، جو ہدایہ پر وارد کئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ان کی پیش کردہ احادیث کمزور ہیں اور انہوں نے عقلی دلائل پر اکتفا کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کثیر احادیث کا سماع کیا تھا، ان کے چار ہزار اساتذہ میں سے تین سو تابعین تھے" (ترجمہ)[1]

علامہ پرہاروی بعض علماء احناف کی ستم ظریفی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عجیب بات یہ ہے کہ امام محقق، ابن ہمام حنفی نے مذہب حنفی پر کئے جانے والے اعتراضات کا جواب دیا ہے، ان احادیث کو ثابت کیا ہے جو اس مذہب کی دلیل ہیں اور دوسرے حضرات نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے ان کا جواب دیا ہے، بعض حنفی علماء نے ان پر اعتراض کیا ہے کہ وہ اصحاب ظواہر میں سے ہیں حدیث سے متعلق ان کے علم کو موردِ طعن بنا دیا، یہ اچھی جزا ہے"[2]

ہمارے علماء احناف کے لئے یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ "مشکوٰۃ شریف" پڑھ کر شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی جیسی شخصیت یہ سوچنے لگے کہ مجھے مذہب شافعی اختیار کر لینا چاہیے۔ تو آج کے طلبہ کا کیا حال ہو سکتا ہے؟ یہ تسلیم کہ حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" میں اور حضرت شیخ محقق نے "اشعۃ اللمعات" اور "لمعات" میں مذہب حنفی کے دلائل بیان کئے ہیں اور دیگر ائمہ کے دلائل کے شافی جوابات دئے ہیں تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ درجۂ حدیث سے پہلے نصاب میں ایسی کتاب شامل کی جائے جو قرآن و حدیث سے مذہب حنفی کے

۱۔ علامہ پرہاروی: کوثر النبی (عربی) مکتبہ قاسمیہ، ملتان ج ۱، ص ۵۳، ۵۴

۲۔ عبدالعزیز پرہاروی، علامہ: کوثر النبی ص ۵۴

دلائل سے طلبہ کو روشناس کرائے۔ اللہ تعالےٰ جزائے خیر عطا فرمائے محدث دکن حضرت علامہ ابو الحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی قادری کو کہ انہوں نے "زجاجۃ المصابیح" کے نام سے پانچ جلدوں میں کتاب لکھی ہے، جو اس ضرورت کو پورا کرتی ہے نہ معلوم کیا وجہ ہے کہ ابھی تک اس اہم کتاب کو داخل نصاب نہیں کیا گیا۔

حضرت شیخ محقق نے متعدد مثالیں دے کر واضح کیا ہے کہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب اگر حدیث سے ثابت ہے تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب اس سے قوی حدیث سے ثابت ہے۔

حضرت شیخ محقق نے ایک نکتہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ احناف جن حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں، حضرات شافعیہ نے ان کے راویوں پر اعتراض کیا ہے تو ان کا یہ اعتراض ہمیں نقصان نہیں دیتا، کیونکہ یہ اعتراض ان راویوں پر ہے جو امام ابو حنیفہ سے بعد ہیں، بعد کے راویوں کے ضعیف ہونے سے یہ کیونکر لازم آگیا کہ جب وہ حدیث امام اعظم کو پہنچی تھی تو اس وقت بھی وہ ضعیف تھی۔

یہ نکتہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"یہ واضح نکتہ ہے جو راقم کے ذہن میں واقع ہوا ہے، میری نظر سے نہیں گزرا کہ کسی نے اس کا تذکرہ کیا ہو"۔ (وصل نمبر ۴)

حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ باکمال مشائخ کے تربیت یافتہ تھے، اول تو اس قسم کی باتیں کہنا ان کا معمول نہیں ہے، اس جگہ یہ بات نوک قلم پر آہی گئی جس میں خود پسندی یا احساس برتری کا شائبہ بھی ہو سکتا تھا تو فوراً اس کا ازالہ بھی کر دیا، فرماتے ہیں:

"ظاہر یہ ہے کہ علماء احناف نے اس کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ یہ بہت ہی واضح ہے"

یہ شان ہے ان علماء کی جو قرآن پاک کے مطابق "راسخون فی العلم" ہیں

وصل نمبر ۶ میں حضرت شیخ محقق نے خطیب بغدادی کا ذکر کر کے ان پر کڑی تنقید کی ہے اور اس کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں اگر ایک طرف امام اعظم کے مناقب کا انبار لگا دیا ہے تو دوسری طرف طعن و تشنیع اور تنقیص میں بھی کوئی کمی نہیں چھوڑی، اس لئے حضرت شیخ محقق ایسی شخصیت کو ان کا محاسبہ کرنے کا حق پہنچتا ہے۔

حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال و آثار کا زیادہ تر حصہ "جامع المسانید" سے لیا ہے، ان کے پاس "جامع المسانید" کا جو نسخہ تھا وہ ابتدا سے ناقص تھا۔ حضرت شیخ محقق اس کا تذکرہ کرتے ہوئے وصل نمبر ۷ میں فرماتے ہیں:

> "ہمارے پاس مسند کا جو نسخہ ہے اس کے چند ابتدائی اوراق غائب ہیں، اس لئے مولف کا نام و نسب، حال، اور ولادت و وفات کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی، جسے یہ معلومات مل جائیں وہ اس رسالے میں لکھ دے، اللہ تعالیٰ اسے ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔"

الحمد للہ! راقم نے اس جگہ حاشیہ میں مؤلف "جامع المسانید"، امام علامہ

ابو المؤید محمد بن محمود خوارزمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مختصر تعارف لکھ کر حضرت شیخ کی دعا حاصل کر لی ہے۔

وصل نمبر ۱۱ کا عنوان ہے "مجتہدین کی اقتداء اور اتباع لازم ہے"، اس سلسلے میں بتایا ہے کہ متقدمین کے ہاں معین امام کی اتباع کا التزام نہیں تھا، لیکن متاخرین نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ کسی معین مذہب ہی کی پیروی کی جائے۔

وصل نمبر ۱۳ اور خاتمہ میں اجتہاد کی تعریف اور اس کی شرطیں بیان کی ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کے لئے مقام اجتہاد کا حاصل کرنا ممکن ہی نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں کسی عالم کو مقام اجتہاد حاصل نہیں ہے۔

عام طور پر مصنفین اپنی تصانیف کو فصلوں پر تقسیم کرتے ہیں، حضرت شیخ محقق قدس سرہ العزیز نے بجائے فصل کے وصل کا عنوان قائم کیا ہے، غور کرنے پر معلوم ہوا کہ چونکہ فصل کا معنی جدا کرنا اور وصل کا معنی ملانا ہے، اللہ تعالیٰ کے اولیاء کا کام جدا کرنا نہیں بلکہ بندوں کو اللہ تعالیٰ سے ملانا یعنی مقامِ بندگی پر فائز کرنا ہے۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

اس لئے انہوں نے فصل کے عنوان کی بجائے وصل کا عنوان اختیار کیا ہے۔

تقریب ترجمہ

ماڈل ٹاؤن لاہور میں جناب یمین الدین حقی رحمہ اللہ تعالیٰ رہتے تھے جو سیٹلمنٹ کمشنر رہ چکے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب دس واسطوں سے حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز سے جا ملتا ہے، اسی لئے وہ اپنے نام کے ساتھ حقی لکھتے تھے

ان کا سلسلۂ نسب حسبِ ذیل ہے۔

ا۔ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی۔

۲۔ حضرت شیخ نورالحق محدث دہلوی،

۳۔ حضرت شیخ نوراللہ محدث دہلوی۔

۴- حضرت مولانا شیخ محب اللہ دہلوی

۵- حضرت شیخ نور الحق ثانی دہلوی

۶- حضرت مولانا مفتی محب الحق دہلوی

۷- حضرت مولانا مفتی نظام الدین دہلوی

۸- حضرت مولانا مفتی اکرام الدین :

مغلیہ دور میں تیس سال سے زیادہ عرصہ تک صدر امین صوبہ دہلی رہے ۱۸۴۷ء میں انتقال ہوا

۹- مولانا حافظ احسان الحق

۱۰- خان بہادر مولوی انوار الحق - ۱۹۰۲ء میں انتقال ہوا -

۱۱- مولوی محمد مصباح الدین، مجسٹریٹ دہلی --- ۱۹۴۷ء میں انتقال ہوا - رحمہم اللہ تعالیٰ

۱۲- جناب یمین الدین حقی رحمہ اللہ تعالیٰ

پیش نظر کتاب : "تحصیل التعرف فی معرفتہ الفقہ والتصوف"

شیخ المحدثین، عارف باللہ، برکتہ المصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم) فی الھند شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کی عربی زبان میں بابرکت تصنیف ہے، اس کا قلمی نسخہ جناب یمین الدین حقی رحمہ اللہ تعالےٰ[۱] کو مولانا علامہ مفتی محمد بشیر رحمہ اللہ تعالیٰ (گوجرانوالہ) سے ملا، انہوں نے سعادت لوح و قلم، ماہر رضویات، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی کو کہا کہ اس کا اردو میں ترجمہ کروادیں، ڈاکٹر صاحب نے ایک دو دفعہ مجھے تحریر کیا کہ کیا ہی اچھا ہو اگر آپ اس کا ترجمہ کردیں - پھر لاہور تشریف لائے تو اسی بلیغ انداز میں زبانی طور پر فرمائش

۱- یمین الدین حقی صاحب جنوری ۱۹۹۸ء / ۱۴۱۸ھ کو امریکہ میں انتقال کر گئے - ان کی تدفین ماڈل ٹاؤن، لاہور میں ہوئی - نماز جنازہ حضرت مسعود ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد دامت برکاتہم العالی نے پڑھائی ----- طاہر

کی، ایک طرف حضرت شیخ محقق کے ساتھ عقیدت اور یہ خیال کہ یہ کتاب ابھی تک چھپی نہیں، دوسری طرف ڈاکٹر صاحب ایسی محسنِ اہل سنت شخصیت کا محبت و شفقت سے لبریز فرمان تھا جس نے معذرت کی گنجائش نہ رہنے دی، اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ۲۷ راگست ۱۹۹۵ء کو ترجمہ شروع کر دیا جو ۷ ار جنوری ۱۹۹۶ء کو مکمل ہو گیا- ترجمہ میں پیراگرافی راقم نے کی، ذیلی سرخیاں قائم کیں اور فہرست بھی تیار کی- فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذلک-

یاد رہے کہ جناب حقی صاحب، ڈاکٹر صاحب کے قریبی عزیز ہیں- ابھی ترجمہ کر ہی رہا تھا کہ ادب عربی کے بین الاقوامی سکالر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر چیئرمین شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی نے بتایا کہ ڈاکٹر محمد افضل ربانی، ڈائریکٹر امور مذہبیہ، محکمہ اوقاف پنجاب کے برادر عزیز حافظ محمد اصغر اسعد، پروفیسر سول لائن کالج، ملتان اس کتاب پر تحقیقی مقالہ پی- ایچ- ڈی کے لئے لکھ رہے ہیں، یہ اطلاع کسی خوشخبری سے کم نہ تھی- ترجمہ کے دوران حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، مولانا علامہ محمد منشا تابش قصوری، استاذ شعبۂ فارسی، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، فاضل عزیز ممتاز احمد سدیدی سلمہ اللہ تعالیٰ جامعہ ازہر شریف، قاہرہ، مصر سے مشورہ کرتا رہا، محترم محمد عبدالستار طاہر (لاہور) نے ترجمہ پر نظر ثانی کی، ذیلی سرخیاں قائم کرنے کا مشورہ دیا اور پروف ریڈنگ بھی کی، محترم سید سعید حسن شاہ زیدی نے اسے کمپوز کیا- اللہ تعالیٰ جل مجدہ العظیم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اس سلسلے میں تعاون کرنے والے تمام اصحاب فضیلت کو جزائے خیر عطا فرمائے- آمین

۱۶ ار محرم الحرام ۱۴۱۷ھ — **محمد عبدالحکیم شرف قادری**

۳ ر جون ۱۹۹۶ء — شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

تحصیل التعرف
فی
معرفة الفقه و التصوف

(اردو ترجمہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارفِ فقہ و تصوف اور تذکرۂ فقہاء و صوفیہ

سب تعریفیں اللہ تعالےٰ کے لئے اور وہ کافی ہے، سلام ہو اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ بندوں، خصوصاً ان کے سردار اور امام حضرت محمد مصطفےٰ علیہ السلام، آپ کی آل اور صحابۂ کرام پر جو دین داروں کا انتخاب اور اہل صفا کے صُفّہ (خانقاہ) کے معتکف ہیں، اور اہل حقیقت کے مقتداؤں، علماء اور احکامِ شریعت کے پاسبان تمام اولیاءِ اُمت پر اور ان کے اربابِ ہدایت پیروکاروں پر۔

حمد و سلام کے بعد! قوت و غنا والے اللہ کریم جل مجدہ العظیم کا محتاج عبدالحق بن سیف الدین قادری حنفی دہلوی کہتا ہے کہ اس رسالے کا نام ہے تَحصِیلُ التَّعَرُّف فِی مَعرِفَةِ الفِقہِ والتَّصَوُّف و ذِکرِ اَحوالِ الصُّوفِیَّةِ وَالفُقَھَاءِ (فقہ و تصوف کی معرفت میں شناسائی کا حاصل کرنا، اور صوفیہ و فقہاء کے احوال کا بیان)

یہ رسالہ دو قسموں پر مشتمل ہے، پہلی قسم تصوف میں ہے، میں نے اس میں تصوف اور فقہ کے جامع بعض محققین کا کلام نقل کیا ہے

پہلی قسم

تصوف اور اس کے متعلقات کا بیان

تصوف کیا ہے؟

یہ بات آپ کے پیش نظر رہے کہ تصوف کی تعریف اور تفسیر کے بارے میں حضرات صوفیہ کے کلمات مختلف ہیں، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ تصوف کا

مطلب ہے

☆اخلاق کی اصلاح، ☆باطن کی صفائی، ☆صفات کاملہ سے موصوف ہونا، ☆اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے موصوف ہونا، ☆راہِ حق پر قائم رہنا، ☆حقوق کا ادا کرنا، ☆دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے مختص کر دینا، ☆اُس کے ماسوا سے رغبت ہونا، ☆(مذموم) انسانی اوصاف کا فنا ہو جانا، ☆دین کے بارے میں یقین حاصل کرنا، ☆دنیا کا ترک کرنا، ☆بے فائدہ کاموں سے گریز کرنا، ☆تقویٰ کی پابندی اور مولائے کریم جَلَّ شَانُہٗ کی مَحَبّت۔

حضرت جنید بغدادی سے تصوف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

☆"مخلوقات کی موافقت سے دِل کو صاف کرنا ☆طبعی (نفسانی) اوصاف سے جدا ہونا ☆بشری صفات کا فنا کرنا ☆نفسانی خواہشات سے گریز کرنا ☆روحانی صفات کا طلبگار ہونا ☆حقیقی علوم سے متعلق ہونا ☆دائمی اچھے کاموں کا اختیار کرنا ☆تمام امت کا خیر خواہ ہونا ☆حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کا وفادار ہونا ☆شریعت میں رسول اللہ ﷺ کا پیروکار ہونا اور ایسی ہی دیگر صفات اور برکات کا حامل ہونا۔

عارف باللہ، سیدی علامہ احمد بُرنسی معروف بہ شیخ زرّوق[1] رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۔ ابو العباس احمد بن محمد بن عیسیٰ البرنسی الفاسی معروف بہ زروق رحمہ اللہ تعالیٰ ۲۸ محرم الحرام ۸۴۶ھ / ۱۴۴۲ء بروز جمعرات طلوع آفتاب کے وقت پیدا ہوئے۔ ان کے شیخ سیدی زیتون نے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ ابدال میں سے ہیں۔ روحانی اعتبار سے بلند حال رکھنے کے باوجود ان کی تصانیف بہت ہی نفع مند اور مفید واقع ہوئی ہیں۔ بخاری شریف پر انہوں نے زواں دواں حاشیہ لکھا، "قواعد التصوف" ان کی بہترین تصنیف ہے، "حوادث الوقت" سو فصلوں پر مشتمل نفیس ترین کتاب ہے جس میں انہوں نے اس وقت کے صوفیاء خام کی بدعتوں کا رد کیا ہے، وہ حقیقت و شریعت کے جامع صوفیہ کے خاتم المحققین تھے، بڑے بڑے علماء مثلاً علامہ (شہاب الدین) قسطلانی (شمس الدین) لقانی، خطاب (کبیر) اور طاہر بن زیان (زوادی) انکی شاگردی پر فخر و انبساط کا اظہار کرتے تھے؛ ۸۹۹ھ / ۱۴۹۳ء (ماہ صفر میں بلاد طرابلس، مغرب) میں ان کا انتقال ہوا۔ ۱۲۔ یہ حاشیہ شیخ محقق کا ہے، قوسین کے درمیان اضافہ از استان المحدثین شاہ عبد العزیز محدث دہلوی راقم (شرف قادری) نے کیا ہے۔

"كتاب الجمع بين الشريعة و الحقيقة" میں فرماتے ہیں کہ تصوف کی تقریباً دو ہزار تعریفیں اور تفسیریں کی گئی ہیں۔ ان سب کا حاصل اللہ تعالےٰ کی طرف سچی توجہ ہے، تصوف کے بارے میں یہ مختلف تعبیریں ہیں، اور اس کی تفصیل بیان کرنے والے مختلف اقوال ہیں جن میں ہر شخص کے علم و عمل اور حال و ذوق کا اعتبار کیا گیا ہے جس شخص کو مولائے کریم کی طرف سچی توجہ کا حصہ حاصل ہے، اسے تصوف کا ایک حصہ حاصل ہے۔ پس ہر شخص کا تصوف اس کی سچی توجہ ہے، اور سچی توجہ کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اس طرح ہو کہ اللہ کریم جل شانہٗ اس سے راضی ہو اور یہی ایمان ہے اور ایسے طریقے پر ہو جسے وہ پسند کرے اور یہی اطاعت ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی مشروط بغیر شرط کے صحیح نہیں ہوتا اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا، اور اگر تم شکر کرو تو وہ تمہارے لئے اسے پسند فرمائے گا، لہذا اسلام پر عمل ضروری ہے۔ اور تصوف بغیر فقہ کے نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالےٰ کے ظاہری احکام فقہ ہی سے حاصل ہوتے ہیں، اور فقہ بغیر تصوف کے نہیں ہے کیونکہ عمل بغیر سچی توجہ کے نہیں ہو سکتا۔ عمل اور سچی توجہ ایمان کے بغیر نہیں پائے جاتے، کیونکہ ایمان کے بغیر ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں پایا جاتا، ان تینوں امور (ایمان، عمل اور صدق توجہ) کا جمع کرنا ضروری ہے۔ ان میں باہمی تعلق وہی ہے جو جسم و جان میں ہے۔ پس فقہ مقام اسلام ہے، علم عقائد کے اصول، مقام ایمان اور تصوف مقامِ احسان ہے۔ جس کی تفسیر نبی اکرم ﷺ نے یوں کی ہے کہ تم اللہ تعالےٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے۔ لہذا تصوف دین کی ایک جز ہے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو سکھائی تاکہ امت اس کا علم حاصل کرے۔

تصوف کی اہمیت

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

"جس نے علم فقہ حاصل کئے بغیر راہِ تصوف اختیار کیا وہ زندیق ہوا اور جس نے علم فقہ حاصل کیا اور تصوف کے راستے پر نہیں چلا وہ فاسق ہوا اور ایک روایت میں ہے فَقَدْ تَقَشَّفَ وہ بُرے حال والا ہوا، اور جس نے ان دونوں کو جمع کیا وہ صحیح مؤمن ہے۔

وصل

صوفی کی وجہ تسمیہ؟

تصوف کس سے مشتق ہے؟ اور صوفی کو صوفی کیوں کہا جاتا ہے؟ اس بارے میں بھی بہت سارے اقوال ہیں

☆ بغیر کسی تکلف اور بناوٹ کے ظاہر یہ ہے کہ لفظ صوفی صُوف (اون) سے ماخوذ ہے، کیونکہ صوفیہ کرام اون کا لباس پسند کرتے تھے، اور یہی عام طور پر فقراء کا لباس ہے، انبیاء کرام علیہم السلام اُون کا لباس پہنتے تھے، اس لئے بعد میں آنے والے حضرات کے لئے یہی نام استعمال ہوتا رہا اگرچہ وہ اُون کا لباس نہیں پہنتے تھے۔

☆ بعض حضرات نے کہا کہ صفاء سے ماخوذ ہے، کیونکہ صوفیہ کرام کے معاملات اور ان کے دل صاف ستھرے ہوتے ہیں اور اس کا اصل صُوفِیَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے، بعض اہل علم نے اسی کو صحیح قرار دیتے ہوئے یہ اشعار کہے۔

تَخَالَفَ النَّاسُ فِی الصُّوفِیِّ وَاخْتَلَفُوا
وَکُلُّھُم قَالَ قَولاً غَیرَ مَعرُوفٖ
وَلَستُ اَنحَلُ ھٰذَا الاِسمَ غَیرَ فَتَی

صَافٰی فَصُوفِی حَتّٰی سُمِّیَ الصُّوفِی

☆لوگوں کا صوفی کے بارے میں اختلاف اور مناقشہ ہے، سب نے غیر معروف بات کہی۔

☆میں یہ نام صرف اس جوان کو دیتا ہوں جو بشری خامیوں سے پاک ہوا، اسے پاک کیا گیا یہاں تک کہ اس کا نام صوفی رکھا گیا۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے عَافِی اور عُوفِیَ، جازی اور جُوزِیَ، کَافِی اور کُوفِیَ

☆بعض علماء نے کہا کہ ان حضرات کا نام صوفی اس لئے رکھا گیا کہ یہ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں صفِ اول میں ہیں، بعض نے کہا کہ سنت مبارکہ پر عمل کرنے والوں کی پہلی صف میں ہیں، کیونکہ تصوف کا خلاصہ اچھے اوصاف سے متصف ہونا ہے،

☆ایک قول یہ کہ صوفی کی نسبت صُفّہ کی طرف ہے، کیونکہ صوفیہ کرام کے احوال فقر، بھوک اور خلق خدا سے الگ تھلگ رہنے میں اہل صُفّہ صحابہ کرام ایسے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا: یُرِیدُونَ وَجهَهُ وہ اللہ تعالےٰ کی رضا کے طلبگار ہیں، اہل شام صوفیہ کو جُوعِیّہ (بھوکے رہنے والے) کہتے تھے، بعض علاقوں کے لوگ انہیں شِکفِیّہ کہتے تھے، ان کی زبان میں شِکفت غار کو کہتے ہیں (شِکفِیّہ کا معنیٰ ہوا غاروں میں رہنے والے لوگ)

اگر کوئی شخص کہے کہ اہلِ صُفّہ تو فقراء تھے، ان کے اہل و عیال نہ تھے، ان کے پاس مال تھا نہ گھر اور نہ ہی سر چھپانے کی جگہ، جب کہ بعض صوفیہ کا حال ان سے مختلف ہوتا ہے (تو انہیں اہل صفہ سے نسبت کیونکر ہوئی؟) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل صُفّہ ابتداء میں فقراء تھے پھر ان میں سے بعض حضرات امیر اور دولت مند ہو گئے، شادی شدہ بھی ہو گئے، لیکن جب یہ نعمتیں موجود نہ تھیں تو انہوں نے صبر کیا اور جب یہ نعمتیں مل گئیں تو اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا، اللہ تعالےٰ نے ان کی یہ صفت

بیان کی کہ وہ صبح و شام اسے پکارتے ہیں اور اس کی رضا طلب کرتے ہیں، مال و اسباب میسر آنے سے ان کی اس صفت میں تبدیلی پیدا نہیں ہوئی[۱]۔ ان کی تعریف فقر اور ناداری کی بنا پر نہیں کی گئی بلکہ اس بنا پر کی گئی کہ وہ مالک الملک جلَّ شانُہٗ کی رضا کے طلبگار ہیں، مالک کی رضا کا طلبگار ہونا فقیری یا امیری کے ساتھ خاص نہیں ہے، اس لحاظ سے تصوف بھی فقیری یا امیری کے ساتھ خاص نہیں ہے، صوفی کے لئے شرط یہ ہے کہ اپنے رب کی رضا کا طلبگار ہو۔

☆ بعض لوگ لفظ صوفی کے صَفّ، صَفَاء، صُفّۃ اور صِفّۃ سے مشتق ہونے کا ظاہر لفظ کے اعتبار سے بعید قرار دیتے ہیں، کیونکہ ان الفاظ سے مشتق ہو تو صُفّیّۃ یا صَفَوِیّۃ کہنا چاہیے، اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ یہ نسبت کے تغیرات سے ہے (نسبت کی وجہ سے الفاظ میں خلاف قیاس تغیرات واقع ہو جاتے ہیں۔ ۱۲ قادری) نیز یہ کہ کثرتِ تلفظ کی بنا پر یہ تبدیلی آگئی ہے واللہ تعالےٰ اعلم۔

☆ بعض لوگوں نے یہ عجیب و غریب بات کہی کہ صوفی صُوفَۃٌ سے ماخوذ ہے جس کا معنی بال ہے، مناسبت یہ ہے کہ صوفی اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں پھینکے ہوئے بال کی طرح ہے جو کسی طرح کی تدبیر نہیں کر سکتا۔

☆ بعض نے کہا کہ یہ صُوفَۃُ القَفا سے ماخوذ ہے جس کا معنی گدی کی نرم جگہ یا گدی پر اُگے ہوئے بال، صوفی ان کی طرح نرم اور آسان ہوتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ وجوہ ہیں جو اہل علم نے وجہ تسمیہ کے ضمن میں بیان کی ہیں۔

☆ بعض لوگوں نے کہا کہ دورِ جاہلیت میں ایک شخص بیت اللہ شریف کے پاس اللہ تعالےٰ کی عبادت میں محو رہتا تھا اور اسے صُوفہ کہا جاتا تھا، اس کا نام غوث بن مُرّ تھا،

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ (الآیہ) وہ مرد جنہیں تجارت اور بیع اللہ تعالےٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی ــــــ شرف قادری

صوفیہ کرام نے اپنی نسبت اس کی طرف کی، کیونکہ یہ سب کچھ چھوڑ کر اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنے میں اس کے مشابہ تھے۔ تو جو ان کے مشابہ ہوں گے وہ صوفیہ ہیں، اس شخص کی بہت سی اولاد تھی جنہیں اس کی نسبت سے صوفیہ کہا جاتا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس کی والدہ کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا، اس نے نذر مانی کہ اگر اس کا بیٹا زندہ رہا تو اس کے سر پر اون باندھے گی اور اسے کعبہ مقدسہ سے وابستہ کر دے گی، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، تو اس شخص کو اور اس کے بعد اس کی اولاد کو "صُوفَة" کہا گیا، اس کی نسبت سے عبادت وریاضت میں زندگی بسر کرنے والوں کو صوفیہ کہا جاتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

منکرین تصوف کا گمان فاسد

بعض منکرین کا فاسد گمان یہ ہے کہ صوفیہ ان کے فرقوں میں سے ایک نیا فرقہ ہے جن کی طرف حدیث شریف میں اشارہ ہے کہ ہماری امت بہتر [1] فرقوں میں تقسیم ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسلام اور ایمان کی بنا پر مسلم اور مومن نام رکھا جاتا تھا، پھر عابد و زاہد ایسے نام پیدا ہوئے، پھر ایسے لوگ پھیل گئے جن کا تعلق عبادت وریاضت سے تھا، انہوں نے دنیا سے اعراض کیا اور عبادت کے لئے وقف ہو گئے، اس سلسلے میں انہوں نے ایک طریقہ اختیار کیا جس میں وہ منفرد تھے، انہوں نے کچھ اخلاق اپنائے، کچھ ایسے علوم اور اعمال نکالے جو شریعت مبارکہ کے ظاہر کے خلاف نہ تھے، ان کے متقدمین ظاہر شریعت کی رعایت کرتے تھے، وہ اپنے لئے

---

[1] بعض علماء کے کلام میں اسی طرح واقع ہوا ہے، صحیح یہ ہے کہ تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، بعض احادیث میں آیا ہے کہ یہودی اکہتر، عیسائی بہتر اور ہماری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ شرف قادری

حقیقت تقویٰ اور سچائی پر سختی سے کاربند ہونے کے طلب گار تھے، ابلیس کا ان پر نہ تو تسلط تھا اور نہ ہی وہ انہیں فریب دے سکتا تھا۔

اُن کے بعد ان کے متبعین میں سے کچھ لوگ آئے جو ابلیس کی فریب کاری کا شکار ہو گئے، جب ایک دور اور گزر گیا تو شیطان کی طمع اور فریب کاری ان کے بارے میں زیادہ ہو گئی۔ انہیں علم سے روک دیا، انہیں سماع، وجد، رقص، تالی بجانے، بے ریش لڑکوں کو دیکھنے اور ایسی ہی دوسری حرکات میں مبتلا کر دیا۔ اور جب علم کا چراغ بجھ گیا تو وہ اندھیروں میں بھٹکنے لگے۔ انہوں نے اپنے علوم کا نام "علم باطن" اور شریعت کا نام "علم ظاہر" رکھ دیا۔ یہ اور اس کے علاوہ بہت کچھ تصوف کے منکرین نے بیان کیا، منکرین کے مقتدا اور پیشوا، اور شدید ترین انکار کرنے والے ابو الفرج ابن جوزی اکابر علماء محدثین میں سے تھے، انہوں نے گروہ صوفیہ پر سخت رد کیا اور انہیں رسوا کر دیا، اور کرخت زبان میں اُن پر شدید ترین انکار کیا، اس سلسلے میں ایک کتاب "تلبیس ابلیس" کے نام سے لکھی، جس میں انہوں نے بیان کیا کہ شیطان عوام الناس اور خصوصاً صوفیہ کو ظاہر سنت کے خلاف کاموں پر کس طرح ابھارتا ہے؟ اور جو کچھ جی میں آیا بیان کیا، اللہ تعالیٰ ہمیں سنت مبارکہ کی مخالفت سے محفوظ رکھے (آمین!)

منکرین کا یہ بیان اگر صحیح ہے تو صرف ان لوگوں کے بارے میں صحیح ہے جو راہِ حق سے بھٹک گئے، جنہوں نے ظاہر شریعت کی مخالفت کی، احکام شرعیہ پر کاربند نہیں رہے اور ان کے ادا کرنے میں سستی کی، لیکن ان میں سے جو محققین ہیں وہ اتباع سنت اور عزیمت پر کاربند ہیں، سنت مبارکہ کے انوار سے فیض حاصل کرنے والے ہیں، راز حقیقت تک رسائی پانے والے ہیں، اور اس سلسلے میں ان کا مذہب صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب ہے تو وہ اس امت کے بہترین افراد، اولیاء کے مقتدا اور ارباب فضل و کمال کا خلاصہ ہیں، ان میں کمال کے وہ آثار پائے جاتے ہیں

جو دوسروں میں نہیں پائے جاتے۔

تصوف کی بنیاد کتاب و سنت ہے

علامہ سیوطی نے ایک رسالہ "عقائد" میں لکھا ہے اس میں فرماتے ہیں کہ:

"ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادی اور ان کے مریدین کا راستہ صحیح راستہ ہے"

علامہ نے صحیح راستے کی تخصیص ان کے ساتھ اس لئے کی کہ ان کے راستے کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں:

"ہمارے طریقے کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے، اور ہر وہ طریق جو کتاب و سنت کے خلاف ہو مردود اور باطل ہے۔"

انھوں نے یہ بھی فرمایا:

"جس شخص نے حدیث نہیں سنی اور فقہاء کے پاس نہیں بیٹھا اور با ادب حضرات سے ادب نہیں سیکھا وہ اپنے پیروکاروں کو بگاڑ دے گا"

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۚ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۲/۱۰۸)

"اے حبیب! فرمادو کہ یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں اور میرے متبعین، پس اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

یہ وہ امر ہے جس پر اتفاق ہے، رہا منکرین کا یہ کہنا کہ یہ نئے فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے، اور اس قسم کے دلائل دینا کہ یہ نام دو سو سال بعد پیدا ہوا تو اس میں

کوئی حرج نہیں ہے، علماء کلام و عقائد ماتریدیہ اور اشاعرہ کے بارے میں بھی ایسا ہی ہوا، انہوں نے جب رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام کے طریقے کو ثابت کیا اور اس کی اہمیت بیان کی تو ان کا نام "اہل سنت وجماعت" رکھا گیا، اس سے پہلے یہ نام نہیں تھا۔

ہاں کبھی کبھار بعض صوفیہ میں کسی عارضے کی بنا پر مثلاً غلبۂ حال یا نفس کے علاج کے ارادے سے یا بعض اشیاء سے جہالت کی آمیزش کی بنا پر کچھ امور بدعت پائے جاتے ہیں، کیونکہ عام انسان ان سے خالی نہیں ہوتا اور معصوم بھی نہیں ہے، بعض نامناسب امور کا سرزد ہونا ان کے تمام کمالات اور اعمال کو باطل نہیں کر دیتا۔ ع

حَفِظْتَ شَيْئًا وَّ غَابَتْ عَنْكَ اَشْيَاءُ

تم نے ایک چیز تو یاد رکھی اور بہت سی چیزوں سے بے خبر رہے

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ (۱۱/۱۱۴)

"بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں، یہ نصیحت ہے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے"

اہل علم حضرات نے صوفیہ کی خطا اور ان کے اشتباہ کے مقامات بیان کئے ہیں، نیز خود ساختہ فقہاء کے مواخذوں کا تذکرہ کیا ہے اور صوفیہ کی طرف سے جواب اور ان کا عذر بھی پیش کیا ہے۔ حضرت شیخ امام عبداللہ یافعی نے اپنی کتاب "نشر المحاسن" میں اور دیگر حضرات نے ان امور کا تذکرہ کیا، اور راقم الحروف (شیخ محقق) نے اس کا کچھ حصہ اپنے رسالے "مرج البحرین" میں ذکر کیا ہے۔

اس سلسلے میں بہت ہی منصفانہ اور موزوں ترین موقف وہ ہے جو عارف باللہ سیدی شیخ احمد زروق نے اپنی تصنیف "قواعد الطریقة فی الجمع بین الشریعة

والحقیقة" میں بیان کیا ہے، اور اس کی بنیاد میانہ روی، ٹھہراؤ، تسلیم اور دونوں طریقوں (علماء وصوفیہ) کے درمیان چلنے پر رکھی ہے، (حدیث شریف کے مطابق) بہترین امور درمیانے (افراط وتفریط سے پاک) ہیں۔

سیدی احمد زروق کے کچھ کلام کی شرح

ہم ان کے کلام کا کچھ حصہ شرح کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور زیادہ تفصیل میں جائے بغیر صرف شرح پر اکتفا کرتے ہیں، یہ اقتباسات ہمیں حضرت امام عارف باللہ سیدی شیخ عبدالوہاب بن ولی اللہ سے حاصل ہوئے اور انہوں نے ہمیں اس کے یاد رکھنے کی نصیحت فرمائی۔ پہلے میں نے شیخ زروق کا کلام نقل کیا، اس کے بعد اس کی شرح کی، ہوا یہ کہ قلم اسی طرح چل نکلا، اگر متن کے ساتھ ساتھ شرح کی جاتی تو زیادہ مناسب ہوتا، سمجھنے اور یاد رکھنے میں زیادہ معاون ہوتا، نیز تکرار بھی نہ ہوتی، لیکن عملاً یہی طریقہ سامنے آیا کہ متن پہلے اور شرح بعد میں ہو اور اس میں چنداں حرج بھی نہیں ہے۔

شیخ زروق رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قاعدہ (۱): صوفیہ کرام کے رد میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ غلطی میں واقع ہونے کی جگہوں سے ڈرانے میں مفید ہیں، لیکن ان سے کسی بھی شخص کے فائدہ حاصل کرنے کے لیے تین شرطیں ضروری ہیں:

۱۔ قائل کو مجتہد مانتے ہوئے ذہن میں یہ بات رکھنا کہ اس کی نیت نیک ہے، یا اس کا ارادہ یہ ہے کہ برائی کا راستہ بھی بند کر دیا جائے، اگرچہ اس کے الفاظ سخت ہوں، جیسے علامہ ابن جوزی، انہوں نے نفی اور مخالفت میں مبالغے سے کام لیا ہے۔

۲۔ جس کے بارے میں غلط بات نقل کی گئی ہے اس کا عذر تسلیم کیا جائے، چاہے

تاویل کی جائے، یا غلبۂ حال قرار دیا جائے، یا غلطی مانی جائے یا کچھ اور بات ہو، کیونکہ وہ معصوم نہیں ہے، اور معصوم نہ ہونے کی بنا پر ولی سے ایک یا ایک سے زیادہ لغزشیں، اسی طرح ایک یا زیادہ غلط باتیں سرزد ہو سکتی ہیں، نیز تقدیر غالب ہے، حضرت جنید بغدادی سے پوچھا گیا کہ کیا عارف بھی زنا کر سکتا ہے؟ فرمایا:

وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا (۳۳/۳۸)

"اللہ تعالیٰ کا امر فیصلہ شدہ تقدیر ہے۔"

۳۔ اپنی نظر اپنے آپ تک محدود رکھے، اپنی سوچ کے ساتھ دوسرے پر فیصلہ صادر نہ کرے اور نہ ہی اس شخص کے سامنے بیان کرے جو راہِ سلوک طے کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا وہ عقیدہ بگاڑ دے جو ممکن ہے اس کی نجات اور کامیابی کا ذریعہ بن جائے، اور اگر حاجت پیش آ ہی جائے تو قول پر اعتراض کرے، نہ تو قائل کی تعیین کرے اور نہ ہی اس کی عظمت اور جلالتِ قدر کے درپے ہو، بلکہ اس کے مرتبے کو ملحوظ رکھے، کیونکہ ائمہ کی لغزشوں کی پردہ داری واجب ہے، اور دین کی حفاظت تو اور بھی زیادہ ضروری ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم ہے اسے اجر دیا جائیگا، اس کی امداد کرنے والے کو کامیابی دی جائے گی، حق میں انصاف لازم ہے، اس دیانت میں کوئی بھلائی نہیں ہے جس میں خواہشِ نفس بھی شامل ہو۔ ان باتوں کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔۔۔۔ (شیخ کا کلام ختم ہوا)

شرح:

"صوفیہ کرام کے طریقے کے انکار اور رد میں منکرین مثلاً ابن جوزی اور ان کے ہمنواؤں نے کئی کتابیں لکھی ہیں، حضرت شیخ (زروق) نے اس قاعدے میں

انصاف اور دونوں جانبوں کی رعایت کا راستہ اختیار کیا ہے۔ جیسے کہ ان کی عادت ہے کہ وہ دونوں راستوں کے درمیان چلتے ہیں، اور ان میں سے جو زیادہ محفوظ ہے اسے ترجیح دیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ صوفیہ کے رد میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ غلطی میں واقع ہونے کی جگہوں، اسی طرح ابہام اور وہم میں ڈالنے والے مقامات سے ڈرانے اور بدعت و غفلت کے گڑھے میں گرنے سے ہوشیار کرنے کے سلسلے میں مفید ہیں۔ لیکن ان کا مطالعہ کرنے والے کو کچھ شرائط اور آداب کی پابندی کرنی چاہیے تاکہ حقیقی نفع اور فائدہ حاصل ہو، ایسی شخصیت کا انکار کرنے سے نقصان نہ ہو جو لائق انکار نہیں ہے۔

مخالفین کی تحریرات پڑھنے کے تین آداب

۱۔ قائل کے بارے میں اچھا گمان رکھنا کہ وہ محقق عالم ہے، متقی ہے اور مرتبۂ اجتہاد پر جائز ہے، جو کچھ اس نے کہا ہے اپنے اجتہاد کی بنا پر کہا ہے، اور مجتہد اگرچہ خطا کرے معذور ہوتا ہے اور اسے ثواب بھی دیا جاتا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قائل سے مراد منکر ہو، تو ہم کہتے ہیں کہ اس نے اپنے اجتہاد کی بنا پر انکار کیا ہے اور اسے اجتہاد میں خطا واقع ہوئی ہے، یہ مطلب حضرت شیخ کے اس قول کے زیادہ مناسب ہے کہ " یا اس قائل کا مقصد برائی کا راستہ بند کرنا ہے۔" یہی مطلب تیسرے قاعدے کی اس عبارت کا ہو سکتا ہے

اِنَّ اِنْكَارَ الْمُنْكِرِ اِمَّا اَنْ يَّسْتَنِدَ

یعنی ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ منکر نے برائی کا راستہ بند کرنے کے لئے ایسی بات کہی ہے، تاکہ کوئی شخص اس برائی میں واقع نہ ہو جائے، ورنہ وہ حقیقۃً منکر نہیں ہے۔

سوال: اگر رد اور انکار برائی کا راستہ روکنے کے لئے ہے تو ابن جوزی وغیرہ بعض

منکرین کی شدت اور تلخ نوائی کا کیا مطلب ہے؟

جواب: تلخ نوائی مبالغے کے لئے ہے، لیکن مخفی نہ رہے کہ مبالغے کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ ابن جوزی کے رویے کا تو کوئی جواز نہیں ہے۔ انہوں نے طریقت کے ائمہ اور امت مسلمہ کے ارباب فضیلت کی طرف جہالت، جنون اور گمراہی کی نسبت کی ہے۔ ان پر شدید ترین طعن و تشنیع کیا ہے اور اس معاملہ میں وہ انصاف اور اعتدال کے راستے سے ہٹ گئے ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ ■ صوفیہ کرام کے مخالف اور حقیقی منکر ہیں۔ جیسے کہ ان کے کلام سے ظاہر ہے۔ اگرچہ انہوں نے تکلف سے کام لیتے ہوئے معذرت کی ہے اور اس بات کی آڑلی ہے کہ ان کا مقصد شریعت کو بدعات سے پاک کرنا، شریعت پر غیرت اور علم کی امانت کا ادا کرنا ہے۔

۲۔ فائدہ حاصل کرنے کی دوسری شرط یہ ہے کہ جس کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اور جس پر اعتراض کیا گیا ہے اس کی طرف سے عذر ظاہر کیا جائے، مثلاً اس کے قول کی ایسی تاویل کی جائے اور اس کا ایسا مطلب بیان کیا جائے کہ اعتراض ہی باقی نہ رہے، یا یہ کہا جائے کہ اس سے یہ قول یا فعل غلبۂ حال یا حالتِ سکر میں سرزد ہوا ہے اور مغلوب کا نہ تو کنٹرول ہوتا ہے اور نہ ہی اختیار ■ تو مجنون کے حکم میں ہوگا، اس کا تفصیلی تذکرہ آئندہ آئے گا، یا یہ کہ اس سے غلطی اور خطا ہوئی ہے اور یہ ناممکن نہیں ہے۔ کیونکہ وہ معصوم نہیں ہے، یا اسے اس مسئلے کا علم ہی نہیں ہے، ولی ہونے کے لئے تمام مسائل کا علم ضروری نہیں ہے، ولی چونکہ معصوم نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب ہے اس لئے اس سے علمی اور عملی لغزش اور غلطی صادر ہو جاتی ہے۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی سے کسی نے پوچھا کہ کیا عارف زنا کرتا ہے؟

انہوں نے دیر تک سر جھکائے رکھا، پھر سر اٹھایا اور فرمایا:

وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا (۳۸/۳۳)

"اور اللہ کا امر مقرر و تقدیر ہے"

۳- ان کوتاہیوں میں اس کے پیش نظر اپنی ذات ہو، اپنے نفس پر ان کوتاہیوں کی تہمت لگائے اور اس کا علاج توبہ، استغفار اور معذرت سے کرے، کسی دوسرے پر کوتاہی کا الزام نہ لگائے اور نہ ہی دوسرے کا انکار کرے، اللہ تعالیٰ جسے چاہے بخش دے، اور نیکیاں برائیوں کو دھو ڈالتی ہیں، اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی وہ نیت کرے، یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص قرب الٰہی کا راستہ طے کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا، اور اس راستے کی اہمیت سے آگاہ نہیں ہے اور وہ عزیمت اور احتیاط کے راستے پر گامزن نہیں ہے، بلکہ وہ سیدھا سادا مسلمان ہے اس کے دل میں اولیاء کرام کی عقیدت ہے، ان کے بارے میں حسنِ ظن رکھتا ہے اور اس خوش عقیدگی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہے، اس کے سامنے اولیاء کرام پر تنقید نہیں کرنی چاہیے، ایسے مسکین کے سامنے جب علمی باریکیاں بیان کی جائیں گی، جنہیں وہ سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا، وہ جب اکابر اولیاء کے عیوب اور نقائص سنے گا تو اس کی عقیدت بکھر جائے گی اور اس کے عقیدے میں خلل واقع ہو جائے گا جو ممکن ہے اس کی نجات اور کامیابی کا ذریعہ بن جاتا۔ ہاں عالم اور حقیقتِ حال کا جاننے والا ایسی باتیں بن کر قائم رہ سکتا ہے، یہ وہ شرائط ہیں جو حضرت شیخ (زروق) نے بیان کی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ چوتھا ادب یہ ہے کہ ایسی گفتگو کو اپنی فضیلت کے اظہار کا ذریعہ نہ بنائے، اور اپنے علم کا اظہار کرنے کے لئے عام لوگوں کی مجلسوں میں اس کا تذکرہ نہ

کرے جیسے کہ صوفیہ کرام کے علوم و معارف اور حقائق سے رسمی واقفیت رکھنے والوں کا یہ طریقہ ہے۔

حضرت شیخ (زروق) نے فرمایا:

اگر ان میں سے کسی چیز کے ذکر کی حاجت ہو، صحیح غرض کے لئے یا ذکر کرنے کا کوئی سبب پایا جائے اور ذکر کئے بغیر چارہ نہ ہو تو قائل کا نام لئے بغیر قول پر اعتراض کرے، قائل کی عظمت اور جلالتِ مرتبہ کا اظہار کرے، ایسا انداز اختیار نہ کرے جو اس کی توہین اور تحقیر کا باعث ہو، کیونکہ ائمہ اور اکابر کی لغزشوں کی پردہ داری واجب ہے، ان کی پردہ دری نہ کرے، اور دین کی حفاظت تو بہت ہی ضروری ہے، شریعت مبارکہ کے مخالف (عقیدہ و عمل) کے رد کا اہتمام کرنے سے غفلت نہیں برتنی چاہیے، اس شخص کو اجر و ثواب دیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم اور اسے ضائع ہونے سے بچانے والا ہے، اور مخالف کے مقابلے میں دین کی امداد کرنے والا اور اس کے لئے انتقام لینے والا اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت کا مستحق ہے، ارشاد ربانی ہے: اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ (۷/۴۷)

"اگر تم اللہ (کے دین) کی امداد کروگے تو اللہ تمہاری امداد کرے گا"

لہذا مخالف کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔ انصاف کی رعایت اور راہِ حق سے تجاوز نہ کرنا ضروری ہے، لہذا تعصب اور ہٹ دھرمی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اس دیانت میں کوئی بھلائی نہیں ہے جس میں خواہش نفس شامل ہو۔ لہذا ایسی گفتگو نہیں کرنی چاہیے جو نفسانیت پر مبنی ہو۔ ان مقامات میں معتقدین اور منکرین دونوں کی رعایت ہے، انصاف کا معنی ہے کسی چیز کو آدھا آدھا کر دیں، جیسے کہا جاتا ہے اس چیز کا نصف تیرے لئے اور نصف میرے لئے، اس گفتگو میں خوب اچھی طرح غور کیجئے!

شیخ زروق نے فرمایا:

قاعدہ (۲) لوگوں کے دینوں کی حفاظت، عزتوں کی حفاظت پر کسی حد تک مقدم ہے، اسی لئے توثیق یا تنقید جائز ہے- حدیث شریف کی حفاظت یا گواہی یا فیصلے کے لئے یا ایسے عقد کے لئے جو دائمی ہوتا ہے مثلاً نکاح، یا مظلومیت کا اظہار کرنے کے لئے- یا اس لئے تنقید کی جاتی ہے کہ کسی شخصیت کے مرتبے سے دھوکا کھا کر لوگ اس کی اقتدا نہ کرنے لگیں- ابن جوزی نے جن صوفیہ کا نام لے کر رد کیا ہے ہو سکتا ہے ان کا مقصد یہی ہو- لیکن طعن و تشنیع میں حد سے تجاوز کرنا اس سے مختلف صورتِ حال ظاہر کرتا ہے- اسی لئے محققین نے ان کی کتاب کو قابلِ التفات قرار نہیں دیا، ورنہ وہ بہت فائدہ مند کتاب ہے جس میں انہوں نے گمراہی کی قسمیں بیان کی ہیں تاکہ ان سے بچا جائے، اور اتباع سنت کی پُر زور تاکید کی ہے-

حضرت شیخ نے اس قاعدہ میں ابن جوزی اور ان جیسے لوگوں کی طرف سے معذرت پیش کرنے کا طریقہ اختیار کیا ہے، لیکن مخفی نہ رہے کہ اس شخص نے ظلم کیا ہے اور اربابِ کمال (صوفیہ) پر جہالت، جنون، گمراہی اور گمراہ گری کا تشدد اور مبالغے کے ساتھ حکم لگا کر طعن و تشنیع کرنے میں میانہ روی کی حد سے تجاوز کیا ہے- انہیں چاہیے تھا کہ گمراہی اور غلطی کی جگہ کی نشاندہی کر کے لوگوں کو اس سے اجتناب کی تلقین کرتے، اور جو حق ان پر ظاہر ہوا تھا اس کی طرف لوگوں کو حکیمانہ اور ناصحانہ انداز میں دعوت دیتے- انہیں کردار کشی اور توہین کی حد تک نہیں پہنچنا چاہیے تھا- یہ انداز حق کے طلب گار مومنوں اور اہل کمال کے عقیدتمندوں کے لئے نقصان دہ ہے کیونکہ وہ لوگ جب سنیں گے کہ وہ حضرات جو امت مسلمہ میں ولایت اور کرامت میں مشہور ہیں گمراہ، جاہل اور پاگل تھے تو وہ عقیدت کے راستے سے ہی برگشتہ ہو

جائیں گے، دوسروں کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ پھر عوام الناس کس کا دامن پکڑیں گے اور دل میں کس کی عقیدت رکھیں گے؟ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں امن اور عافیت عطا فرمائے۔

اس فقیر نے جب ابن جوزی کی اس کتاب یعنی "تلبیس ابلیس" کا مطالعہ کیا تو سخت بیمار ہو گیا اور طویل مدت تک حیرت اور شک کی وادی میں سرگرداں رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر حقیقتِ حال منکشف فرمادی اور مجھے خلل اور خرابی کے گڑھے سے نکال دیا، بلکہ مجھے ان کی کچھ گفتگو سے فائدہ بھی عطا فرمادیا، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے، اور گمراہی سے محفوظ فرماتا ہے۔

منکرین کے انکار کی وجوہ

قاعدہ (۳) منکر کا انکار یا تو اس کے اجتہاد پر مبنی ہو گا یا برائی کا راستہ روکنے کے لئے، یا تحقیق نہ ہونے کی بنا پر ہو گا، یا سمجھ کی کمی، یا علم کی کوتاہی یا علمی مواد کی قلت کی بنا پر ہو گا، یا اس علت سے بے خبری کی وجہ سے ہو گا جس پر حکم کا دارومدار ہے، یا فساد کے پائے جانے کے سبب اس پر مقام علم ہی واضح نہ ہو گا، ان سب صورتوں کی علامت یہ ہے کہ حق متعین اور واضح ہونے پر اس کی طرف رجوع کیا جائے گا، سوائے آخری صورت کے کہ وہ ظاہر کو بھی قبول نہیں کرے گا، اس کا دعویٰ مضبوط نہیں ہو گا، اس کے معاملے میں میانہ روی نہیں ہو گی، اور جو شخص برائی کا راستہ بند کرنے کے لئے انکار کرتا ہے وہ اگر حق کی طرف رجوع کرلے تو جب تک وجہ فساد باقی رہے گی جس کی بنا پر اس نے انکار کیا تھا اس کا انکار سے باز رہنا صحیح نہیں ہو گا، ابو حیان کا "النہر و البحر" اور ابن جوزی کا "تلبیس ابلیس" میں رد اور ڈرسنانا اسی قبیلے سے ہے، جیسے کہ ان دونوں نے قسم کھا کر یہ دعویٰ کیا ہے، ان کے کلام سے پتا چلتا ہے کہ ان کا انکار ان

کے اجتہاد پر مبنی ہے، ابن جوزی کی خصوصیت ہے کہ انہوں نے صوفیہ کا رد کرنے کے باوجود اپنی کتاب کو ان کے کلام سے مزین کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد برائی اور بدعت کا راستہ بند کرنا ہے۔

میں کہتا ہوں: شیخ (زروق) نے منکرین کے احوال اور ان کے انکار کی بنیاد بیان کی ہے، کبھی تو منکر کا انکار اس کے اجتہاد اور علم کی اس انکار تک رسائی کی بنا پر ہوتا ہے، یا بدعت کا راستہ بند کرنے کے لئے، یا اس لئے کہ اسے مسئلے کی تحقیق ہی نہیں ہو سکی، اور وہ ان علماء میں سے نہیں ہے جو مرتبۂ تحقیق تک پہنچے ہیں۔ لہٰذا اس نے ظاہر حال اور جہاں تک اس کا علم اور ناقص فہم پہنچا ہے حکم کر دیا ہے۔ یا اس کا علم ہی محدود ہے، یا اس کی نظر میں علمی مواد کی قلت ہے یعنی علمی مسائل کی تفصیلات اور علماء کے اقوال اس کے سامنے زیادہ نہیں ہیں، یا اسے مدارِ حکم یعنی اس علت کا علم نہیں ہے جس کے ساتھ حکم وابستہ ہے۔ یا اس پر مقامِ علم مبہم اور غیر واضح ہے اس لئے اس پر مخفی رہ گیا۔ یا اسے علم تو ہے، حق کی پہچان بھی ہے، لیکن عناد اور تکبر کی بنا پر انکار کرتا ہے، ان تمام صورتوں میں منکر معذور ہے، حق واضح ہونے پر اس کی طرف رجوع کر لے گا، لیکن وہ معاند جو حق کی پہچان کے باوجود انکار کرتا ہے وہ حق کے واضح ہو جانے کے باوجود نہ تو اسے پہچانے گا اور نہ ہی قبول کرے گا، اس کا دعویٰ مضبوط نہیں ہو گا، مطلب واضح نہیں ہو گا اور اس کے عمل میں انصاف اور اعتدال بھی نہیں ہو گا۔ اور جو شخص بدعت کا راستہ بند کرنے کے لئے انکار کرتا ہے اس کے حق کی طرف رجوع کرنے کی علامت یہ ہے کہ جب تک وجہِ فساد باقی رہے گی جس کی بنا پر اس نے انکار کیا ہے اس کا انکار باقی رہے گا۔ ابو حیان کی تصنیف "النہر و البحر" اور ابن جوزی کی "تلبیس ابلیس" ہے ان میں سے ہر ایک نے اپنی کتاب میں غلطی کے مقامات سے بچنے کی تلقین کی ہے، اور حلفیہ دعویٰ کیا ہے کہ ہمارا انکار اور

اجتناب کی تلقین اجتہاد پر مبنی ہے۔ ابن جوزی نے صوفیۂ کرام پر رد اور ان کا انکار کرنے کے باوجود پند و نصائح کے سلسلے میں ان کے کلام سے اپنی کتاب کو مزین کیا ہے، یہ شخص واعظ بھی تھا اور قاضی بھی، عالمانہ اور نصیحت آموز گفتگو کرتا تھا اور خود پسندی میں مبتلا تھا۔ معلوم ہوا کہ ان دونوں کا مقصد خلافِ سنت کاموں کا راستہ بند کرنا تھا، محض انکار مقصد نہ تھا، ابن جوزی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ غلط کار کی غلطی بیان کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ شریعت کو بدعات سے محفوظ کریں، اور از راہ غیرت کسی غیر شرعی کام کو شریعت میں داخل کرنے سے روکیں، ہمیں اس کی پروا نہیں ہے کہ وہ کام کرنے والا کون ہے اور کہنے والا کون؟ خود صوفیہ کرام حق بیان کرنے اور غلطی کرنے والے کے عیب کو ظاہر کرنے کے لئے اپنے دوستوں کی غلطی کی نشاندہی کرتے تھے، کوئی جاہل اگر یہ کہتا ہے کہ تم فلاں زاہد اور بابرکت شخصیت پر کیسے رد کرتے ہو؟ تو اس کی اِس بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اطاعت احکامِ شرعیہ کی کی جاتی ہے نہ کہ اشخاص کی"۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی ابن شخص کی تلبیس ہے اور وہ انکار پر قائم و دائم ہے، صوفیۂ کرام کے کلام کو اپنی کتاب میں نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اپنی کتاب کو مکمل اور مزین کیا جائے، جیسے کہا جاتا ہے کہ کلمۂ حکمت مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں سے بھی ملے، یہ ان کا معتقد نہیں ہے، ورنہ اس شدومد اور مبالغے کے ساتھ انکار نہ کرتا۔

قابل اجتناب کتب

قاعدہ (۴) مخلص اور ناصح علماء نے ابن جوزی کی "تلبیس ابلیس" اور شیخ (ابن عربی حاتمی کی "فتوحات مکیہ" بلکہ ان کی تمام کتابوں سے اجتناب کا مشورہ دیا ہے، اسی طرح دیگر مشائخ مثلاً ابن سبعین، ابن الفارض، ابن جلاد، ابن دواسکین، عفیف تلمسانی، الایکی العجمی، الاسود الاقطع، ابو اسحاق التجیبی، الششتہ، امام غزالی کی "احیاء العلوم" کے بعض مقامات، یہ سب مُہلکات والے حصے میں ہیں، امام غزالی کی النفخ والتسویة اور المضنون به عن غیر اهله (وہ کتاب جو نا اہل سے بچا کر رکھی جائے) "معراج السالکین" اور ان ہی کی المنقذ من الضلال، ابو طالب مکی کی "قوت القلوب" کے بعض مقامات، سہروردی کی کتاب وغیر ذلک، ان کتابوں کے غلطی والے مقامات سے بچنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ پوری کی پوری کتاب کو نظر انداز کر دیا جائے اور علم دشمنی کا ثبوت دیا جائے۔

اس طریقے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں

(۱) طبیعت سلیمہ (۲) جس بات کی دلیل ظاہر ہو اسے لے لیا جائے اور (۳) باقی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے ---

ورنہ مطالعہ کرنے والا اس بات کے اہل پر اعتراض کر کے اور کسی چیز کو غلط انداز میں قبول کر کے ہلاک ہو جائے گا۔ اس قاعدے کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے!

شرح: یہ اچھا معتدل اور متوسط راستہ ہے، جیسے کہ کہا گیا ہے:

خُذْ مَا صَفَا، دَعْ مَا كَدَرَ

"صاف ستھری بات لے لو اور جو ستھری نہیں اسے چھوڑ دو"

تسلیم کا مطلب یہ ہے کہ توقف کیا جائے اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا

جائے، اور یوں کہا جائے کہ یہ بات ایسے صاحب حال نے کہی ہے جس کے حال کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں ہے، لہذا خاموشی اختیار کی جائے، نہ تو رد کرنے میں جلدی کی جائے اور نہ ہی اس کی اقتدا اور پیروی کی جائے، جیسے کہ کہا گیا ہے :

اَسلِم تَسلَم ٗ سر جھکا دو محفوظ ہو گے، ان شاء اللہ العزیز بعض قواعد کا مطلب بیان کرتے ہوئے اس بات کا مقصد واضح ہو جائے گا۔

شیخ (زرّوق) نے جن مشائخ کا ذکر کیا ہے ان کی تصانیف میں کچھ ممنوع، کچھ مبہم اور کچھ وہم میں ڈالنے والی اور کچھ ظاہری علم سے باہر کی باتیں آئیں گی، لیکن ابن جوزی کی "تلبیس ابلیس" تو مشائخ صوفیہ کے انکار، تحقیر، تکذیب اور تضلیل کے گڑھے میں ڈال دے گی۔

حاتمی سے مراد شیخ ابن عربی ہیں ان کی کتابوں میں وہ کچھ ہے جو ان میں ہے، اس سے نقصان کا خوف ہے، "احیاء العلوم" کے مہلکات والے چوتھائی حصے اور شیخ ابو طالب مکی کی "قوت القلوب" اور سہروردی کی کتاب میں بھی کچھ نقصان دہ چیزیں ہیں، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آخری کتاب سے مراد "عوارف المعارف" ہے، لیکن شیخ (زرّوق) اکثر طور پر سہروردی کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی مراد شیخ ابو النجیب سہروردی ہوتے ہیں، ان کی کتاب سے مراد "آداب المریدین" ہے، شیخ ابن الفارض جنہوں نے علم توحید میں کئی قصیدے لکھے ہیں مثلاً قصیدہ تائیہ وغیرہ ان پر بھی فقہاء نے اعتراضات کئے ہیں جس طرح ابن عربی پر کئے ہیں، اَلنَّفخُ وَالتَّسوِیَۃُ، غزالی کا ایک رسالہ ہے جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد :

فَاِذَا سَوَّیتُہٗ وَ نَفَختُ فِیہِ مِن رُّوحِی (القرآن ۱۵/۲۹)

پس جب میں اسے درست کر دوں اور اس میں اپنی طرف کی معزز روح پھونک دوں) کی تفسیر بیان کی ہے، انہی کا ایک رسالہ اَلمَضنُونُ مِن غَیرِ اَھلِہٖ (وہ کتاب

جسے نااہل سے محفوظ رکھنا چاہیے) بلکہ ان کا ایک دوسرا رسالہ ہے جس کا نام ہے -
اَلْمَضْنُوْنُ بِهٖ عَلٰى اَهْلِهٖ (وہ کتاب جسے اہل سے بھی بچا کر رکھا جائے) اس کی نفاست اور عجیب و غریب مضامین کی طرف بطور مبالغہ اشارہ کرنے کے لئے یہ نام رکھا، یہ رسالہ انہوں نے اپنے بھائی احمد غزالی کو بھیجا اور اس کے خطبے میں لکھا کہ :

"میں نے اس کے ذریعے اپنے بھائی اور عزیز، احمد غزالی، اللہ تعالیٰ اسے اپنی حفاظت میں رکھے، کی عزت افزائی کی ہے اور دار غرور (دنیا) کی طرف مائل ہونے سے روکا ہے" [۱]

پھر شیخ (زروق) نے اصل مطلب کی طرف لوٹتے ہوئے فرمایا کہ جن نصیحت کرنے والے علماء نے ان کتابوں سے بچنے کی تلقین کی ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ ان مبہم اور وہم میں ڈالنے والے مقامات سے اجتناب کرنا چاہیے جو غلطی میں ڈالنے کا ذریعہ ہو سکتے ہیں، یہ مقصد نہیں کہ ان کتابوں کو بالکل ہی ترک کر دیا جائے اور علم دشمنی کا مظاہرہ کیا جائے؛ کیونکہ ان میں نفیس علوم بڑی مقدار میں پائے جاتے ہیں ، شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ طریقہ سچی طبیعت اور سلیم فطرت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، فطرت سلیمہ کی بدولت ہی عبارات اور اشارات سے مطالب سمجھے جا سکتے ہیں، دوسری شرط یہ ہے کہ جس بات کی دلیل واضح ہو اسے لے لیا جائے اور اس کے ماسوا کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے، اگر اس شرط کی رعایت نہ کی تو ان کتب کا مطالعہ کرنے والا ہلاک ہو جائے گا یا تو اہل کا انکار کرنے اور اس پر اعتراض کرنے کی وجہ سے یا کسی چیز کو غلط طریقے پر لینے اور اس پر عقیدہ رکھنے کی وجہ سے۔

میں مکہ معظمہ میں سیدی شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں حاضر تھا، وہاں

---

[۱] اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالی کا مقام و مرتبہ ان کے بھائی احمد غزالی سے بلند و بالا ہے، جب کہ کئی لوگوں کے ذہن میں معاملہ برعکس ہے واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ حاشیہ

"فتوحاتِ مکیہ" کا ایک نسخہ فروخت کے لئے لایا گیا، مجھے اس کے خریدنے کا شوق ہوا تو شیخ نے فرمایا: اگر آپ چاہیں تو لے لیں کیونکہ اس میں نفیس اور عجیب علوم ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ توقف اور احتیاط سے اس کا مطالعہ کریں، اس کی وہم میں ڈالنے والی اور مبہم باتوں سے پرہیز کریں اور روشن اور واضح باتیں لے لیں۔

صوفیہ پر انکار کے اسباب

قاعدہ (۵) صوفیہ کرام پر انکار کے پانچ اسباب ہیں:

۱- ان کے طریقے کے کمال کو پیش نظر رکھنا، جب وہ کسی رخصت کی بنا پر خلاف ادب کام کریں یا وہ کسی کام میں تساہل سے کام لیں اور ان سے کوئی نقص سرزد ہو جائے تو ان پر جلد انکار کیا جاتا ہے، کیونکہ نظیف اور صاف ستھرے آدمی کا معمولی سا عیب بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ اور کوئی انسان بھی نقص سے خالی نہیں ہوتا جب تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف معصومیت اور حفاظت حاصل نہ ہو۔

۲- علمی بات کا دقیق ہونا، اسی لئے ان کے علوم اور احوال پر طعن کیا گیا ہے، کیونکہ نفس انسانی کو جس چیز کا علم نہیں ہوتا اس کا جلد انکار کرتا ہے۔

۳- جھوٹے دعوے کرنے والوں اور دین کے بدلے دنیاوی عزت کے طلبگاروں کی کثرت، اب اگر صوفیہ کوئی دعوای کریں اور اس پر دلیل بھی موجود ہو، پھر بھی اشتباہ کی بنا پر ان کے حال کا انکار کر دیا جائے گا۔

۴- عوام الناس کی گمراہی کا خوف، اس طرح کہ وہ ظاہر شریعت کو چھوڑ کر باطل کی پیروی کرنے لگیں گے۔ جیسے کہ بہت سے جاہلوں کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا ہے۔

۵- نفس کا انصاف کرنے میں شدید بخل سے کام لینا اور اس کے مختلف مراتب

ہیں، حسد ظاہر ہوتا ہے تو ہر حقیقت کو باطل (اور رد) کر دیتا ہے، صوفیہ کرام چونکہ حسد اور ناانصافی سے بعید ہوتے ہیں اس لئے لوگ دوسروں کی نسبت ان سے زیادہ محبت کرتے ہیں، اور اصحاب مراتب صوفیہ کرام دوسروں کی نسبت عوام پر زیادہ تسلط رکھتے ہیں۔

آخری وجہ کے علاوہ باقی وجوہ جس شخص میں پائی جائیں وہ معذور بھی ہے اور مستحق اجر بھی۔

شرح: اَلشُّحَّۃُ نقطے والے شین پر پیش، حاء مشدد، شُحّ کا واحد ہے، اس کا معنی ہے بخل کی شدت، کسی کی فضیلت کا اعتراف کرنے سے نفس کے بخل اور حسد و تعصب کی بنا پر کسی کی طرف سے سینے کے تنگ ہونے کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، میں نے اسی طرح بعض علماء سے سنا۔

شیخ (زروق) کا ابن جوزی کے بارے میں حسن ظن یہ ہے کہ ان میں چوتھا احتمال پایا جاتا ہے، اس شخص کے بارے میں ہمارا گمان یہ ہے کہ ان میں صرف پانچواں احتمال پایا جاتا ہے یا بعض دیگر احتمالات کے ساتھ مخلوط ہو کر، کیونکہ وہ اپنے علم پر مغرور، اپنی فضیلت کے زعم میں مبتلا، اولیاء کرام کی برکتوں اور ان کی خدمت سے محروم تھے، جیسے کہ ان کے انداز کلام سے ظاہر ہے، نیز وہ سیدنا و مولانا قطب ربانی، غوث صمدانی، شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے زمانے میں تھے، ان سے اجتناب اور انکار کے راستے پر گامزن اور ان کی صحبت کی برکات اور ان کے بارے میں حسن عقیدت سے محروم تھے[1]۔

---

[1] حضرت شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حرم مکہ شریف میں اللہ تعالیٰ اس کی عزت و شرافت میں مزید اضافہ فرمائے ایک رسالہ دیکھا جس میں شیخ ابن جوزی اور شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی پر ان کے انکار کا ذکر تھا، مؤلف رسالہ کہتے ہیں کہ بعض علماء اور مشائخ انہیں پکڑ کر

عارف باللہ، شیخ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ فصول ستہ میں فرماتے ہیں:

"قطب الاولیاء، تاج المفاخر شیخ عبدالقادر جیلانی کے انکار کی وجہ سے پانچ سال تک ابن جوزی جیل میں قید رہے، ابن جوزی کا حضرت شیخ اور دیگر ارباب معرفت پر انکار کرنا خذلان (بے توفیقی) اور غرور کے زمرے میں آتا ہے، اُن کا اِن اکابر پر انکار کرنا باعث تعجب ہے، اگر وہ علماء باطن مشائخ پر طعن وانکار سے محفوظ رہے تو فضائل ومحاسن کے لباس زیب تن کرتے۔

جوزی ایک جگہ کی طرف نسبت ہے جسے "فرضۃ الجوزۃ" کہا جاتا ہے، ان کا باپ محنت مزدوری کرتا تھا، ابن جوزی ۵۰۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۸۷ھ میں فوت ہوئے۔" [۲] (کلام خواجہ محمد پارسا)

ہم نے ان کے کچھ حالات "شرح مشکوٰۃ" کے خاتمہ میں علماء حدیث کے ذکر میں بیان کیے ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں لے گئے، اور درخواست کی کہ انہیں معافی دے دیں اور ان سے درگزر فرمائیں، شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں معاف کر دیا اور ان کے جرم سے درگزر فرمایا، میں نے سیدی شیخ عبدالوہاب کی خدمت میں جا کر اس کتاب کا واقعہ بیان کیا اور حضرت شیخ کے ابن جوزی کو معاف فرمانے کا تذکرہ کیا تو شیخ عبدالوہاب نے فرمایا: الحمد للہ علی ذلک، ابن جوزی بڑے عالم اور محدث تھے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہلاکت کی اس جگہ سے نجات پاگئے، پھر فرمایا: سنو! شیخ عبدالقادر بزرگ ہیں، ان کی شان عظیم ہے اور ان کا انکار زہر قاتل ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے، یہ بھی فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ عزت اور فضیلت عطا فرمائی ہے کہ مشائخ میں سے کسی کو عطا نہیں فرمائی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عافیت عطا فرمائے اور انجام بخیر فرمائے (مقدمہ "اشعۃ اللمعات" فارسی ص ۲۳) شرف قادری۔

۲۔ ابن جوزی کی وفات جمعہ کی رات بارہ رمضان المبارک ۵۹۷ھ میں ہوئی، "اتحاف البلاد" ۱۲ حاشیہ

اشتباہ کی جگہ میں توقف کریں

قاعدہ (٦) اشتباہ کی جگہ میں توقف (خاموشی) مطلوب ہے، اور جس خیر یا شر کی وجہ واضح ہو اسکے بارے میں توقف مذموم (ممنوع) ہے، راہ حق کی بنیاد یہ ہے کہ حسن ظن کا سبب پایا جائے تو اسے ترجیح دی جائے، اگرچہ معارض بھی ظاہر ہو، یہاں تک کہ ابن فورک نے فرمایا کہ ایک ہزار کافر کو اسلام کے شبہہ میں اسلام میں داخل کرنا غلط نہیں ہے، البتہ ایک مومن کو شبہے کی بنا پر اسلام سے خارج کرنا ضرور غلط ہے، امام مالک سے اہل اہوا (بد مذہبوں) کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ کافر ہیں؟ فرمایا: وہ کفر ہی سے تو بھاگے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے خوارج کے بارے میں توقف کی طرف اشارہ فرمایا، ارشاد فرمایا: (یہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانے سے گزر جاتا ہے تو) ان کے بارے میں شک کیا جاتا ہے کہ ان کی نوک پر خون لگا ہے یا نہیں، بعض علماء نے فرمایا کہ جہاں تک اجتہاد پہنچے اس کا جزم کرے، پھر باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، اسی لئے صوفیہ کی ایک جماعت مثلاً ابن الفارض اور حاتمی وغیرہما کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے۔

ابن عربی کے بارے میں اختلاف

ہمارے شیخ ابو عبداللہ القوری سے پوچھا گیا اور میں سن رہا تھا، کہ آپ (شیخ اکبر) ابن عربی حاتمی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ فرمایا: وہ ہر فن کو اہل فن سے زیادہ جاننے والے تھے، کہا گیا کہ اس بارے میں ہمارا سوال نہیں ہے، فرمایا: ان کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے انہیں کافر کہا اور بعض نے قطب قرار دیا، پوچھا گیا کہ آپ کس قول کو ترجیح دیتے ہیں؟ فرمایا: تسلیم (اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے) کو۔ میں کہتا ہوں کہ کافر کہنے میں خطرہ ہے، اور ان کی تعظیم میں ہو سکتا ہے کہ تعظیم کرنے والے

کو نقصان پہنچ جائے اور وہ یوں کہ سننے والا ابن عربی کی مبہم اور وہم میں ڈالنے والی باتوں کی پیروی کرنے لگ جائے[1]۔۔۔۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

شرح: مسلکِ تسلیم زیادہ سلامتی والا ہے اور یہ قول زیادہ احتیاط والا ہے، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ نہ تو رد اور انکار میں جلدی کی جائے اور نہ ہی ان کی پیروی اور اقتدا کی جائے،

سیدی شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے:

جاننا چاہیے کہ دین قویم وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے اور یہی مذہبِ اہل سنت و جماعت ہے، اس لئے اس کا عقیدہ رکھنا واجب ہے، اور اپنے آپ کو اس کا پابند کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ وہ انسان پر چھا جائے، اس کے بعد صوفیہ کرام کے اقوال کو دیکھا جائے گا، اگر مذہب اہل سنت کے مطابق ہوں تو مقبول ہیں، اور اگر بظاہر کسی بات میں مخالف ہوں تو جہاں تک ہو سکے ان میں تطبیق اور موافقت کی راہ تلاش کی جائے گی، اور اگر ان اقوال کو رد کر دیا جائے اور مصلحت کا

---

[1] امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین مقبولین میں نظر آتے ہیں، ان کے اکثر علوم جو اہل حق کی آراء کے خلاف ہیں خطا اور نادرست ظاہر ہوتے ہیں، غالباً کشفی خطا کی بنا پر انہیں معذور قرار دیا گیا ہے اور خطائے اجتہادی کی طرح انہیں ملامت سے بری کر دیا گیا ہے، شیخ محی الدین کے بارے میں اس فقیر کا یہ خاص اعتقاد ہے کہ انہیں مقبولان بارگاہ میں سے جانتا ہے (دیکھئے مکتوبات فارسی دفتر اول حصہ چہارم ص ۱۳۸) شرف قادری

تقاضا بھی یہی ہو تو جائز ہے کیونکہ منکر معذور ہے اور اس کا حال کمزوری اور کوتاہی سے پاک ہے، وہ سلامتی کے راستے پر ہے، بعض حضرات نے کہا بلکہ وہ مستحق ثواب ہے، اور اگر رد نہ کیا جائے اور ان اقوال کا قائل علم، عمل اور تقویٰ میں امام و مقتدا ہے تو توقف کیا جائے گا، کیونکہ ہو سکتا ہے اس نے ایسی چیز کا ارادہ کیا ہو جسے ہم سمجھ نہیں سکے، ایسے قول کو ہم ترک کر دیں گے، اس کے صحیح مطلب کو تسلیم کریں گے اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں گے۔

شیخ (زروق) نے فرمایا کہ امام مالک سے اھل اھواء کے بارے میں پوچھا گیا، اہل اھوا سے مراد مذہب اہل سنت و جماعت کے مخالف مذاہب والے مثلاً معتزلہ، مرجئہ، خوارج وغیرہم ہیں، انہیں اہل قبلہ کہا جاتا ہے، مذہب مختار یہ ہے کہ یہ کافر ہیں، جو کچھ امام مالک نے فرمایا وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بھی منقول ہے جب ان سے خوارج کے بارے میں پوچھا گیا۔

شیخ نے فرمایا: یَتَمَارٰی فِی الْفُوْقِ یہ خوارج کے بارے میں وارد ایک حدیث کا حصہ ہے، حدیث شریف میں ہے کہ خوارج وہ لوگ ہیں کہ تم میں سے ایک شخص اپنی نماز کو ان کی نماز کے سامنے، اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے سامنے حقیر جانے گا، وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانے کے شکار سے نکل جاتا ہے، تیر کے پھل کو، اس کے جوڑ کو، اس کی لکڑی کو، اسے کے پروں کو دیکھا جائے گا تو اس میں خون کا کچھ حصہ بھی نہیں پایا جائے گا، حدیث شریف میں ہے یَمْرُقُوْنَ یعنی امام کی اطاعت سے تیزی کے ساتھ نکلیں گے کَمَا یَمْرُقُ السَّھْمُ مِنَ الرَّمِیَّۃِ جیسے تیر اس شکار سے نکل جاتا ہے جسے ہم تاک کر تیر مارتے ہیں، مُرُوْقُ السَّھْمِ

سے مراد ہے تیر کا شکار کی دوسری جانب نکل جانا، اور اس میں نہ ٹھہرنا، نَصْل تیر اور نیزے کے پھل کو کہتے ہیں، الرُّصَاف راء پر پیش، بعض اوقات اس کے نیچے کسرہ پڑھا جاتا ہے، جس جگہ تیر کا پھل لکڑی میں پیوست کیا جاتا ہے اس جگہ لپیٹا جانے والا پٹھا (تندی) مراد ہے، نَضِیّ نون پر زبر، نقطے والے ضاد کے نیچے زیر (تیر کی لکڑی) اَلْقِدْحُ قاف کے نیچے زیر (تیر کی لکڑی) اَلْقُذَذُ قاف پر پیش، نقطے والے پہلے ذال پر زبر، تیر کے پَر، اس کا واحد قُذَّۃٌ ہے، ان جگہوں میں خون کے کسی حصے کے نہ پائے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ان خوارج میں دین کا اثر باقی نہ رہے گا، گو کہ دین نہ ہونے کا یقین بھی نہیں ہے۔

نکتہ عجیبہ

احادیث کا مطلب کیا ہے؟ اور تشبیہ کس بنا پر ہے؟ اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ نَصْل (پھل) سے مراد دل ہے جو اثر کرتا بھی ہے اور اثر لیتا بھی ہے، خارجی کے دل کو دیکھو تو اس پر اس کی عبادتوں کا کچھ اثر نہیں ہوگا، رُصَاف (جوڑ پر لپیٹے ہوئے پٹھے) سے مراد سینہ ہے جو دل کا احاطہ کئے ہوئے ہے، سینہ وہ جگہ ہے جو اوامر اور نواہی کے قبول کرنے کے لئے کشادگی رکھتا ہے، خارجی کا سینہ اس مقصد کے لئے نہیں کھلتا اور اس میں سعادت کا اثر ظاہر نہیں ہوتا، نَضِیّ (تیر کا وہ حصہ جو لکڑی کا ہے) سے مراد بدن ہے، خارجی کا بدن اگرچہ نماز روزہ وغیرہ تکلیفات شرعیہ کو برداشت کرتا ہے لیکن اسے ان کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا - قُذَذ (پردن) سے مراد ہاتھ پاؤں ہیں جو کاریگروں کے آلات کی حیثیت رکھتے ہیں، مطلب یہ کہ اسے ہاتھ پاؤں کے ذریعے وہ فائدے حاصل نہیں ہوتے جو اہل سعادت کو حاصل ہوتے ہیں۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ظاہری اعمال دین و ایمان کے بغیر فائدہ

نہیں دیتے، حدیث میں دین سے مراد امام المسلمین کی اطاعت ہے، خوارج اس کی اطاعت سے بالکل نکل گئے تھے۔ خوب اچھی طرح غور کرو --- واللہ تعالیٰ اعلم۔

تصوف بغیر فقہ کے صحیح نہیں

قاعدہ (۷) فقہ کا حکم صفتِ عموم کے ساتھ موصوف ہے، کیونکہ اس کا مقصد دین کے احکام کا قائم کرنا، اس کی نشانیوں کا بلند اور ظاہر کرنا ہے، اور تصوف کا حکم خصوصیت کی صفت کے ساتھ موصوف ہے، کیونکہ تصوف بندے اور اللہ رب العزت کے درمیان معاملہ ہے، اس سے زائد نہیں ہے (چونکہ فقہ کا حکم عمومی ہے) اس لئے فقیہ کا صوفی پر انکار صحیح ہے جب کہ صوفی کا صوفی پر انکار صحیح نہیں ہے، احکام اور حقائق کے سلسلے میں تصوف سے فقہ کی طرف رجوع ضروری ہے، یہ نہیں کہ فقہ کو پس پشت ڈال دیا جائے اور اس کے بغیر اکتفا کیا جائے، تصوف فقہ کے بغیر نہ صرف یہ کہ کافی نہیں بلکہ صحیح ہی نہیں ہے، تصوف کی طرف رجوع فقہ کے ساتھ جائز ہے، اگرچہ تصوف فقہ سے مرتبہ میں اعلیٰ ہے، تاہم فقہ میں سلامتی زیادہ اور مصلحت کا پھیلاؤ زیادہ ہے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ فقیہ صوفی ہو، صوفی فقیہ نہ ہو (یعنی پہلے علم فقہ حاصل کرو پھر صوفی ہو) اسی طرح کہا گیا ہے کہ فقہاء کا صوفی، صوفیہ کے فقیہ سے زیادہ کمال اور سلامتی والا ہے، کیونکہ فقہاء کا صوفی حال، عمل اور ذوق کے اعتبار سے تصوف کے ساتھ متصف ہے، برخلاف صوفیہ کے فقیہ کے کیونکہ وہ علم اور حال کے مقام پر فائز ہے اور یہ مقام صحیح فقہ اور صریح ذوق کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، ان دونوں (فقہ اور تصوف) میں سے کوئی بھی دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، جیسے طب کا علم تجربہ کی جگہ اور تجربہ علم کی جگہ کافی نہیں ہے۔[۱]

---

[۱] یعنی علم اور تجربہ دونوں حاصل ہوں گے تو مقصد حاصل ہوگا ورنہ نہیں۔ ۱۲ قادری

خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے!

شرح: یہ فرق ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ تصوف کو فقہ پر فضیلت اور برتری حاصل ہے، جیسے کہ مقاصد بنیادی امور پر موقوف ہونے کے باوجود ان سے فضیلت اور شرافت میں زیادہ ہوتے ہیں، کیونکہ بنیادی امور مقاصد کے وسائل ہوتے ہیں۔

متبع کے فساد سے مذہب کا فساد لازم نہیں

قاعدہ (۸) فرع اگر اصل کے مخالف ہو اور قابل تاویل ہو تو اس کو اصل اور قاعدہ کے مطابق تبدیل کر دیا جائے گا، دوسری صورت یہ ہے کہ اگر تمہیں علم اور دیانت کا مرتبہ حاصل ہے تو اس فرع کو تسلیم کر لو (یعنی اگر تمہارا علم اور دیانت اجازت دیتے ہیں) پھر فرع کی اصل کے ساتھ مخالفت، اصل کو کوئی نقصان نہیں دیتی، کیونکہ فاسد چیز کا فساد اسی کی طرف لوٹتا ہے، درست چیز کی درستی کو کچھ نقصان نہیں دیتا، پس غالی صوفی، بد عقیدہ اہل اہوا اور خود ساختہ فقیہ جن پر طعن ثابت ہے، ان سب کا قول رد کر دیا جائے گا، اور اس بنا پر حق اور ثابت مذہب نہیں چھوڑا جائے گا کہ ایسے لوگ اس مذہب کی طرف منسوب ہیں اور اس کے حوالے سے مشہور ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شرح: اس کلام کا حاصل وہ ہے جو ہم سیدی شیخ عبدالوہاب کے حوالے سے اس قول کی شرح میں بیان کر چکے ہیں کہ محل اشتباہ میں توقف کیا جائے گا، غالی صوفی وہ لوگ ہیں جنہوں نے علم باطن میں غلو سے کام لیا، ظواہر کو چھوڑ دیا اور روایات فقہیہ کی پابندی نہیں کی، ان کا ایک قول یہ ہے کہ نفس جب طاعت وعبادت کا خوگر ہو جاتا ہے تو اس سے اطاعت کی مخالفت نکال دی جاتی ہے، اور وہ مخلوق سے دامن بچانے اور ملامت کے راستے پر چلنے کے لئے مکروہ بلکہ حرام کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں،

حالانکہ یہ باطل ہے، انہیں جاہل صوفی کہا جاتا ہے، جیسے کہ ان فقہاء کو خشک فقہاء کہا جاتا ہے جو صوفیہ کرام کے باطنی احوال کا انکار کرتے ہیں اور ان کے معتقد نہیں ہوتے ان دونوں فریقوں کا کلام مردود ہے، ان کی صحبت، میل جول اور ان کی پیروی سے بچنا چاہیے۔

علم اور حال کی بنیاد؟

قاعدہ (۹) علم کی بنیاد بحث اور تحقیق پر ہے اور حال کی بنیاد تسلیم و تصدیق پر، جب عارف علمی گفتگو کرے تو اس کے قول کی اصل یعنی کتاب و سنت اور آثار سلف کو دیکھا جائے گا، کیونکہ علم وہی معتبر ہے جو اپنی اصل سے وابستہ ہو، اور جب وہی عارف حال کی بنا پر کلام کرے گا تو اس کا ذوق تسلیم کیا جائے گا، کیونکہ اس ذوق تک اس جیسا صاحب حال ہی پہنچ سکتا ہے، پس وہ اپنے وجدان کی بنا پر معتبر ہے، چونکہ وہ صاحب امانت و دیانت ہے اس لئے اس کا علم مستند ہے، تاہم اس کی اقتداء نہیں کی جائے گی کیونکہ اس کا حکم اس جیسے صاحب حال ہی کو شامل ہے۔

ایک مرشد اپنے مرید کو کہتا ہے بیٹے پانی ٹھنڈا کر لے، کیونکہ جب تو ٹھنڈا پانی پیئے گا تو دل کی گہرائی سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا، اور اگر تو نے گرم پانی پیا تو اوپر والے دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا، مرید کہتا ہے جناب ایک شخص نے دیکھا کہ اس کے گھڑے پر دھوپ چمک رہی ہے اسے اللہ تعالیٰ سے شرم آئی کہ میں اس گھڑے کو حظ نفس کے لئے سائے میں لے جاؤں، مرشد نے فرمایا: بیٹے! وہ صاحب حال ہے اس کی اقتداء نہیں کی جائے گی۔

میں کہتا ہوں کہ اس کلام کا بھی وہی مطلب ہے جو ہم نے بیان کیا ہے کہ ارباب احوال سے جو مشتبہ اور مبہم کلمات صادر ہوں انہیں تسلیم کرنا تو واجب ہے

لیکن ان کی اقتداء نہیں کی جائے گی کچھ لوگ کہتے ہیں کہ صرف (نبی اکرم ﷺ ایسی) معصوم ہستی کے کلام کی تاویل کی جائے گی، ائمہ نے جو دیگر ائمہ کے کلام کی تاویل کی ہے وہ اس قول کے خلاف ہے اس لئے ان کا یہ مقولہ مردود ہے ------اور یہ ابن جوزی اور ان کے متبعین کے مسلک کے خلاف ہے، یہ لوگ صوفیہ کرام کے احوال کو تسلیم نہیں کرتے، ان کے اقوال وافعال کا انکار کرتے ہیں، ان پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور ان کی جہالت اور گمراہی ثابت کرتے ہیں:۔ (پیر مرید کے مکالمہ میں جس شخص کا ذکر ہوا ہے) اس شخص سے مراد سری سقطی ہیں، ان کے شیخ حضرت جنید بغدادی نے بیان کیا کہ انہوں نے پانی کا مٹکا دیوار پر رکھا تا کہ پانی ٹھنڈا ہو جائے، جب سورج طلوع ہوا اور اس گھڑے پر دھوپ آگئی تو انہوں نے ارادہ کیا کہ اسے سائے میں لے جائیں، لیکن اللہ تعالیٰ سے حیا کی بنا پر اسے منتقل نہیں کیا اور سوچا کہ یہ کام خواہش نفس کی بنا پر نہیں کرنا چاہیے، قُلّۃ قاف پر پیش، لام مشدد، گھڑا، جیسے حدیث میں ہے اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ جب پانی دو گھڑوں کو پہنچ جائے ---- پانی ٹھنڈا کرنا سنت ہے، رسول اللہ ﷺ میٹھا اور ٹھنڈا پانی پسند فرماتے تھے، صحابہ کرام دور دور سے ٹھنڈا اور میٹھا پانی لایا کرتے تھے، اگر مرشد گرامی جو لبا اس بات کا تذکرہ کرتے کہ پانی ٹھنڈا کرنا سنت ہے تو مقصد کے زیادہ مناسب ہوتا۔

اقتداء کس کی کی جائے؟

قاعدہ (۱۰) پیروی صرف معصوم ہستی (ﷺ) کی کی جائے گی، یا آپ جس کی فضیلت کی گواہی دیں، کیونکہ عادل ہستی جس کی توثیق کرے وہ بھی عادل ہے، نبی اکرم ﷺ نے گواہی دی کہ بہترین زمانہ وہ ہے جس میں حضور ﷺ ہیں یہ صحابہ کرام کا زمانہ ہے پھر وہ جو ان کے ساتھ متصل ہیں، پھر وہ جو ان کے ساتھ متصل ہیں،

لہذا ان حضرات کی فضیلت اسی ترتیب سے ثابت ہے (پہلے صحابۂ کرام پھر تابعین، ان کے بعد تبع تابعین) اسی طرح ان کی اقتداء کی جائے گی، لیکن صحابۂ کرام مختلف شہروں میں بکھر گئے، اور ہر ایک کے پاس علمی ذخیرہ تھا، جیسے امام مالک نے فرمایا، ممکن ہے ایک کے پاس ناسخ حکم ہو اور دوسرے کے پاس منسوخ، ایک کے پاس مطلق دوسرے کے پاس مقید، ایک کے پاس عام دوسرے کے پاس خاص ہو، جیسے کہ بکثرت ایسا ہوا، اس لئے بعد والوں کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہوا، کیونکہ انہوں نے صحابۂ کرام کی متفرق روایات کو جمع اور منضبط کیا، لیکن وہ بھی فقہی مسائل کا احاطہ نہ کر سکے، یہ کام ان کے بعد ہوا، اس لئے تیسرے طبقے کی طرف رجوع کرنا پڑا، انہوں نے روایات اور مسائل کے جمع اور ضبط کا کام کیا، حفاظت بھی کی اور فقاہت بھی حاصل کی، ان حضرات نے جن مسائل کا استنباط کیا ان پر عمل کرنے اور جو اصول و قواعد وضع کئے اور ان پر اعتماد کیا ان کے قبول کرنے کے علاوہ کسی کے لئے کوئی چارہ نہ رہا۔

بعض ائمہ فقہ و تصوف

ان فنون میں سے ہر فن کے ائمہ ہیں ان کی علم اور تقویٰ کے اعتبار سے فضیلت مشہور ہے، مثلاً امام مالک، شافعی، احمد، نعمان (امام اعظم) فقہ کے لئے، جنید، معروف کرخی اور بشر حافی تصوف کے لئے، اور محاسبی تصوف اور عقائد کے لئے، یہ پہلے عالم ہیں جنہوں نے صفات کے ثابت کرنے کے موضوع پر گفتگو کی، جیسے کہ ابن اثیر نے بیان کیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

شرح: اس کلام میں شیخ نے علم فقہ اور تصوف کے ائمہ، صوفیہ اور فقہاء کا ذکر کیا ہے، انہوں نے قرونِ ثلاثہ (صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین) کا ذکر کیا ہے، لیکن خیر ان میں ہی منحصر نہیں ہے، بلکہ ان کے بعد والوں کے لئے بھی ثابت ہے، امام

بخاری کی بعض روایات میں چوتھے قرن کا بھی ذکر ہے، شیخ نے چاروں اماموں کا بھی ذکر کیا ہے، اگرچہ چار اماموں کے علاوہ بھی علماء اور مجتہدین ہوئے ہیں، لیکن ان کے متبعین باقی نہیں رہے، جب کہ ائمہ اربعہ کے متبعین موجود ہیں، شیخ نے چار اماموں کا جس ترتیب سے ذکر کیا ہے وہ ان کی عقیدت کی بنا پر ہے، کیونکہ شیخ اور مغرب کے علماء کی ایک جماعت مذہب مالکی سے تعلق رکھتی ہے، ان کے نزدیک امام مالک افضل ہیں، امام شافعی ان کے شاگرد، اور امام احمد امام شافعی کے شاگرد، آخر میں امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی کا ذکر کیا ہے، اور یہ معاملہ آسان ہے (یعنی ان کے نزدیک امام مالک اور ہمارے نزدیک امام اعظم ابو حنیفہ سب سے افضل ہیں، اپنی اپنی عقیدت کی بات ہے ۱۲ اشرف قادری) البتہ خاص طور پر حضرت جنید، معروف کرخی اور بشر حافی کے ذکر کی وجہ ظاہر نہیں ہے (ان کے علاوہ بھی اکابر صوفیہ بہت سے ہیں) غالباً بطور مثال ان کا ذکر کیا گیا ہے، حصر اور تحقیق مقصود نہیں (کہ یہی اکابر صوفیہ ہیں) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مفسر، محدث، متکلم اور صوفی

قاعدہ (۱۱) معاملات کے بارے میں فقیہ کی نسبت صوفی کی نظر میں زیادہ خصوصیت ہے، کیونکہ فقیہ کی نظر اس چیز پر ہوتی ہے جس کے ذریعے حرج ساقط ہو جائے (اور آدمی بری ءالذمہ ہو جائے) اور صوفی کی نظر اس چیز پر ہے جس سے کمال حاصل ہو، صوفی کی نظر میں علم عقائد کے عالم کی نسبت بھی زیادہ خصوصیت ہے، کیونکہ عقائد کے عالم کے پیش نظر وہ چیز ہوتی ہے جس کے ذریعے عقیدہ صحیح ہو جب کہ صوفی کی نظر اس چیز پر ہوتی ہے جس کے ذریعے یقین قوی ہو، نیز صوفی

کی نظر، مفسر اور فقیہ محدث کی نسبت زیادہ خصوصیت کی حامل ہوتی ہے، کیونکہ مفسر اور محدث کی نظر صرف حکم اور معنی پر ہوتی ہے اور صوفی کی نظر حکم اور معنی کے ثابت کرنے کے بعد اشارات پر بھی ہوتی ہے، اگر صوفی میں یہ وصف نہ ہو تو وہ تصوف تو کیا شریعت سے بھی خارج اور محض باطنی ہے (باطنیہ اپنے باطنی نظریات پر کاربند ہوتے ہیں شریعت مطہرہ سے سروکار نہیں رکھتے۔ ۱۲ اشرف قادری)

شرح: اس کلام میں صوفی کو فقیہ پر ترجیح دی گئی ہے، کیونکہ صوفی کی نظر علوم اور اعمال میں کمال پر ہوتی ہے، علوم میں اس کا مقصود یقین ہوتا ہے، علماء کے نزدیک یقین کا معنی ہے وہ اعتقاد جو جازم ہو، واقع کے مطابق ہو اور شک ڈالنے والے کی کوشش سے زائل نہ ہو سکے۔ صوفیہ کرام کے نزدیک یقین اس سے خاص ہے کیونکہ وہ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی اعتبار کرتے ہیں کہ دل پر ذوق اور حال کا غلبہ ہو۔ اعمال میں ان کا طرز عمل یہ ہے کہ تمام یا اکثر احوال میں عزیمت (اصل عمل، اس کے مقابل رخصت ہے) کو اختیار کرتے ہیں، ان کا نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد پر عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اس کی رخصت پر عمل کیا جائے، جیسے کہ وہ پسند فرماتا ہے کہ اس کے اصل احکام پر عمل کیا جائے۔ اس میں انسان کے لئے نرمی اور معاملے میں گنجایش ہے، اللہ کریم جل شانہٗ کے رخصت اور آسانی دینے اور مہربانی کے پیش نظر رخصت بھی عزیمت کا حکم حاصل کر لیتی ہے۔

اصولی یعنی متکلم کا مقصد اور منصب شک کے ازالے اور معروف معقول میں یقین کے حاصل کرنے سے عقیدے کی تحقیق ہے، صوفی اس یقین کو اس حد تک تقویت دیتا ہے کہ اسے مرتبہ حال اور غلبہ یقین حاصل ہو جائے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ہر شخص کو موت کا یقین ہے، اس کے باوجود وہ غافلوں والے کام کرتا ہے اور

لہو ولعب میں مصروف رہتا ہے۔ اسی لئے بعض اصحابِ ظرافت عارفوں نے موت کو یقینِ مشکوک کا نام دیا ہے۔ اس علم اور یقین کا غلبہ یہ ہے کہ اس سے غافل نہ ہو۔ اس کے مقتضا پر عمل کرے اور یہ یقین انسان پر حاوی ہو جائے، یہ بالکل الگ چیز ہے، اسی طرح دوسرے علوم، مثلاً آخرت، جنت اور دوزخ کا علم۔

رہے مفسر اور محدث تو ان کا وہی حال ہے جو متکلم اور فقیہ کا ہے، ان سے الگ قسم نہیں ہیں۔ صوفی کو ان پر یہ فوقیت ہے کہ وہ اشارے کا متلاشی ہوتا ہے۔ وہ قرآن کریم کے بطن پر آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جس کی طرف نبی اکرم ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے کہ قرآن کے لئے ایک ظہر ہے اور ایک بطن ہے اور ہر حد کے لئے اطلاع کی ایک جگہ ہے۔" جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعے میں، اسی طرح وادیٔ مقدس، جوتے اتارنے، درخت اور آگ وغیرہ کے تذکرے میں وہ اشارات پوشیدہ ہیں، پس صوفیہ کرام ظواہر آیات کو ثابت کرتے ہیں، اس کے باوجود ان کے بواطن کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔

اس جگہ تین قسم کے لوگ ہیں:

۱۔ وہ لوگ ہیں جو ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں، مجموعی طور پر معنیٰ کی طرف توجہ نہیں کرتے، یہ لوگ جمود پسند ظاہریہ ہیں۔

۲۔ وہ لوگ ہیں جو معنیٰ کی طرف توجہ کرتے ہیں، جہاں تاویل کی ضرورت ہو تاویل کرتے ہیں، جہاں تاویل کی ضرورت نہ ہو وہاں ظاہر پر اعتماد کرتے ہیں، یہ اہل تحقیق فقہاء ہیں۔

۳۔ وہ لوگ ہیں جو معانی کو ثابت کرتے ہیں، الفاظ کی تحقیق کرتے ہیں اور اشارات و حقائق حاصل کرتے ہیں، یہ محققین صوفیہ ہیں۔

رہے باطنیہ جو تمام آیات کو اشارات پر محمول کرتے ہیں، وہ نہ تو معانی کے

قائل ہیں اور نہ ہی عبارات کے - وہ ظواہر کے قائل نہیں بلکہ باطن پر اکتفا کرتے ہیں - وہ احکام شرعیہ مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کو معانی باطنہ سے عبارت قرار دیتے ہیں، ان کے ظواہر کو نہیں مانتے، اور یہ کفر صریح اور زندیقیت باطلہ ہے - ان کا فقہ یا تصوف سے تعلق کجا، ان کا دین اور شریعت ہی میں کوئی حصہ نہیں ہے، -اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل ورسوا کرے -

ابن جوزی کا امام غزالی پر رد

ابن جوزی کہتے ہیں کہ ابو حامد غزالی آئے اور انہوں نے صوفیہ کے طریقے پر "احیاء العلوم" لکھی، اور اسے باطل حدیثوں سے بھر دیا، انہیں یہ علم ہی نہیں تھا کہ یہ حدیثیں باطل ہیں، انہوں نے کشف کے بارے میں گفتگو کی اور قانون فقہ سے نکل گئے، انہوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو ستارے، چاند اور سورج دیکھے تھے وہ انوار تھے اور سالکین کے سامنے ظاہر ہونے والے اللہ تعالیٰ کے حجابات تھے، سالکین ان حجابات کو طے کر جاتے ہیں اور شک میں واقع نہیں ہوتے ابن جوزی نے کہا کہ یہ فرقہ باطنیہ کے کلام کی جنس سے ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن جوزی صرف معانی کے قائل ہیں اور اشارات کے قائل نہیں ہیں، وہ دوسری قسم کے لوگوں یعنی ان فقہاء میں سے ہیں جو بواطن کی طرف اشارے کے سلسلے میں صوفیہ کے طریقہ کے منکر ہیں -

محل اعتراض کلام کی قسمیں

قاعدہ (۱۲) جس کلام پر اعتراض اور اشکال وارد ہو، اس کی چند قسمیں ہیں :

۱- اس کلام کا معنیٰ مقصود غور و فکر کے بغیر پہلی نظر میں ذہن میں آجائے اور اعتراض توجہ دینے سے ذہن میں آئے، اس صورت حال سے تو شاید ہی کوئی کلام

خالی ہو، ایسے کلام پر اعتراض اور اضطراب کا ظاہر کرنا مقصودی احکام میں سے نہیں ہے۔

۲-وہ ایسا کلام ہے جس پر اعتراض پہلی توجہ سے ذہن میں آجائے اور اس کا اصلی مطلب غور و فکر کا تقاضا کرے تو وہ کلام مشکل ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ توقف کیا جائے اور اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔

۳-اگر ذہن (معنی مقصود اور اعتراض) دونوں طرف یکساں جائے تو وہ کلام دونوں طرف ذہن کے ملتفت ہونے اور جانب اعتراض زیادہ جھکاؤ ہونیکی بنا پر متنازع فیہ ہے-ایسی صورتحال یا تو اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ عبارت، مقصد کو ادا کرنے کے لئے ناکافی ہوتی ہے۔متاخرین صوفیہ کا اپنی کتابوں میں عموماً یہی حال ہے، یہاں تک کہ انہیں کافر اور بدعتی قرار دیا گیا یا اس لئے کہ بنیاد میں خرابی ہے۔ منکرین صوفیہ کے کلام کو اسی پر محمول کرتے ہیں-دونوں میں سے ہر ایک معذور ہے، تاہم منکر زیادہ معذور ہے، تسلیم کرنے والا اور قائل اگر محتاط نہیں ہے تو زیادہ خطرے میں ہے۔

شرح: شیخ نے اس کلام میں اس سبب کی نشاندہی کی ہے جس کی بنا پر اعتراض پیدا ہوتا ہے اور کئی طرح کا ابہام جنم لیتا ہے، صوفیہ کے کلام میں ابہام یا تو عبارت کی تنگ دامانی اور معنی کی پیچیدگی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، یا اصل اور بنیاد کی خرابی کی بنا پر یا اس لئے کہ کچھ لوگ معتقد ہوتے ہیں اور کچھ منکر، ان کا اختلاف باعث ابہام بن جاتا ہے۔

شیخ نے اپنی کتاب کے ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ الفاظ اور عبارات کو اعتراض سے بچانا ضروری ہے، اور معنی کو کتاب و سنت کی موافقت سے منضبط کرنا ضروری ہے، الفاظ محتاط نہ ہوں تو دوسروں کو گمراہ کرنے کا سبب بنیں گے اور کتاب

وسنت کی موافقت نہ ہونے سے گمراہی پیدا ہوگی، شیخ نے کہا کہ بعض متاخرین صوفیہ کے کلام میں دونوں قسم کی خرابیاں پائی گئی ہیں۔

اہل علم کا کہنا ہے کہ لوگ اس سلسلے میں تین قسم ہیں:

۱۔ایسا گروہ ہے جو توقف، تامل، تحقیق وتدقیق، غلطی میں واقع ہونے کے خوف اور عاقبت کی خرابی کی پروا کئے بغیر ایسے کلام کا عقیدہ رکھتا ہے۔

۲۔وہ لوگ ہیں جو انصاف کا طریقہ اختیار کرنے اور سینہ زوری سے احتراز کئے بغیر مطلقاً انکار کردیتے ہیں (جیسے اس وقت کے نجدی علماء کا حال ہے ۱۲ قادری)۔

۳۔وہ جماعت ہے جو توقف، میانہ روی اور اعتدال کے راستے پر چلتی ہے، اور سلامتی اسی میں ہے، مشہور مقولہ ہے " اَسلِم تَسلَم " سر جھکادو، محفوظ رہو گے۔

فقہ، تصوف کی جگہ کارآمد ہے اس کا عکس نہیں

قاعدہ (۱۳) عمل کے میدان میں تصوف بغیر فقہ کے صحیح نہیں ہے، گویا مراد یہ ہے کہ سچی نیت اور ثواب حاصل کرنے کی غرض سے عمل کرے، اسی لئے فقیہ صوفی کا حال کامل ہے، برخلاف صوفی کے جو فقہ کا عالم نہیں ہے (اس کا حال ناقص ہے) فقہ تصوف کی جگہ کارآمد ہے، تصوف فقہ کی جگہ کافی نہیں ہے، اسی لئے جب ائمہ سے علم باطن کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے صوفی کو ظاہر شریعت پر کاربند رہنے کی ترغیب دی، رسول اللہ ﷺ نے علم کے عجائب کے بارے میں سوال کرنے والے کو فرمایا: تم نے دین کے سَر (یعنی شریعت اور علوم ظاہرہ) کے بارے میں کیا کیا ہے؟ پھر فرمایا: جاؤ اور جو کچھ علوم ظاہرہ میں ہے اسے پختہ کرو۔اور یہ بھی فرمایا: جس نے علم کے مطابق عمل کیا اللہ تعالیٰ اسے ان چیزوں کا علم عطا فرمائے گا جنہیں وہ نہیں

جاننا۔

شرح: شیخ اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صوفی فقہ کا محتاج ہے اور جو فقہ حاصل کئے بغیر راہِ تصوف اختیار کرتا ہے وہ زندیق بن جاتا ہے، کیونکہ فقہ، مقام اسلام (اور تصوف مقام احسان) ہے، اور اس جگہ فرماتے ہیں کہ فقہ، تصوف کی جگہ کافی ہے، یعنی اگر کوئی شخص فقہ پر عمل کرے اور احکام اسلام ادا کرے اور مقام احسان کو نہ پہنچے تو اس کے لئے عذاب سے نجات پانے اور ثواب کے حاصل کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے، اگرچہ وہ درجۂ کمال کو نہیں پہنچ سکا، حدیث شریف میں رَأسُ الْاَمْرِ سے مراد ظاہری علوم ہیں، جب انسان انہیں مضبوط کرلے گا تو اسے علم باطن بھی حاصل ہو جائے گا، یہ مناسب نہیں ہے کہ علم ظاہر پر اکتفا کرلے اور مراتب قرب سے محروم ہونے اور نقصان پر راضی ہو جائے، یہ مشائخ کرام کی وصیت ہے ۔باطن کو ظاہر پر مقدم نہ کرے اور باطن کو چھوڑ کر ظاہر پر اکتفا نہ کرے، ہمارے شیخ تاکید کے ساتھ یہ حکم دیتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ اہم کام یہ نہیں ہے کہ تصوف کی کتابوں کا مطالعہ کر کے علم حاصل کرلیا جائے، اصل کام یہ ہے کہ عبادات اور طاعات پر عمل پیرا ہو، تاکہ دل کی صفائی اور باطن کا نور حاصل ہو، اور حقیقت کے راز منکشف ہوں، اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جس نے جانے ہوئے احکام پر عمل کیا اللہ تعالیٰ اسے انجانے علوم عطا فرماتا ہے ---- اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

فقہاء اور صوفیہ

قاعدہ (۱۴) علم کی فضیلت اس کے متعلَّق (معلوم) کی فضیلت کے اعتبار سے ہوتی ہے، علم تصوف کا معلوم تمام معلومات سے افضل ہے، کیونکہ اس کی ابتدا اللہ تعالیٰ کے خوف کی طرف راہنمائی کرتی ہے، اس کا درمیانہ حصہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ

کرنے کی طرف اور اس کا آخری حصہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور سب کچھ چھوڑ کر اس کے ساتھ تعلق قائم کر لینے کی ہدایت کرتا ہے۔

اسی لئے جنید بغدادی نے فرمایا: اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ آسمان کی چھت کے نیچے اس علم سے افضل کوئی علم ہے جس میں ہم اپنے احباب کے ساتھ کلام کرتے ہیں تو ہم اس علم کی طرف دوڑتے، لیکن یہ علم حضرت جنید کی بیان کردہ قید سے مقید ہے اور وہ یہ کہ ہمارے اس علم کی تائید کتاب و سنت سے حاصل ہے، پس جو شخص حدیث نہ سنے، فقہاء کے پاس نہ بیٹھے اور باادب حضرات سے ادب نہ سیکھے اس کا قدم پھسل جائے گا، یا اس سے ملتے جلتے الفاظ ارشاد فرمائے، پس جو شخص یہ علم اختیار کرنا چاہتا ہے اس پر لازم ہے کہ علماء کا دامن مضبوطی سے تھامے اور فقہاء کی پیروی کرے، یا وہ بات اختیار کرے جس کی درستی ظاہر ہو، اور جو واضح نہ ہو اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، اسے چھوڑ دے اور اس پر عمل نہ کرے، اس لئے نہیں کہ اس کے قائل میں نقص ہے، بلکہ اس لئے کہ اس کا حکم معلوم نہیں ہے، کیونکہ کوئی شخص ایسے حکم کا مکلّف نہیں ہے جس کا اسے علم نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اس چیز کے پیچھے نہ چل جس کا تجھے علم نہیں ہے، اللہ تعالیٰ امام مالک پر رحمت فرمائے وہ فرماتے ہیں اس حکم کو لازم پکڑ جس میں تجھے شک نہیں ہے، اور لوگوں کو چھوڑ دے، ہو سکتا ہے ان کے لئے گنجائش ہو۔

شرح: اس کلام میں فقہ کی اہمیت بیان کی گئی ہے، اور کیوں نہ اہم ہو؟ جب کہ فقہ دین اور شریعت کا ضروری علم ہے، نیز تصوف کی ترجیح اور فضیلت بیان کی گئی ہے کیونکہ تصوف ترقی و کمال کا سبب ہے، اسی کے ذریعے اخلاق کی اصلاح، باطن کی صفائی، دل کا اللہ تعالیٰ سے خصوصی تعلق، اور ایسے علم کا انکشاف حاصل ہوتا ہے جو

انسان نے پڑھا نہیں، اور یہ عمل کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ تصوف فہم کا نام ہے علم کا نام نہیں اور بطور دلیل نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد پیش کیا کہ علم تعلّم سے اور حلم تحلّم ہی سے ہے (یعنی علم پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے اور حلم اسے اپنانے سے حاصل ہوتا ہے) یہ لفظی نزاع ہے کہ تصوف کو علم نہ کہا جائے بلکہ فہم کہا جائے، مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔ تصوف در حقیقت سیکھنے ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے کہ تصوف کو تعلّم سے حاصل ہونے والے علم معاملہ کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ یہ علم ولایت جو علم معاملہ کا نتیجہ ہے جسے علم باطن بھی کہا جاتا ہے اس میں بعض اوقات ایسی چیزیں منکشف ہوتی ہیں جو بظاہر علم معاملہ کے مخالف مبہم اور وہم میں ڈالنے والی ہوتی ہیں۔ ایسی چیزوں کی پیروی اور اقتدا نہیں کرنی چاہیے۔ اتباع صرف اس چیز کی کی جائے گی جو واضح ہو، مبہم کو چھوڑ دیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ واقع میں وہ اپنی جگہ صحیح ہو اور دیکھنے والے کے نزدیک مشتبہ ہو، لہذا تسلیم بہتر ہے۔ انصاف اور احتیاط دونوں کی رعایت کرتے ہوئے، یہی صوفیۂ کرام کا طریقہ ہے۔

فقہاء کرام ایسی چیز کو بغیر کسی رو رعایت کے رد کر دیتے ہیں اور بالکل پروا نہیں کرتے، تاہم جو چیز تاویل اور تطبیق کے قابل نہ ہو وہ مردود ہے۔ مگر اس صورت میں کہ اس کا قائل دین کا امام ہو، تقویٰ و پرہیزگاری میں بلند مرتبہ رکھتا ہو، بایں ہمہ اس رد کرنے کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ قائل کو ناقص یا گمراہ قرار دیا جائے، بلکہ انکار اس لئے ہے کہ ہمیں حقیقتِ حال کی اطلاع نہیں ہے، پس در حقیقت انکار اس چیز پر ہے جو ہم سمجھ رہے ہیں، باوجودیکہ یہ احتمال ہے کہ قائل نے ایسی چیز کا ارادہ کیا ہو جو حق اور صحیح ہو۔ لہذا ایک اعتبار سے انکار اور دوسرے اعتبار سے اقرار درست ہے، مختصر یہ کہ جس چیز کے بارے میں قیامت کے دن ہم سے پوچھا نہیں

جائے گا اس میں غور و خوض جائز نہیں ہے، اس گفتگو کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مخلص علماء نے راہ تصوف سے کیوں منع کیا؟

قاعدہ (۱۵) نصیحت کرنے والے علماء نے اس طریق کی غرابت کی بنا پر اس سے بچنے کی تلقین کی ہے، چونکہ اس کے دقیق ہونے کی بنا پر اس کا ادراک مشکل ہے اور اس میں شدت بھی پائی جاتی ہے اس لئے علماء ناصحین نے اس سے دور رہنے کا مشورہ دیا ہے، جہالت کی بنا پر اس میں جھوٹے دعویدار بھی بہت پیدا ہو گئے ہیں، اس طریق کی طرف اپنی نسبت کرنے والوں کے ہاتھوں بہت سی خلافِ حقیقت چیزیں ظاہر ہونے کی وجہ سے ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے، کچھ اور لوگوں نے اس کی اصل تعلیم سے بے خبر ہونے کی بنا پر اس پر نکتہ چینی کی ہے، متقدمین نے اپنی منزلوں میں مصروفیت کے سبب تحریری طور پر اس کی تحقیق نہیں کی۔

وہ امر کہ صوفیہ کے احوال کئی طرح سے اس کا تقاضا کرتے ہیں، اور جس پر مجالس میں ان کے اقوال دلالت کرتے ہیں یہ ہے کہ انہوں نے اپنے طریق کی بنا ہمیشہ امر احسن کی پیروی پر رکھی ہے۔ اسی لئے ان کا اجماع ہے کہ عقائد میں کسی پر اعتراض اور تنقید کئے بغیر سلف صالحین کے مذہب کی پیروی کی جائے۔ہاں جیسے کہ معلوم ہے وہ وجوہِ تاویل میں گفتگو کرتے ہیں اور ان آراء کا اظہار کرتے ہیں جو دقیق نظر اور فہم سے انہیں حاصل ہوتی ہیں، بعض اوقات عبارت کی تنگ دامانی آڑے آتی ہے اور ان کا اشارہ قارئین کی سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے جاہل انہیں بد مذہب قرار دیتا ہے، چونکہ وہ ظاہر شریعت پر قائم ہے اور شنیع عبارات سے نفرت کرتا ہے اس لئے اگرچہ وہ طریق ادب اختیار نہیں کرتا پھر بھی وہ انکار کرنے میں معذور ہے۔

ہمارے شیخ ابو العباس حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ گفتگو کے بعد فرمایا:

"جس شخص کے سامنے اس قسم کا کلام پیش کیا جائے وہ اسے سمجھ نہ سکے اور انکار کر دے تو وہ معذور ہے، وہ اسے کمزوری، کوتاہی اور سلامتی کے اعتبار سے تسلیم کرتا ہے (یعنی اسے مانتا تو ہے لیکن بظاہر جو مطلب سمجھ آرہا ہے اس کا انکار کرتا ہے) اس شخص کا ایمان خوف والوں کا ایمان ہے، اور جو شخص اس کلام کا مطلب سمجھتا ہے اس کا ایمان قوی، اس کی نظر اور مشاہدے کا دائرہ وسیع ہے، ان صفات کے مطابق جو قدرت نے انسانوں میں ودیعت کی ہیں خواہ ان کے ساتھ نور ہو یا اندھیرا (یعنی صاحب اطاعت ہو یا صاحب معصیت)

صوفیہ مجتہدین کے تابع ہیں

صوفیہ کا مذہب اصول و فروع میں فقہاء کے تابع ہے، کیونکہ فقہاء نے تلاش کے بعد احکام کو مختلف فصلوں میں جمع کر دیا ہے ☆ حضرت جنید امام ابو ثور کے مذہب پر تھے، ☆ شیخ شبلی مالکی تھے، ☆ محاسبی شافعی تھے، ☆ جریری حنفی تھے، ☆ شیخ سید عبد القادر جیلانی حنبلی تھے

جیسے کہ ائمہ صوفیہ نے بیان کیا ہے، تاہم وہ مذاہب مذکورہ سے وہ حکم اختیار کرتے تھے جو حدیث کے زیادہ مناسب ہوتا، بشرطیکہ اس کے خلاف میں احتیاط نہ ہو، مثلاً جانب مخالف نص ہو یا کسی اصولی قاعدے کا تقاضا ہو یا عمومی حکم کا شمول ہو۔ اس گفتگو سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ وہ اصحاب مذہب اور پرہیزگار تھے اس کے باوجود محدثین کی پیروی پر ان کا اجماع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ غلط ہے کہ صوفی کا کوئی مذہب نہیں

فضائل میں صوفیہ کا مذہب محدثین کا تابع ہے، وہ اسی فضیلت کو کمی بیشی)

کے بغیر قبول کرتے ہیں جو واضح ہو اور درجہ صحت کو پہنچ گئی ہو یا صحت کے قریب ہو، بشرطیکہ فقہاء کرام نے اس کا انکار نہ کیا ہو، یہ جو کہا جاتا ہے کہ اَلصُّوْفِیُّ لَا مَذْهَبَ لَهٗ صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فضائل میں کسی مذہب کا پابند نہیں ہوتا (یہ مطلب نہیں کہ وہ کسی مذہب کا مقلد نہیں ہوتا) واللہ تعالیٰ اعلم۔

شرح: شیخ نے طریق صوفیہ سے بچنے کی بھرپور نصیحت کی ہے، کیونکہ یہ راستہ اتنا غریب (انوکھا) ہے کہ اس میں کم ہی کوئی دوست موافقت کرتا ہے، اس راستے پر چلنا بہت مشکل اور دشوار ہے، اس کا ادراک آسان نہیں، اس کا علمی اور عملی فہم بہت دقیق ہے، یہ در حقیقت اس طریق کی تعریف، رفعت شان اور بلندی مرتبہ کا بیان ہے۔ شیخ نے بیان کیا کہ جھوٹے دعویداروں، تصوف کی طرف اپنی نسبت ظاہر کرنے والوں اور حقیقتِ حال سے جاہلوں کی کثرت کا یہی سبب ہے۔ اور ان ملعونوں سے ظاہر ہونے والے جاہلانہ اقوال و افعال ہی کچھ لوگوں کے انکار کا سبب ہیں۔ کچھ دوسرے لوگ صوفیہ کے اصول اور دلائل نہ جاننے کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔

شیخ نے بیان کیا کہ صوفیہ کے طریقے کی بنیاد احسن کی پیروی پر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف بیان فرمائی ہے جو بات کو سنتے ہیں اور احسن بات کی پیروی کرتے ہیں، ہاں انہوں نے کچھ اعمال کی حقیقتیں اور دقیق علوم اس طرح بیان کئے ہیں کہ انداز بیان ان کا ساتھ نہیں دے سکا، وہ جامد طبیعت، بجھی ہوئی ذکاوت، تعصب سے بھرے ہوئے نفس اور سیاہ دل والوں کو سمجھانے کے لئے واضح اشارہ نہیں کر سکے۔ اس کے باوجود وہ جہلاء معذور ہیں، کیونکہ وہ ظاہر شریعت پر قائم، قبیح عبارات سے متنفر اور غیر مانوس کلمات سے وحشت زدہ ہیں، وہ کمزور ہیں جو اپنے

ایمان کو خلل اور لغزش سے بچاتے ہیں، اس اعتبار سے ممکن ہے انہیں انکار پر اجر و ثواب بھی ملے۔

لیکن وہ حضرات جن کے قلوب میں قوت اور قدرت ہے، مشاہدہ وسیع، ہمت بلند، قدم راسخ اور معرفت قوی ہے، وہ معانی کو سمجھتے ہیں، الفاظ کو مستحکم کرتے ہیں، ان کے قدم بھٹکنے سے اور دل بہکنے سے محفوظ رہتے ہیں، چاہے اندھیرے میں ہوں یا اجالے میں، اندھیرے اور اجالے سے مراد معصیت اور اطاعت ہے، اسی طرح میں نے اپنے شیخ سے سنا، انہوں نے اپنے شیخ سے نقل کیا۔

صوفیہ کی عجیب اصلاحات اگرچہ نئی ہیں اور دور اول میں نہیں تھیں، تاہم یہ مقاصد کو آسان کرنے اور لوگوں کو سمجھانے کے لئے ہیں، اور اس میں حرج بھی نہیں ہے، ہر شخص کو اصطلاح بنانے کا حق ہے، فقہاء اور علماءِ اصول وغیرہم کی اصطلاحات بھی بعد کی پیداوار ہیں۔ اس سلسلے میں صوفیہ کرام اور دیگر علماء برابر ہیں، ہماری گفتگو صرف محققین کے بارے میں ہے۔ غیر محققین کے بارے میں گفتگو نہیں ہے۔ صوفیہ کے محققین ائمہ نے فقہاء کے مذاہب کی پیروی کی ہے (وہ غیر مقلد نہیں تھے) جس شخص نے یہ کہا ہے کہ صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اس نے غلط کہا ہے۔ کیونکہ ائمہ طریقت چار اماموں اور ان کے علاوہ دیگر مجتہدین کے پیروکار تھے۔ البتہ ان مذاہب کے اس حکم کو اختیار کرتے تھے جو حدیث کے موافق ہوتا، بشرطیکہ احتیاط اس حکم کے خلاف میں نہ ہو۔ یہی مطلب ہے بعض علماء صوفیہ کے اس قول کا کہ محدثین کی پیروی پر صوفیہ کا اجماع ہے، باوجودیکہ ان کا اپنا ایک مذہب تھا اور وہ تقویٰ پر قائم تھے۔ "صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا" اس مقولے کا مطلب بعض اہل علم نے یہ بیان کیا کہ صوفیہ جس مذہب کے مقلد ہوتے ہیں اس مذہب کے مختلف اقوال میں سے وہ قول اختیار کرتے ہیں جو دلیل کے اعتبار سے سب سے بہتر ہو، اس

طرح کیوں کرتے ہیں؟ ان کے سامنے یا تو احتیاط ہوتی ہے یا یہ مقصد ہوتا ہے کہ فائدہ کامل اور وسیع حاصل ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور مقصد ان کے پیشِ نظر ہوتا ہے، اگرچہ وہ حکم ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو، گویا کہ صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہے۔

بعض علماء نے فرمایا کہ صوفیہ کرام فضائل میں حدیث پر عمل کرتے ہیں اور حلال و حرام ایسے احکام میں مذہب پر عمل کرتے ہیں، "صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا"، اس کا مطلب یہ ہے کہ فضائل میں وہ کسی مذہب کے پابند نہیں ہوتے، بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ چاروں مذہبوں میں سے کسی کے پابند نہیں ہوتے، بلکہ جس مذہب میں تقویٰ اور احتیاط زیادہ ہو اسی کی پیروی کرتے ہیں، خواہ جو بھی مذہب ہو، لفظوں کے اعتبار سے یہ مطلب زیادہ ظاہر اور قریب الی الفہم ہے، اگرچہ مطلب کے اعتبار سے بعید ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ متقدمین صوفیہ کسی مذہب کے مقلد نہیں تھے، ان میں سے جو مجتہد ہوتا تھا وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرتا تھا اور جو مجتہد نہیں ہوتا تھا وہ مجتہد سے دریافت کر لیتا تھا اور اس کے فتوے پر عمل کرتا تھا چاہے مجتہد کسی بھی مذہب کا ہو یہ طریق کار اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تعمیل ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

(اے لوگو!) ذکر والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے

نیز اس فرمان کی پیروی ہے:

اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ

وہ لوگ جو بات کو سنتے ہیں اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں

لیکن اہل طریقت کے لئے رخصتوں کی پیروی مناسب نہیں ہے، بلکہ اس حکم کو اختیار کرنا ضروری ہے جس میں تقویٰ اور احتیاط زیادہ ہو، اس موضوع پر ہم دوسری قسم

میں تفصیلی گفتگو کریں گے۔

سیدی احمد (زرّوق) نے فرمایا کہ اصول میں اختلاف کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ فروع میں بھی اختلاف ہو، اس لئے نفس کو فقہ، اصول اور تصوف میں امام، مقتدا اور شیخ کی پیروی پر پابند کرنا ضروری ہے۔

صوفیہ اور حضوریٔ قلب

قاعدہ (۱۶) مشائخ کا آداب کے سلسلے میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے دلوں کی حاضری کا لحاظ رکھتے ہیں۔ جس طریقے سے حضور قلب ممکن ہو اس کی موافقت کرتے ہیں اور جس طریقے سے متعذر اور دشوار ہو اس کی مخالفت کرتے ہیں، اگرچہ کسی عالم کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے یا ایسا شبہہ در پیش ہو جو صریح حرمت تک نہ پہنچاتا ہو۔ اسی لئے وہ کئی ایسی چیزوں کے قائل نظر آتے ہیں جن کی بنا پر ان کے مقاصد کو نہ جاننے والا ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتا ہے، اور ان سے ان اشیاء کے بارے میں بھی ان دلائل کا مطالبہ کرتا ہے جن کا مطالبہ خود ان بزرگوں نے ثابت شدہ اور غیر اختلافی احکام اور فضائل میں کیا تھا، بعض اوقات جاہل ان اشیاء کو عین مقصود سمجھ لیتا ہے اور عمل کر کے برباد ہوتا ہے جیسے کہ مخالف انکار کر کے جاہل بنتا ہے۔ زندگی کے پیدا کرنے والے کی قسم ان اشیاء کا انکار کرنے والا معذور ہے کیونکہ وہ ظاہر حق کا دامن تھامے ہوئے ہے اور عامل معذور نہیں ہے، تم پر لازم ہے کہ احتیاط اور احتراز سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

شرح: اس سے پہلے احکام اور فضائل کا ذکر تھا، صوفیہ احکام میں حکم فقہ اور اقوالِ مجتہدین کے تابع ہیں، فضائل میں احادیث کے پیروکار ہیں، رہے آداب تو ان میں وہ فقہ اور حدیث کی اتباع کرتے ہیں، لیکن بعض آداب میں وہ دوسرا طریقہ اختیار کرتے

ہیں جس کے ذریعے انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضورِ قلب حاصل ہوتا ہے، غالباً
☆احکام سے مراد فرائض، واجبات اور مؤکد سنتیں ہیں ☆فضائل سے مراد مستحبات
نوافل اور غیر مؤکد سنتیں ہیں ☆آداب سے مراد ان کے علاوہ اچھے اور عمدہ اخلاق و
افعال ہیں جنہیں تقویٰ کے مقابلے میں مروّت اور تذکرہ کہا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ
اعلم۔

شیخ فرماتے ہیں کہ صوفیہ آداب کے سلسلے میں اللہ کریم جل مجدہ کی بارگاہ
میں حضورِ قلب کو ملحوظ رکھتے ہیں، جس طریقے سے بھی یہ مقصد حاصل ہو، چاہے وہ
فعل ہو یا ترک، ممکن ہو یا متعذر، اس پر عمل کرتے ہیں اور اسے اختیار کرتے ہیں۔
غالباً ممکن ہونے سے مراد آسانی اور گنجائش ہے اور متعذر ہونے سے مراد دشواری
اور مشکل ہونا ہے۔ تعذر کا وہ معنی مراد نہیں جو امکان کے مقابل ہے یعنی محال ہونا،
کیونکہ اس پر تو عمل ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی اس وقت ہے جب کہ وہ فعل حرام نہ ہو،
متفق علیہ مکروہ تحریمی اور جمہور کے نزدیک مکروہ تحریمی بھی حرام کے حکم میں ہے۔

یہ عمل علاج کا حکم رکھتا ہے، صوفیہ کا مقصود اس سے ذوق اور حضورِ قلب کا
حاصل کرنا ہوتا ہے، جو شخص اس مقصد کو نہیں جانتا وہ ایسے امور میں ان سے قطعی
دلیل اور یقینی حجت کا مطالبہ کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ علماء کے فتوے کے خلاف ہے
اور اس میں اگرچہ صراحۃً حرمت تو نہیں پائی جاتی تاہم شبہہ حرمت ضرور موجود ہے،
ایسا فعل بذاتہ مقصود نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اس پر عمل کیا جائے یا اس میں اقتدا کی جائے،
اس کی نہ تو پیروی کی جائے گی اور نہ ہی انکار کیا جائیگا، چونکہ وہ بذاتہ مقصود نہیں ہے
اس لئے وہ جائے اتباع نہیں ہے اور نہ ہی انکار کا موجب ہے، میری زندگی کے پیدا
کرنے والے کی قسم! اس کا منکر چونکہ ظاہر حق کا سہارا لینے والا ہے، اس لئے معذور
ہے، اور چونکہ وہ اولیٰ اور افضل کے خلاف ہے لہٰذا انہیں خوف اور حذر کو لازم پکڑنا

چاہیے، اور جانب تقوی و احتیاط کی رعایت کرنا چاہیے۔

یہ صوفیہ کی وہ کمزوری ہے جس کی بنا پر فقہاء کا ان کے ساتھ اختلاف ہوا اور فقہاء نے ان کی مخالفت کی، ان ہی امور میں سے سماع بھی ہے۔

اسی لئے شیخ نے ایک دوسری جگہ فرمایا: صوفیہ کرام کا مقصود وہ چیز ہے جو ان کے دلوں کو مولائے کریم کی یاد میں محو کر دے، اسی لئے انہوں نے آداب کے سلسلے میں ایسی اشیاء کا قول کیا ہے کہ ان کے مقصد سے ناواقف لوگوں نے ان کا انکار کیا ہے، اور جو شخص ان کے حال کو نہیں پہنچا اس نے ان اشیاء کو ناحق طریقے سے اپنایا تو گمراہ اور ذلیل ہوا، جیسے سماع وغیرہ۔ اسی طرف حضرت جنید نے اشارہ فرمایا، جب ان سے سماع کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ہر وہ چیز مباح ہے جو بندے کو یاد مولی میں محو کر دے (انتہی) حضرت جنید نے سماع کے جائز ہونے کے لئے یاد الٰہی میں محویت کو شرط قرار دیا ہے، تاکہ یہ حکم دوسری جگہ نہ پایا جائے۔ نیز اس حکم کو اس کی علت (یاد الٰہی میں محویت) پر مبنی قرار دیا ہے تاکہ اس کا انکار نہ کیا جا سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ـــــ میں کہتا ہوں کہ حضرت جنید کا یہ قول عجیب ہے، غالی صوفیوں کے کلمات کے مشابہ ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ ان کی مراد ہر وہ مباح کام ہو جو دلوں کو یاد الٰہی سے معمور کر دے۔ ورنہ حرام کام جو جمعیت قلب کا فائدہ دے نہ تو مفید ہے اور نہ ہی معتبر ہے۔ ان سے منقول بعض اقوال سے اصل سماع کے جائز ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت جنید نے سماع کیوں ترک کیا؟

مروی ہے کہ آپ پہلے سماع کے ساتھ شغل کرتے تھے، پھر ترک کر دیا، اس بارے میں ان سے سوال کیا گیا تو فرمایا: کس سے سنوں؟ اور کس کے ساتھ سنوں؟ بزعم

خویش فقہاء نے اس عبارت کو یوں پیش کر دیا کہ پہلے سماع سے شغل کرتے تھے، بعد میں اس سے توبہ کرلی، لیکن حضرت جنید کے کلام کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع کے ترک کرنے کا سبب یہ تھا کہ وہ ساتھی ہی نہ رہے جو اس کے اہل تھے جن سے سنتے تھے اور جن کے ساتھ سنتے تھے۔ ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اس جماعت پر تین مواقع میں رحمت نازل ہوتی ہے ☆(۱) کھانا کھانے کے وقت، کیونکہ وہ سخت بھوک کے بغیر نہیں کھاتے ☆(۲) گفتگو کے وقت، کیونکہ ان کی گفتگو فقط صدیقین کے مقامات کے بارے میں ہوتی ہے ☆(۳) سماع کے وقت، کیونکہ وہ نفسانی خواہش کی بنا پر نہیں سنتے۔

امام غزالی اور سماع

امام غزالی فرماتے ہیں کہ جو حکم سماع کے مقصد کا ہے، وہی سماع کا حکم ہے، کیونکہ واسطوں کا حکم وہی ہوتا ہے جو مقاصد کا ہوتا ہے، اگر کوئی شخص حج کے لئے جا رہا ہو، راستے میں اتنا تھک جائے کہ چلنا دشوار ہو جائے، وہ ترنم کے ساتھ ایسے اشعار پڑھے جن سے اسے راحت حاصل ہو اور راستہ طے کرنے کی طاقت حاصل ہو جائے تو کیسے کہا جا سکتا ہے؟ کہ اس کا ترنم سے اشعار پڑھنا حرام ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ سماع مباح ہے، ورنہ بعض اوقات شراب کا ایک جام پینے سے بھی سفر کی قوت اور قدرت حاصل ہو جاتی ہے، کون فتویٰ دے گا؟ کہ اس مقصد کے لئے شراب پینا حلال ہے، امام غزالی اس بات کے قائل ہیں کہ سماع فی نفسہ جائز ہے اور عوارض کی بنا پر حرام ہے، جیسے کہ انہوں نے "احیاء العلوم" میں اس دعوے کو دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت کیا ہے۔

شیخ سہروردی اور سماع

مختصر بات وہ ہے جو شیخ شہاب الدین سہروردی نے فرمائی ہے اور وہ یہ کہ سماع کی دو قسمیں ہیں

۱- وہ سماع جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے: اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ وہ لوگ جو بات کو سنتے ہیں، پھر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں، اس میں تو کسی مسلمان کا اختلاف نہیں ہو سکتا۔

۲- موسیقی، آلات اور مزامیر کے ساتھ گانا سننا، اسے بعض لوگ فسق میں شمار کرتے ہیں اور بعض اسے قرب الٰہی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں، ان دونوں کلاموں میں مطلقاً حکم لگانا افراط اور تفریط سے خالی نہیں۔

سماع کا ذکر ہو رہا ہو تو گفتگو دراز ہی ہو جاتی ہے، ہم نے اس عنوان پر کئی جگہ گفتگو کی ہے، مثلاً فارسی زبان میں ہمارا رسالہ ہے

قَرْعُ الْاَسْمَاع باختلاف اقوال القوم و افعالهم فی السماع

(سماع کے بارے میں مشائخ کے مختلف اقوال و افعال سے کانوں پر دستک)

اس کے علاوہ سیرت طیبہ پر ہماری کتاب ہے "مدارج النبوۃ و مراتب الفتوۃ" اس کا مطالعہ کیا جائے۔

فقہاء، محدثین صوفیہ ------ اور سماع

خلاصۂ تفصیل اور اختلاف کا بیان یہ ہے کہ اس جگہ تین قول ہیں ☆ فقہاء کے مذہب پر راجح قول یہ ہے کہ حرام ہے ☆ محدثین کے طریقے کے مطابق مباح ہے ☆ اور صوفیہ کے مسلک کے مطابق تفصیل ہے،

جیسے کہ زبان زد عام اس مقولے سے معلوم ہوتا ہے کہ: اَلسَّمَاعُ لِاَهْلِهٖ مُبَاحٌ

(سماع اس کے اہل کے لئے جائز ہے)

اس جگہ ہم کتاب قَوَاعِدُ الطَّرِيقَةِ فِي الجمعِ بَينَ الشَّرِيعَةِ والحقِيقَةِ سے مختلف قواعد نقل کرتے ہیں جن کے مجموعے سے اختلاف بھی معلوم ہو جائے گا اور تفصیل بھی- اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے اور وہی راہ راست کی ہدایت دیتا ہے-

ضروری نہیں کہ ہر امر جائز کی عام اجازت ہو

قاعدہ (۱۷) جو چیز کسی سبب کی بنا پر جائز قرار دی گئی ہو یا اسے کسی خاص یا عام طریقے پر کرنے کی اجازت دی گئی ہو تو ضروری نہیں کہ یہ اجازت عام ہو جائے، یہاں تک کہ اس مخصوص صورت کے علاوہ دوسری خاص صورت کی بھی اجازت ہو جائے، مثلاً شادی وغیرہ مخصوص مواقع پر گانا جائز ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ مطلق سماع جائز ہو اور نہ ہی یہ مطلب ہے کہ سماع کے معروف طریقے پر اشعار پڑھنا مطلقاً جائز ہو، ہو سکتا ہے کہ اجازت صرف اس خاص صورت (شادی وغیرہ) میں ہو، اسی لئے ابن فاکہانی نے "رسالہ قشیریہ" کی شرح میں کہا ہے کہ سماع کی ممانعت یا اجازت کے بارے میں کوئی صریح نص نہیں ہے، یعنی اس خاص طریقے کے بارے میں جو صوفیہ میں معروف ہے، ورنہ شادی بیاہ اور عیدوں وغیرہ کے مواقع پر جہاں اظہار خوشی مشروع ہے وہاں اجازت ثابت ہے- اسی طرح خندق کھودنے اور بوجھ اٹھانے کے موقع پر ولولہ انگیز اشعار پڑھنے کی اجازت ثابت ہے- دراصل یہ مسئلہ شریعت کے وارد ہونے سے پہلے اشیاء کے حکم سے تعلق رکھتا ہے---- واللہ تعالیٰ اعلم-

شرح: کسی سبب کی بنا پر غنا کی اجازت کی مثال عید کی وجہ سے دف بجانے اور گانے کی اجازت ہے، جیسے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے پاس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے، اس وقت ان کے

پاس دو نو عمر لڑکیاں گا رہی تھیں اور دف بجا رہی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنے اوپر کپڑا اوڑھا ہوا تھا، حضرت ابو بکر نے ان لڑکیوں کو ڈانٹا تو رسول اللہ ﷺ نے چہرۂ انور سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا: ابو بکر! انہیں رہنے دو، کیونکہ یہ عید کے دن ہیں، اسی طرح عقیقہ، قرآن پاک کے حفظ کرنے، درس کے ختم کرنے اور کتاب و تالیف کے مکمل کرنے جیسی رسوم کے موقع پر اشعار کے پڑھنے کی اجازت ہے، اسی طرح علماء نے فرمایا ہے۔

حضرت عائشہ کے واقعہ سے جواز سماع پر استدلال؟

بعض صوفیہ نے حضرت عائشہ کے واقعہ سے سماع اور دف بجانے کے جواز پر استدلال کیا، لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے، جیسے کہ شیخ (زروق) نے بیان فرمایا کہ جو چیز کسی خاص سبب یا خاص انداز میں جائز قرار دی گئی ہے وہ ہر طریقے سے جائز نہیں ہو گی، اور حضرت عائشہ کے واقعہ کے حکم میں نہیں ہو گی۔ کیونکہ اس واقعہ کا تعلق تو عیدوں اور شادیوں کی تقریبات سے ہے، لیکن شیخ کا یہ کہنا کہ یا عام طریقے پر اجازت دی گئی ہو اشکال سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر عام طریقے پر اجازت ہو تو یہ اجازت سب صورتوں کو شامل ہو گی، غالباً ان کی مراد یہ ہے کہ کسی ایک طریقے کی اجازت دی گئی ہے، جو متعدد افراد کو شامل ہے تو اس طریقے کے ایک فرد کی اجازت سے یہ لازم نہیں کہ دوسرے افراد کی بھی اجازت ہو۔

ہاں کسی خاص سبب یا خاص طریقے سے غنا کی اجازت سے یہ ثابت ہو گا کہ غنا مطلقاً ہر طریقے کے اعتبار سے حرام نہیں ہے، لیکن جو اسے دوسرے مخصوص طریقے اور دوسری مخصوص صورت میں جائز قرار دیتا ہے اس کے لئے یہ بات مفید نہیں ہے، جب تک کہ ان صورتوں کا اس جائز اور مخصوص صورت پر قیاس نہیں

کرتا، اب یہ بحث چھڑ جائے گی کہ اس جگہ قیاس کی شرطیں بھی موجود ہیں یا نہیں ؟ تو جس صورت میں اختلاف ہو اس کی نہ تو ممانعت ثابت ہوئی اور نہ ہی جواز ثابت ہوا، شیخ نے اس کا حکم ایک دوسرے قاعدے میں بیان کیا ہے۔

شریعت کے وارد ہونے سے پہلے اشیاء کا حکم ؟

قاعدہ (۱۸) شریعت کے وارد ہونے سے پہلے اشیاء کا کیا حکم ہے ؟ بعض علماء نے کہا توقف ہے جب تک اس پر کوئی دلیل شرعی قائم نہ ہو، لہذا سماع اختیار نہیں کیا جائے گا، بعض علماء نے کہا وہ اشیاء مباح ہیں، لہذا سماع مباح ہے، بعض نے کہا ممنوع ہیں لہذا سماع ممنوع ہے، فقہاء کی طرح صوفیہ کے بھی تین اقوال ہیں، شیخ ابو اسحاق شامی نے کہا کہ سماع نہ تو بالذات تصوف میں سے ہے اور نہ بالعرض، یہ فلاسفہ کے معمول سے ماخوذ ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ مشتبہ ہے، اس کی باطل یعنی لہو کے ساتھ مشابہت ہے، لہذا اس سے بچا جائے گا، ہاں اگر اس کی طرف رجوع کی ضرورت ہو تو بنا بر ضرورت جائز ہو گا۔

مقدسی نے بیان کیا کہ ابو مصعب نے امام مالک سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں، البتہ ہمارے شہر (مدینہ منورہ) کے علماء سماع کا انکار نہیں کرتے اور نہ ہی سنتے ہیں، اس کا انکار وہی شخص کرے گا جو عجمی قسم کا زاہد ہو، یا سخت طبیعت جری، امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے فرماتے ہیں ہمارے پڑوسیوں کے پاس باغ کا مالی تھا میرے والد اس سے اشعار سنا کرتے تھے، حضرت ابن المسیب نے فرمایا وہ لوگ جو اشعار پر اعتراض کرتے ہیں وہ عجمی زہد کے حامل ہیں، امام مالک سے صحیح روایت یہ ہے کہ انہوں نے اس کا انکار کیا ہے اور اسے مکروہ قرار دیا ہے، البتہ مدونہ سے اس کا جواز نکالا گیا ہے، یہ سب اس وقت ہے جب آلات کے بغیر ہو، ورنہ

اس کی حرمت پر اتفاق ہے، صرف عنبری اور ابراہیم بن سعد کا اس مسئلے میں اختلاف ہے، اور ان کے بارے میں جو طعن ہے مشہور ہے، طرطوسی وغیرہ نے اس مسئلے پر بہت تحقیق کی ہے، ان کی تحقیق کا نتیجہ بھی ممانعت ہے-واللہ تعالیٰ اعلم-

شرح: جب شیخ (زرّوق) نے یہ فیصلہ دے دیا کہ سماع کی ممانعت یا اجازت کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے، تو اس کا وہی حکم ہے جو شریعت کے وارد ہونے سے پہلے اشیاء کا ہے، ان اشیاء کے بارے میں تین قول ہیں

(۱) توقف (۲) اباحت (۳) ممانعت

اسی لئے سماع کے بارے میں صوفیہ، فقہاء اور محدثین کے تین قول ہیں البتہ فقہاء سے صوفیہ کی نسبت زیادہ اور شدید ممانعت منقول ہے، میری زندگی کے پیدا کرنے والے کی قسم! صوفیہ ممانعت کے قول کے زیادہ حق دار ہیں، کیونکہ ان کا طریقہ عزیمت اور تقوٰی کا اختیار کرنا اور مشتبہ امور سے اجتناب ہے، ممانعت کی طرف مائل بعض مشائخ نے فرمایا کہ سماع نہ تو بالذات تصوف میں سے ہے اور نہ بالعرض، یہ ایک ایسی چیز ہے جو بعض لوگوں کو غلبۂ حال اور سکر کی فراوانی کی بنا پر پیش آجاتی ہے-

سماع مشائخ چشت کی خصوصیت نہیں

اس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ سماع مشائخ چشتیہ کی خصوصیت ہے اور مشائخ سہروردیہ کی نہیں، جیسے کہ ہمارے علاقے میں مشہور ہے، کیونکہ شیخ کبیر نجم الدین کبرٰی جو کہ شیخ عمار بن یاسر کے مرید تھے اور وہ شیخ ابو النجیب سہروردی کے سماع کا شغل رکھتے تھے، اسی طرح اُن کے مرید شیخ مجد الدین بغدادی قدس سرہما بھی سماع سے دلچسپی رکھتے تھے- شیخ شہاب الدین سہروردی بھی شیخ ابو النجیب

سہروردی کے مرید تھے لیکن سماع کے عامل نہیں تھے۔

یہ قول کہ سماع فلاسفہ کے معمول سے ماخوذ ہے اس بات پر مبنی ہے کہ فلاسفہ نے گانوں، مزامیر اور آلات کی کئی قسموں کا آغاز کیا، وہ لوگ ان کے ذریعے انسانی نفوس اور طبائع کو مختلف احوال مثلاً خوشی اور غم، بیماری اور صحت بلکہ بقول بعض زندگی اور موت سے بہرہ ور کرتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ مجلس سماع میں حرکتہ دوریہ (ایک جگہ کھڑے ہو کر گھومنے) سے رقص کرتے تھے، اس طرح وہ آسمانوں کی مشابہت اختیار کرتے تھے اور کمال حاصل کرنے کی امید رکھتے تھے، کیونکہ ان کے عقیدے میں آسمان عاشقانہ حرکاتِ دوریہ ارادیہ کے ذریعے عقول عالیہ سے کسب فیض کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شیخ (زروق) فرماتے ہیں کہ سماع میں حرمت کا شبہہ ہے کیونکہ یہ باطل یعنی لہو کے مشابہ ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ گانے کا سننا لہو ہے اور علماء اس کا ذکر ملاہی (لہو ولعب کے کاموں) میں کرتے ہیں، نیز اس میں علماء کا اختلاف ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہیے، ہاں اگر کوئی حاجت ہو جو اس کی طرف رجوع کا تقاضا کرے تو حاجت کی بنا پر جائز ہے، ضرورتوں کا ذکر ایک دوسرے قاعدے میں کیا گیا ہے۔

امام مالک کا یہ فرمان کہ لا ادری اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ تمہارے سوال کے جواب میں کیا کہوں؟ یا یہ مطلب ہے کہ میں نہیں جانتا کہ اس کا حکم کیا ہے؟ اور مجھے اس بارے میں وثوق نہیں ہے، ان کی عادت یہ تھی کہ جس چیز کا علم نہ ہو اس کے بارے میں یہ لفظ کہتے تھے، کہا جاتا ہے کہ ان سے چالیس مسئلے پوچھے گئے تو انہوں نے چھتیس مسائل کے بارے میں فرمایا: لا ادری مجھے علم نہیں ہے۔

امام مالک نے فرمایا: لیکن ہمارے شہر مدینہ منورہ کے اہل علم نہ تو سماع کا

انکار کرتے ہیں اور نہ ہی اسے ترک کرتے ہیں، اس لئے کہ اسے جائز مانتے ہیں یا اس لئے کہ اس سے باز نہیں رہ سکتے (متن میں یہ ہے کہ لا یقعدون علیہ وہ سماع کے لئے بیٹھتے نہیں ہیں اور شرح میں ہے لا یترکونہٗ اسے چھوڑتے نہیں۔ ۱۲ اشرف قادری) متن میں ہے لَا یُنکِرُہٗ اِلَّا نَاسِكٌ غَبِیٌّ، ظاہر یہ ہے کہ یہ امام مالک کا قول ہے اور اہل مدینہ کے عمل کی تائید ہے، بعض اوقات

☆ ناسک کا اطلاق اس شخص پر کرتے ہیں جو تحقیق کے ساتھ اور بغیر تحقیق کے عمل کرے، خواہ وہ عمل صحیح ہو یا غیر صحیح،

☆ اور عابد اس شخص کو کہتے ہیں جو صحیح پر عمل کرے،

☆ ناسک عبادت گزار کو بھی کہتے ہیں،

☆ غبی دانا کی ضد ہے (نادان) غَبِیَ الشَّیْءَ وَغَبِہٗ اس نے شے کو نہیں سمجھا،

☆ غلیظ نرم کی ضد ہے (سخت)

سماع کا انکار وہ شخص کرتا ہے جو حسن و قبح کو نہیں جانتا اور ان کے درمیان فرق سے بے خبر ہے، اس کی طبیعت میں رقت، نرمی اور اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، وہ شخص آثار سلف سے بے خبر ہے، اور اسے سماع کے بارے میں بعض سلف کے ارشادات کا علم نہیں ہے؛ اسی طرح عوارف المعارف میں نقل کیا گیا ہے۔

امام احمد اور امام ابو حنیفہ کا اشعار سننا

امام احمد بن حنبل کے دو صاحبزادے تھے صالح اور عبد اللہ، صالح نے اپنے والد کی سند پر زوائد کا اضافہ کیا ہے، انہوں نے اپنے والد کا سماع نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع فی الجملہ جائز ہے، اگر حرام ہوتا تو وہ نہ سنتے، اسی طرح امام ابو حنیفہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کا ایک پڑوسی سحری کے وقت اشعار ترنم

کے ساتھ پڑھا کرتا تھا، اور امام اس کی آواز سنا کرتے تھے، ایک رات اس کی آواز نہیں سنی، تو اس کے رشتہ داروں سے پوچھا کہ اسے کیا ہوا، اور وہ کہاں گیا؟ انہوں نے کہا کہ وہ قید میں ہے اور اس پر ایک گناہ کا الزام ہے، امام صاحب جیل کے داروغہ کے پاس گئے اور اسے رہا کرا دیا، اور فرمایا تو اسی طرح اشعار پڑھا کر ----- واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت ابن مُسیّبؒ نے فرمایا: وہ لوگ جو شعر پر اعتراض کرتے ہیں، ظاہر یہ ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ لوگ خوش الحانی سے شعر پڑھنے پر اعتراض کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: نَسَكُوا نُسُكاً أَعْجَمِيًّا یعنی عرب طبعی طور پر سماع کا شوق رکھتے ہیں، ان کا ذوق عمدہ اور دل پاکیزہ ہے، بر خلاف عجمی زاہدوں کے کہ ان میں خشکی اور تکلف پایا جاتا ہے، نیز ان میں ذوق لطیف بھی نہیں ہے، حضرت سعید بن المسیّبؒ اکابر اور متقدمین تابعین میں سے ہیں، معتمد علیہ ہیں، فقہ، حدیث، زہد، عبادت اور تقویٰ میں حجت ہیں، حضرت امام زین العابدین سے مروی ہے کہ سعید بن المسیّب موجودہ دور کے لوگوں میں سب سے بڑے عالم ہیں، کہا جاتا ہے کہ تابعین میں ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا، واقعۂ حرّہ میں انہوں نے ہی نبی اکرم ﷺ کے حجرۂ مبارکہ سے اذان کی آواز سنی۔

امام مالک کے دو قول

امام مالکؒ سے ثابت ہے کہ انہوں نے گانے کا انکار کیا اور سماع کو مکروہ قرار دیا، مُدوّنہ مذہب مالکیہ کی ایک کتاب ہے، اس سے سماع کا جواز نکالا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ سماع کے بارے میں امام مالکؒ کے دو قول ہیں، ممکن ہے انہوں نے ایک قول سے دوسرے کی طرف رجوع کر لیا ہو، یا یہ مطلب ہو کہ اگر حاضرین لہو و

لعب کا قصد رکھتے ہوں تو مکروہ ہے اور اگر ایسی صورت نہ ہو تو جائز ہے، یہ فیصلہ کن قول ہے، اس طرح مختلف اقوال کے درمیان تطبیق بھی حاصل ہو جاتی ہے، یہ جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے صرف اس صورت میں ہے کہ گانا مزامیر کے بغیر ہو، کیونکہ مزامیر کی حرمت چاروں مذہبوں میں متفق علیہ ہے، کتابُ الامتِناعِ فی اَحکَامِ السَّمَاع کے مصنف نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے، حالانکہ وہ سماع کو مباح قرار دینے کے سلسلے میں نہ صرف غالی ہیں بلکہ اعتدال کی راہ سے بھی تجاوز کر گئے ہیں ائمہ اربعہ کے علاوہ بعض فقہاء اور محدثین مثلاً عنبری اور ابراہیم بن سعد سے بعض مزامیر مثلاً عود (رباب) وغیرہ کی اباحت منقول ہے، اور اس سلسلے میں ان دونوں پر طعن کیا گیا ہے، طرطوسی وغیرہ علماء نے اس مسئلے کی تحقیق میں بہت کوشش کی ہے ان کی تحقیق کا نتیجہ بھی سماع کی ممانعت ہے، اس قاعدے سے بھی سماع کے بارے میں اختلاف ہی معلوم ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ ہمیں عنبری[1] کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون ہیں؟ ملحوظ رہے ابراہیم بن سعد تو کتابُ الامتِناعِ فی اَحکَامِ السَّمَاع میں بیان کیا گیا ہے کہ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف، امام زہری کے شاگردوں میں سے تھے، وہ فقہ اور روایت حدیث کے امام اور امام شافعی کے استاذ تھے، سماع کے ساتھ ان کا شغل مشہور ہے، ان کے بارے میں بیان کرنے والوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے، فقہاء نے اپنی کتابوں میں ان کا موقف بیان کر کے ان سے اختلاف کیا ہے

---

[1] عنبری دو بزرگ گزرے ہیں (۱) قاضی ابو عمر حفص بن غیاث بن طلق بغدادی، عنبری کے عرف سے مشہور تھے، سن ۱۹۴ھ میں فوت ہوئے جن کی تصانیف میں سے شباب العرب اور کتاب النساء مشہور ہیں، (ہدیۃ العارفین از اسماعیل پاشا بغدادی، ج۱ ص ۳۳۲) (۲) ابو اسحاق ابراہیم بن اسماعیل محدث طوسی، سن ۲۸۰ھ میں فوت ہوئے، حدیث میں مسند لکھی۔ (حوالہ مذکورہ ص ۳) غالباً اس جگہ پہلے بزرگ ہی مراد ہیں ——— شرف قادری

امام شافعی نے بھی اپنی کتاب میں ان کا حدیث بیان کیا ہے۔

ابراہیم بن سعد محدث کا شوق سماع

وہ طلبہ کو حدیث سنانے سے پہلے اطمینان کے ساتھ گانا سناتے تھے،

خطیب بغدادی نے اپنی سند کے بیان کیا ہے کہ وہ ۱۸۴ھ میں عراق آئے تو ہارون الرشید نے ان کا بڑا احترام کیا اور تحائف پیش کیے، ہارون الرشید نے ان سے گانے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواز کا فتویٰ دیا، ایک محدث ان سے امام زہری کی روایت کردہ احادیث سننے کے لئے آئے تو دیکھا کہ وہ گا رہے ہیں، اس محدث نے کہا مجھے آپ سے حدیث سننے کا بہت شوق تھا، لیکن اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ سے کبھی کوئی حدیث نہیں سنوں گا، ابراہیم نے کہا صرف تم ایسے شخص ہو جو میرے ہاتھ سے گئے ہو، میں بھی عہد کرتا ہوں کہ جب تک بغداد میں قیام کروں گا اس وقت تک حدیث نہیں سناؤں گا جب تک اس سے پہلے گانا نہ سنالوں۔

یہ واقعہ بغداد میں مشہور ہو گیا، یہاں تک کہ ہارون الرشید کو بھی اس کی اطلاع پہنچ گئی، ہارون نے انہیں بلایا اور ان سے کچھ احادیث کے بارے میں پوچھا، انہوں نے کہا! عود منگوائیں، ہارون نے پوچھا! انگیٹھی میں جلانے والا عود منگواؤں؟ کہا نہیں بلکہ بجانے والا عود (ساز) منگوائیں، ہارون مسکرایا، ابراہیم نے اس مسکراہٹ کو پسند نہیں کیا، کہنے لگے "امیر المومنین! غالباً آپ کو اس بے وقوف کی بات پہنچ چکی ہے جس نے کل مجھے اذیت دی اور مجھے قسم کھانے پر مجبور کر دیا"، ہارون نے کہا ہاں، ہارون نے عود (ساز) منگوایا، اور ابراہیم نے اس کے ساتھ گانا گایا، اسی سال ابراہیم بن سعد کا بغداد میں انتقال ہو گیا، ہارون الرشید نے انہیں بیت المال کا متولی بنا دیا تھا۔

فائدہ:

مزامیر کے ساتھ سماع کے بارے میں حضرت شیخ زروق شارح بخاری کے ارشادات اور شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے اس کا ایک دفعہ پھر مطالعہ کیجئے ظاہر ہو جائے گا کہ محدث مذکور ابراہیم بن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ کا طرز عمل ان کی ذاتی اور انفرادی رائے پر مبنی تھا

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

ایک دفعہ میں مرو میں تھا ائمہ محدثین کے ایک مشہور و معروف امام نے مجھ سے کہا کہ میں نے سماع کے مباح ہونے پر کتاب لکھی ہے، میں نے کہا یہ تو دین میں بڑی خرابی پیدا ہوئی کہ آپ جیسا محدث لہو و لعب والے عمل کو جو تمام برائیوں کی جڑ ہے جائز قرار دے دے، انھوں نے کہا اگر جائز نہیں ہے تو تم کیوں سنتے ہو، میں نے کہا اس کے جائز یا ناجائز ہونے کی کئی صورتیں ہیں کسی ایک بات کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، اگر سماع کی تاثیر دل میں حلال (جذبات) خیالات پیدا کرے تو سماع حلال ہے اور اگر حرام خواہشات ابھارے تو حرام ہے اور اگر مباح تاثر پیدا کرے تو مباح ہے جو چیز ظاہری طور پر فسق ہے، اس کی باطنی کیفیت کئی وجوہ پر ہو سکتی ہے کسی ایک پہلو پر اس کا قطعی فیصلہ ممکن نہیں ہے واللہ اعلم۔

القول الجلی تالیف حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی رحمہ اللہ تعالیٰ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات اور ملفوظات کا مستند ترین مجموعہ ہے، درج ذیل سطور میں ان کا ایک ملفوظ پیش کیا جاتا ہے:

مزامیر کو حلال جاننے والوں میں سے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ

(کشف المحجوب مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور ص ۳۹۷)

تم مزامیر کی آوازوں سے لذت پاتے ہو یا نہیں؟ اور اس کہنے سے اس کی غرض یہ معلوم ہوئی کہ اگر ان نغمات کو تم اچھا سمجھتے ہو تو اس کے سننے پر انکار اور احتراز نہ کرتے، میں نے کہا: تم نے بات کا سلسلہ شروع کیا، اب اپنے حواس کو جمع کرو اور سمجھو، اگر سمجھ سکتے ہو، ہاں میں اس کی خوبیاں سمجھتا ہوں اور اس سے بہت زائد لذت پاتا ہوں، اگر چند روز میں اس پر مداومت (پابندی) کروں تو اس کا خوف ہے کہ اس میں گم نہ ہو جاؤں اور تمام اشغال سے باز رہوں لیکن دو چیزیں اس کی مانع ہیں، ایک شرعی، دوسری طبعی۔

مانع شرعی یہ ہے کہ ہر چند اپنی خدذات میں کریم مطلق کے اطلاق نے اپنے کرم بے علت سے تشرع (شریعت پر عمل) کی قمیص مجھے پہنائی ہے اور میری لذت اس میں رکھی ہے جو شرع کے موافق ہو اور جو چیز مخالف شرع ہو اس سے مجھے نفرت دی ہے، وہ نفرت مجھے اس کی اجازت نہیں دیتی کہ میں اس قسم کی چیزوں کی طرف مشغول رہوں۔

اور مانع طبعی یہ ہے کہ میری شرافت نفس اس کو جائز نہیں سمجھتی ہے کہ میں بد تمیزوں کی مجلس میں بیٹھوں اور مردوں یا نامحرم عورتوں کا گانا سنوں، یا کسی غیر شریف عورت سے نکاح کروں

علاوہ ازیں یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ قوالی کی عام مجلسوں میں اصحاب علم و تقویٰ کا اجتماع نہیں ہو تا بلکہ بازاری قسم کے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے جنہیں نہ نماز سے غرض ہوتی ہے نہ روزہ سے، سماع کی ایسی محافل میں شرکت کو تو وہ حضرات بھی جائز قرار نہیں دیں گے جو مزامیر کے ساتھ سماع کو جائز قرار دیتے ہیں ۱۲ اشرف قادری۔

(القول الجلی اردو ترجمہ (طبع لکھنؤ، انڈیا) ص ۲۶۵)

خطیب بغدادی نے کہا کہ ابراہیم بن سعد مدینہ منورہ کے قاضی تھے، انہیں مغازی اور سیر کے علاوہ صرف احکام کے بارے میں سترہ ہزار حدیثیں یاد تھیں محدثین کا ان کی ثقاہت اور عدالت پر اتفاق ہے، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، اور صحاح کے مصنفین نے ان کی حدیثیں اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں۔

جو چیز قرب الٰہی کا ذریعہ نہیں اسے قرب الٰہی کا ذریعہ جاننا؟

قاعدہ (۱۹) جو کام قرب الٰہی کا ذریعہ نہیں اسے ذریعۂ قرب جاننا بدعت ہے، اسی طرح ایسا حکم نکالنا جس کا سلف صالحین میں سے کسی نے قول نہیں کیا بدعت ہے، اور یہ سب گمراہی ہے، ہاں اگر کوئی حکم کسی اصل سے مستنبط ہو تو وہ گمراہی نہیں ہے، جو شخص سماع کو جائز قرار دیتا ہے اس کے نزدیک بھی اس کے مستحب ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، اگرچہ کچھ لوگوں نے تفصیل بیان کی ہے، اسے جائز قرار دینے والوں کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ ضرورت کی بنا پر اس کی رخصت اور اجازت ہے، یا بعض اوقات جائز ہے، تاہم جواز کی شرط کا لحاظ ضروری ہے، ورنہ ممنوع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

شرح: کچھ لوگوں کا گمان ہے کہ سماع ایسا عمل ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے، اور یہ بارگاہِ خداوندی کے قرب کا فائدہ دیتا ہے، سماع کے بعض غالی پیروکار تو یہاں تک کہتے ہیں کہ سماع نماز کی طرح ہے، اس لئے شیخ (زرّوق) فرماتے ہیں کہ جو چیز قرب الٰہی کا ذریعہ نہیں ہے اسے ذریعۂ قرب جاننا بدعت اور گمراہی ہے، اسی طرح ایسا حکم نکالنا جس کا سلف صالحین میں سے کوئی قائل

نہیں ہے اور وہ سنت سے ماخوذ بھی نہیں ہے بدعت ہے، ہاں اگر دلیل شرعی سے اس کا صحیح ہونا صراحۃً یا بطور استنباط ثابت ہو تو بدعت نہیں ہے، سماع کے مستحب اور مندوب ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ کچھ لوگوں نے اسے جائز قرار دیا ہے، لیکن ان کے پاس بھی اسے مستحب قرار دینے کی کوئی دلیل نہیں ہے، بعض حضرات نے سماع کی تین قسمیں بیان کی ہیں

(۱) حرام (۲) مباح (۳) مستحب

امام غزالی بھی انہی میں سے ہیں، اسے مباح قرار دینے والوں کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ یہ ضرورت کی بنا پر مباح ہے یا ضرورت کی شرط کے بغیر بعض اوقات جائز ہے۔ ان کے نزدیک بھی سماع کی کچھ شرطیں اور آداب ہیں جو اس کے جواز میں معتبر ہیں، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ سماع اس شخص کے لئے جائز ہے جو اس کا اہل ہو۔

شیخ نے رسالہ اصول الطریقۃ میں فرمایا: سماع میدان حق میں تنزّل ہے بشرطیکہ اس کے اہل سے ہو، اس کے محل میں ہو اور اس کے آداب کے ساتھ ہو

حق سے مراد یا تو سنت اور اتباع ہے اور اس میں شک نہیں کہ سماع سنت اور اتباع کے طریقے کے مخالف ہے یا حق سے مراد تجلی ذاتی اور مقام تمکین (مقام کمال) ہے، اور سماع تجلی صفاتی والوں اور اصحاب تلوین (ترقی پذیر اصحاب سلوک) کے لئے ہے، تجلی ذاتی کے مقام میں صرف سکون ہے، فنا ہے، مضمحل ہونا اور مستغرق ہونا ہے

----- واللہ تعالی اعلم

سماع کی بنیاد کیسی ہے؟

قاعدہ (۴۰) قبول کرنے کی استعداد اسی قدر ہوتی ہے جس قدر قبولیت کی طرف توجہ ہو، ☆ جس شخص کا سماع حقیقت کی بنیاد پر ہو وہ حق کی معرفت حاصل

کر لیتا ہے، اور ☆ جس کا سماع خواہش نفس کی بنا پر ہو اسے برا حال حاصل ہوتا ہے اور ☆ جو بتقاضائے طبیعت سماع اختیار کرے اسے صرف وقتی طور پر فائدہ حاصل ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو شخص دنیا کے لئے مسائل کا علم حاصل کرتا جائے گا وہ حق سے دور ہی ہوتا جائے گا، اور اکثر لوگ قصہ گو اور واعظوں کی عام محافل سے صرف وقتی لطف حاصل کرتے ہیں، صاحب حقیقت (اور عارف) جس راستے سے بھی نکلے، اس کیلئے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے!

شرح: غالباً حقیقت کی بنا پر سماع سے مراد یہ ہے کہ اس سے حق تعالیٰ کا مشاہدہ حاصل ہو اور اس کی صفات منکشف ہوں، نفس اور طبیعت کے دخل کے بغیر دل میں ذوق اور سرور حاصل ہو، بعض علماء نے فرمایا کہ سماع کا اہل وہ ہے جس کا دل زندہ اور نفس مردہ ہو، اِستِفَادَ التَّحقُّق سے مراد یہ ہے کہ حق کی معرفت، ثابت قدمی اور معرفت پر استقامت حاصل ہو، ☆ جس شخص کے سماع میں نفس اور اس کی صفات کے باقی رہنے کا دخل ہو اسے حال کی برائی اور باطن کا فساد حاصل ہوگا، کیونکہ نفس برائی کا بہت حکم دینے والا ہے، ☆ اور جس کا سماع تقاضائے طبیعت کی بنا پر لہو ولعب کے طور پر ہو اسے وقتی مسرت اور راحت حاصل ہوگی، جیسے کہ حواس کی خواہشات اور ان کی لذتوں کے مناسب چیزوں مثلاً لذیذ کھانوں وغیرہ سے وقتی لذت حاصل ہوتی ہے، یا جیسے کہ گھاس میں لگائی ہوئی آگ بعارضی طور پر تپش کا فائدہ دیتی ہے، جس کام میں نفس اور طبیعت کا دخل ہو وہ بدبختی اور حق سے دوری کا باعث بنتا ہے، اگرچہ وہ شرافت وفضیلت والا باعثِ اجر اور ذریعۂ ثواب ہو، مثلاً علم، اس عمل کی تو بات ہی چھوڑ دیئے جو اس مرتبے کا نہ ہو۔ اکثر لوگ عام محافل سے فقط وقتی طور پر لطف اندوز ہوتے ہیں۔

کُتَّاب کاف پر پیش اور تاء مشدد، مکتب اور مدرسہ کے معنی میں آتا ہے، حاشیہ میں اس کی تفسیر قصہ گو مقررین سے کی گئی ہے اور المیعاد کا معنی واعظ بیان کیا گیا ہے، حاشیہ میں یہ بھی بیان کیا کہ واعظ کو میعاد اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو وعدے کی بنا پر امید دلاتا ہے اور وعید کی بنا پر ڈراتا ہے، مِیعَادْ بروزن مِکْثَارْ ہے۔

عارف جس کی نظر حق تعالیٰ کے فعل اور اس کی تعریف کی طرف ہوتی ہے وہ ہر چیز سے اس کے مناسب علم حاصل کرتا ہے اور اس سے معانی و مطالب اخذ کرتا ہے، عبرت و نصیحت حاصل کرتا ہے اور اپنے علم میں اضافہ کرتا ہے ---- یہ ہماری سمجھ کے مطابق اس کلام کی شرح ہے۔

اکابر اولیاء سے سماع کی ممانعت

قاعدہ (۲۱) کسی چیز کو کسی امر عارض کی وجہ سے منع کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ چیز فی نفسہٖ جائز نہیں ہے متاخرین صوفیہ کے محققین اور اکثر فقہاء نے وقتی حالات کے پیش نظر عارض ہونے والے امر یعنی سماع کے سبب پیدا ہونے والی بدعت اور گمراہی کی وجہ سے سماع کو ممنوع قرار دیا ہے، یہاں تک کہ (شیخ محی الدین ابن عربی) حاتمی نے فرمایا کہ اس زمانے میں کوئی مسلمان سماع کا قائل نہیں ہو گا، اور جو شیخ سماع کا عامل اور قائل ہو اس کی اقتدا نہیں کی جائے گی، حضرت شیخ ابو الحسن شاذلی فرماتے ہیں میں نے اپنے استاذ سے سماع کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواباً یہ آیت پڑھی اِنَّھُمْ اَلْفَوْا اٰبَآئَھُمْ ضَآلِّیْنَ فَھُمْ عَلٰٓی اٰثٰرِھِمْ یُھْرَعُوْنَ بے شک انہوں نے اپنے آباء کو گمراہ پایا تو وہ ان نشانات پر تیز چلائے جاتے ہیں، ابن نجید نے فرمایا: سماع میں ایک لغزش ہے اور اتنی اتنی مرتبہ لوگوں کی غیبت کرنے سے بری ہے، ممانعت کے حکم کا انداز وہی ہے جو اجتماعی ذکر کا ہے، اصل کا حکم

نہ پائے جانے سے ممانعت شدید ہو جائے گی، جو عالم برائی کے راستوں کو بند کرنے کا قائل ہے وہ سماع سے بالکل ہی منع کرتا ہے، دوسرا عالم اس صورت کو منع کرتا ہے جس میں برائی کا خدشہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

شرح: اس قاعدے میں بیان کیا گیا ہے کہ سماع لذلتہ حرام نہیں ہے، ممانعت صرف عارض کی بنا پر ہے، کیونکہ نفس سماع تو اچھی آواز کا سننا ہے، اور اچھی آواز کا سننا حرام نہیں ہے، جیسے حواس کو اچھی لگنے والی دوسری چیزیں مثلاً کھانے، سونگھنے، چھونے اور دیکھنے والی لذیذ محسوس چیزیں بذلتہ حرام نہیں ہیں، بلکہ ممانعت امر عارض کی بنا پر ہے، مثلاً لہو و لعب میں واقع ہونا، اس چیز کا حرام خواہش یا اجنبی عورت کی طرف دیکھنے تک پہنچانا وغیر ذلک جب حرام اور مکروہ چیزوں سے محفوظ ہو تو اپنے اصل حکم یعنی اباحت اور جواز پر باقی رہے گا

محققین صوفیہ نے وثوق سے کہا ہے کہ سماع کی ممانعت اس لئے ہے کہ یہ بدعت ضلالت، اور دین میں نو پیدا امر ہے، دور اول (صحابہ کرام کا دور) میں نہیں تھا بلکہ بعد میں پیدا ہوا، یہاں تک کہ شیخ محی الدین ابن عربی حاتمی نے فرمایا کہ اس زمانے میں سماع مسلمانوں کی شان نہیں ہے، کسی مسلمان کے شایان شان نہیں ہے کہ اس کا قائل ہو، چہ جائیکہ کوئی متقی اس کا قائل ہو، یہ بھی فرمایا کہ جو شیخ سماع کا عامل اور قائل ہو وہ اقتداء کے لائق نہیں ہے، یہ شدید ترین انکار ہے، سماع اور اس کے عامل سے بچنے کی سخت تاکید ہے۔

قطب وقت استاذ ابوالحسن شاذلی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ حضرت شیخ عبدالسلام مشیش سے سماع کے بارے میں دریافت کیا کہ اس کا حکم کیا ہے؟ اور اس کے عاملوں کا حال کیا ہے؟ تو انہوں نے یہ آیہ کریمہ پڑھی اِنَّهُمْ اَلْفَوْا

ای وَجَدُوْا بے شک انہوں نے پایا ہے آبَا ئَھُم ای قد مائَھُم وَ مَشَائِخَھُم اپنے آباء یعنی متقدمین اور مشائخ کو ضَالِّیْنَ طَرِیقَ الحق راہ حق سے بھٹکے ہوئے فَھُمْ عَلٰی آثَارِھِمْ یُھْرَعُوْنَ اِھْرَاعٌ سے صیغہ مجہول ہے، جس کا معنی ہے مجبور کرنا اور تیز چلانا۔ان ہی سے منقول ہے کہ جس نے سماع کو معمول بنایا اور ظالموں کا کھانا کھایا ان میں یہودیت کی طرف کسی قدر میلان پایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ اَکّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ جھوٹ بہت سننے والے اور حرام بہت کھانے والے۔

ابنِ نجید نون پر زبر، جیم کے نیچے زیر اور یاء ساکن، فرماتے ہیں: زَلَّۃٌ فِی السَّمَاعِ یعنی سماع میں ایک قسم کا تکلف اور بناوٹ ہے اور سماع میں ریاکاری اتنی اتنی بار لوگوں کی غیبت کرنے سے بدتر ہے، یہ اشارہ ہے نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کی طرف کہ غیبت زنا سے زیادہ شدید ہے ---- نعوذ باللہ من ذلک

حضرت جنید پہلے سماع سے شغل کرتے تھے پھر موزوں ہم نشین میسر نہ ہونے کی بنا پر ترک کر دیا۔

سماع ممنوع ہے یا جائز؟

حاصل حکم یہ ہے کہ برائی کے راستے بند کرنے اور ناجائز کاموں میں واقع ہونے کے خوف کی بنا پر سماع ممنوع ہے، ایسا ہوتا رہتا ہے کہ ایک شے سے منع کیا جاتا ہے اور اس سے بچنے کی تلقین اس لئے کی جاتی ہے کہ انسان ممنوع کام میں واقع نہ ہو جائے اور وہ شے اس ممنوع تک نہ پہنچا دے، جیسے کہ حرج والی چیز میں واقع ہونے کے خوف سے اس چیز کو ترک کر دیا جاتا ہے جس میں حرج نہیں ہوتا، مثلاً ☆ غیر شادی شدہ، پیٹ بھر کر کھانا اور خوشبو اس خوف سے ترک کر دے کہ کہیں حرام

شہوت میں مبتلا نہ ہو جاؤں، ☆ذکر کے لئے جمع ہونا بھی اسی قسم سے ہے جب کہ اجتماع میں مرد، عورتیں، فاسق اور اہل غفلت موجود ہوں، جو حضرات برائی کے راستوں کے بند کرنے کے قائل ہیں وہ بالکل سماع سے منع کرتے ہیں اس خوف کی بنا پر کہ کہیں سننے والا پیدا ہونے والی برائی میں واقع نہ ہو جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ سماع کسی ممنوع اور مکروہ تک پہنچا دے، اور جو اس بات کا لحاظ نہیں کرتے وہ اسی صورت سے منع کرتے ہیں جہاں باطل اور ناجائز پایا جائے، پہلا قول زیادہ محتاط، محکم اور زیادہ سلامتی والا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

سماع کی طرف داعی ضرورتیں؟

قاعدہ (۲۲) جو چیز ضرورت کی بنا پر جائز قرار دی جائے وہ بقدر ضرورت ہی روا رکھی جائے گی، اسے ضرورت کی حد تک ہی محدود رکھا جائے گا، اور اس میں صحت اور کمال کی شرائط کا لحاظ رکھا جائے گا، سماع کا تعلق بھی اسی قسم سے ہے۔

سماع کی طرف داعی چند ضرورتیں یہ ہیں

۱- تحریک قلب: تاکہ حرکت میں لانے والی شے (سماع) کے ذریعے معلوم کرے کہ اس کے دل میں کیا ہے؟ (اللہ تعالیٰ کی محبت یا اس کے غیر کی؟) بعض اوقات اس مقصد کے لئے ترغیب و ترہیب پر مشتمل کتابوں کے مطالعہ اور طریقت کے رفیق یا شیخ کی صحبت پر اکتفا کیا جاتا ہے

۲- جسم کو پسندیدہ محسوسات اور شوق انگیز اشیاء کے ذریعے راحت پہنچانا، تاکہ وارد ہونے والے قوی حالات اسے ہلاک نہ کر دیں، بعض اوقات اس کی بجائے انسانی معمولات مثلاً نکاح اور مزاح سے کام لیا جاتا ہے۔

۳- شیخ کا مریدین کی سطح تک اترنا، تاکہ مریدین کے دل باطل کے سانچے میں

حق کے قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں، کیونکہ طبیعت کے واسطے کے بغیر ان میں حق کے قبول کرنے کی طاقت نہیں ہوتی،

شرح : شیخ نے اس قاعدے میں بیان کیا ہے کہ مشائخ جو سماع اختیار کرتے ہیں اور اسکا ارتکاب کرتے ہیں اس کا باعث اور اس کی طرف بلانے والا کون سا امر ہوتا ہے ؟ شیخ نے اس کا نام ضرورت رکھا ہے، کیونکہ مشائخ جس حال میں ہوتے ہیں سماع اس حال کی ضرورت ہوتا ہے۔

بناپر ضرورت جائز کام بقدر ضرورت

شیخ نے فرمایا کہ جو چیز ضرورت کی بنا پر مباح ہو، اس کا اندازہ بقدر ضرورت ہی کرنا چاہیے، اسے ضرورت کی حد تک ہی محدود رکھنا چاہیے، اس کی شرطوں اور آداب کی رعایت کرنا چاہیے، ان سے تجاوز نہیں ہونا چاہیے، ان کے بغیر وہ چیز مباح نہیں ہو گی، شرائط کے بغیر نفس جواز اور رخصت نہیں پائی جائے گی جیسے کہ سماع کے بارے میں اکثر علماء کے نزدیک مختار ہے، بعض علماء کے نزدیک (شرائط کے بغیر) کمال اور استحسان نہیں پایا جائے گا۔

شیخ اور دیگر اہل علم کے نزدیک سماع کی طرف داعی تین چیزیں ہیں :

۱۔ دل کی تحریک اور اس کے حال کی تفتیش ہے، تاکہ معلوم ہو کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہے یا اس کے غیر کی ؟ نیز اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی طلب کے سلسلے میں اسے کونسی چیز پسند ہے اور کونسی ناپسند ؟ اسی طرح یہ بھی معلوم ہو کہ اسے عالم آخرت اور عالم قدس کی طرف شوق ہے یا جھوٹے جہان کی طرف ؟ اور یہ اس لئے کہ سماع باطن میں چھپی ہوئی چیز کو اجاگر کر دیتا ہے، انسان کو اس کی محبوب شے کی طرف کھینچتا ہے، اور اس کی محبت و رغبت کو دوآتشہ کر دیتا ہے، یہ سماع اور ہر اس چیز کی خاصیت ہے جو

طبیعت میں تغیر لائے، ذوق و شوق میں اضافہ کرے اور توجہ کو ایک طرف مرکوز کرے، یہ باعث نہ تو سماع میں منحصر ہے اور نہ ہی اس کے ساتھ خاص ہے بلکہ اس کے لئے ترغیب و ترہیب کے بیانات کا مطالعہ کافی ہے۔ کتاب و سنت اور بزرگوں کی ایسی کتابوں سے جو نصیحتوں، مواعظ، نفس کے مکروں اور اس کے احوال پر تنبیہ اور قرب و وصول اور سلوک کے مقامات کے ذکر پر مشتمل ہوں، نیز کسی صالح بھائی یا شیخ کامل کی صحبت، ان کی زبانوں سے علم کا حاصل کرنا اور ان کی صحبت سے انوار کا حاصل کرنا بھی کافی ہے۔

صالح بھائی سے مراد وہ شخص ہے جو طریقت کا عالم اور خیر خواہ دوست ہو، اگرچہ کامل و مکمل اور واصل شیخ نہ ہو، کامل صفات والے شیخ کا وجود تو نادر ہے، اگر ایسا کامل شیخ نہ ملے تو طریقت کا سلوک طے کرنے کے لئے خیر خواہ اور ہمدرد رفیق کا وجود اور اس کی امداد ہی کافی ہے، اور اگر ایسا بندۂ خدا ملے جو بعض صفات میں کامل ہو اور بعض میں کامل نہ ہو تو صفات کاملہ میں اسے شیخ (مرشد) بنالے اور باقی صفات میں اسے بھائی بنالے، مقصد کے حاصل کرنے کے لئے یہی کافی ہے۔

۲۔ سماع کی طرف داعی دوسری ضرورت بدن کو آرام پہنچانا اور دلچسپ محسوسات کے ادراک اور ان سے لطف اندوز ہونے کے ذریعے بدن کو راحت فراہم کرنا ہے، تاکہ برداشت سے زیادہ وارد ہونے والی قوی کیفیات اور ان کے آثار و انوار سے ہلاک نہ ہو جائے۔ میں کہتا ہوں اس کے مشابہ ہے اہل جنت کا جنتی نعمتوں میں دلچسپی لینا اور ان میں مشغول ہونا، تاکہ مشاہدۂ ذات کے سلطان کے غلبے کی وجہ سے مضمحل اور فنا نہ ہو جائیں اور صفات کے پردوں کا کشف حاصل کرسکیں۔ (سماع کی طرف داعی تیسری ضرورت صاحب تعرف کے بیان میں ملاحظہ ہو)

صاحب تعرف نے تین امور کو سماع کا داعی قرار دیا ہے۔

○-اَلسَّمَاعُ اِسْتِجْمَامُ النَّفْسِ : اجمام کا معنی راحت حاصل کرنا ہے، یعنی نفس کا راحت حاصل کرنا اور اسے طلبِ راحت میں مشغول کرنا، کہا جاتا ہے جَمَّ الفَرَسُ جِمَامًا جب گھوڑے کی تھکاوٹ دور ہو جائے، صاحب تعرف نے فرمایا : یہ ان ظاہری معاملات والوں کے لئے ہے جو تمام اوقات مجاہدہ میں صرف کرتے ہیں اور مسلسل ریاضت کرتے ہیں، جب ان کے نفوس تھک جاتے ہیں اور بے بس ہو جاتے ہیں تو سماع کا شغل کرتے ہیں، ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ عبادت وطاعت پر پابندی کے سلسلے میں قوت اور مدد مل جائے۔

○-کشائشِ حال : یہ باطنی احوال اور دل کے اعمال والوں کے لئے ہے، مثلاً خوف، رجا صدق، معرفت، محبت، رضا، صبر، مراقبہ، شوق اور وجد وغیرہ

ان احوال کے صاحب کو ان احوال میں سماع کے ذریعے وسعت حاصل ہوتی ہے، اس پر وارد ہونے والی کیفیات کا اس کے حال کے مطابق انشراح حاصل ہوتا ہے، اس کے معمولات کو جاری رکھنے اور ان میں ترقی کرنے کے جذبے کو فروغ ملتا ہے۔

○-اصحابِ اشتغال کے لئے اسرار کا حاضر کرنا، یہ بعض عارفین کے لئے ہے، ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کے اسرار (لطائف) کو محویت اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغولیت حاصل ہو، اس سلسلے میں ان کے لئے بعض اوقات کوئی اہم چیز رکاوٹ بن جاتی ہے، ان حضرات کو اکثر طور پر سماع کی حاجت نہیں ہوتی، کیونکہ وہ اس محرومیت سے دور ہوتے ہیں جو وجد کے حاصل کرنے کی طرف محتاج بناتی ہے، لیکن بعض اوقات انہیں ایسے انسانی عوارض لاحق ہو جاتے ہیں جو انہیں روحانی مرتبے سے روک دیتے ہیں، تب انہیں اسرار کے حاضر کرنے اور ان کے ضبط میں سماع کی حاجت ہوتی ہے۔

۱ یہ وہ ضروریات ہیں جو سماع کی طرف داعی ہیں، بعض اوقات جسمانی

راحت اور آرام حاصل کرنے کے لئے سماع کی جائے دیگر انسانی معمولات مثلاً مباشرت، باغوں کی سیر، اور پھولوں کو سونگھنا وغیرہ مشاغل کا سہارا لیا جاتا ہے، جن سے طبیعت کو آرام، راحت اور خوشی حاصل ہوتی ہے، تھکاوٹ اور مشقت دور ہو جاتی ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان امور پر سماع کو اس لئے ترجیح دی جاتی ہے کہ سماع دیرپا نہیں، اس کا اثر نفوس میں دیر تک نہیں رہتا اور نفوس میں مضر اثر پیدا ہونے کا سبب نہیں بنتا، کیونکہ یہ فضا سے فضا کی طرف اور ایک کان سے دوسرے کان کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

پھر صاحب تعرف نے فرمایا: طبائع سماع وغیرہ جن اشیاء سے راحت حاصل کرتی ہیں ارباب کشف و مشاہدہ، اسرار و لطائف کے ذریعے میدان کشف میں حاصل ہونے والے اسباب کی بدولت ان سے مستغنی ہوتے ہیں۔

شیخ (زرّوق) کے بیان کے مطابق سماع کی طرف داعی ضرورتوں میں سے (مشائخ کا) مریدین کے لئے نچلے مرتبے میں آنا ہے تاکہ ان کے دل باطل کے سانچے میں حق کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں، یعنی مشائخ کا مریدین کے فائدے کے لئے اپنے مقام سے نیچے آنا اور باطل یعنی گانے کی صورت میں ان کے دلوں میں حق کا پہنچانا ہے، کیونکہ مریدین کے نفوس خالص حق کو بلا واسطہ قبول نہیں کرتے، اشعار کا خوش الحانی سے پڑھنا حق کو دلکش بنا کر پیش کرتا ہے اور دل کے قریب بلکہ اس میں داخل کر دیتا ہے، منظوم کلام نثر کی نسبت زیادہ موثر ہوتا ہے، نظم کی مثال زیور ایسی ہے (جو مضمون کو دلکش بنا دیتی ہے ۱۲ قادری) ۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کڑوی دوا میٹھی چیز میں لپیٹ کر کھلا دی جائے، اچھی آواز کے ساتھ پڑھنا سونے پر سہاگے کی حیثیت رکھتا ہے، بعض ظریف الطبع علماء نے کہا کہ غیر منظوم کلام کی مثال اس آزاد عورت کی ہے جس نے زیور نہ پہنے ہوں اور شعر کی حیثیت اس لونڈی کی ہے جس نے زیور پہنے

ہوئے ہوں۔

قائلین کے نزدیک سماع کی شرائط

قاعدہ (۲۳) جب کسی امر کی صحت یا اس کا کمال کسی شرط پر موقوف ہو تو اس امر میں اس شرط کی رعایت کی جائے گی، ورنہ وہ امر اپنی حقیقت اور اصلیت سے خارج ہو جائے گا۔ قائلین کے نزدیک سماع کی تین شرطیں ہیں۔

۱- اس زمان و مکان کی رعایت جس میں سماع واقع ہو، اور ان ہم نشینوں کی رعایت جن کی معیت میں سماع ہو۔

۲- وقت ایسا ہو کہ اس میں شرعی یا عادی اعتبار سے کوئی ضروری یا زیادہ اہم امر مانع نہ ہو، کیونکہ رخصت والے امر کے مقابل کسی اہم کام کا ترک کرنا حق کے بارے میں کوتاہی اور حقیقت کے خلاف ہے۔

۳- اس وقت سینہ نفسانی خواہشات سے پاک اور سچا اطمینان حاصل ہو، صرف اس وقت حرکت کرے جب حال کا غلبہ ہو، اگر یہ محسوس ہو کہ اس پر حال کا غلبہ نہیں ہے، اور دیکھنے والا ادنی درجے کا ہو تو تسلیم کرے، اور اعلیٰ مرتبے والا اسے تنبیہ کرے، اور ہم پایہ ساتھی اسے یاد دلائے، صوفیہ اس وقت تک خیر کے ساتھ رہیں گے جب تک اپنے احباب کے حال کی تفتیش کرتے رہیں گے، جب وہ صلح جو ہو جائیں گے تو ان کا دین کمزور ہو جائے گا، کیونکہ وہ صلح اسی وقت کریں گے جب حاضرین کے عیوب سے چشم پوشی کریں گے، اس لئے کہ عام آدمی کبھی بھی عیب سے خالی نہیں ہوتا۔

شرح: ہر شخص جانتا ہے کہ شرط نہ پائی جائے تو مشروط بھی نہیں پایا جاتا، لہذا اگر صحت کی شرط نہ پائی گئی جیسے طہارت، نماز کے صحیح ہونے کی شرط ہے، تو

صحت بھی نہیں پائی جائے گی اور اگر کمال کی شرط نہ پائی گئی تو کمال نہیں پایا جائے گا، جیسے اطاعت، کمالِ ایمان کی شرط ہے۔

سماع کے قائلین کے نزدیک سماع کی تین شرطیں ہیں

٥-زمان، مکان اور اِخوان (رفقاء) یعنی بابرکت زمانہ ہو جو شوق کی آبیاری کرے اور دل کو پراگندہ نہ کرے، پر لطف مکان میں محرم راز اور ہم خیال احباب کے علاوہ کوئی غیر نہ ہو، کہتے ہیں کہ بعض مشائخ کی ایک فقیہ کے ساتھ دوستی تھی، جب سماع کا وقت ہوتا تو اس فقیہ کو رخصت کر دیتے، باوجودیکہ ■ احباب میں شامل تھے لیکن ان کی موجودگی میں محفل سماع منعقد نہیں کرتے تھے، شیخ ابو العباس حضرمی کہا کرتے تھے کہ سماع کا ایک طریقہ ہے، لیکن معرفت والوں کے لئے۔

٥-ایسا وقت ہو کہ شرعاً یا عادۃً کوئی ایسا امر آڑے نہ آئے جو سماع سے افضل، اتم اور زیادہ لائق ہو، کیونکہ ادنیٰ کام کے لئے اعلیٰ کو چھوڑنا راہ حق میں کوتاہی اور مقصد کے خلاف ہے۔

٥-سماع سچائی پر مبنی ہو، اور اس وقت سینہ نفسانیت سے پاک ہو، تکلف، ریاکاری اور تصنع سے خالی ہو، صرف اس وقت حرکت کرے جب حال کا غلبہ ہو، بعض سچے صوفیوں کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے سماع کے دوران ہاتھ اٹھایا، پھر ہاتھ اٹھا ہی رہا، اسے نیچے نہیں کیا، اس بارے میں ان سے پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے غلبۂ حال کی بنا پر ہاتھ اٹھایا تھا، بعد ازاں وہ حال باقی نہیں رہا تو اس حال کے بغیر کیسے نیچے گرا دیتا؟

اگر صاحبِ حال کے بارے میں محسوس ہو کہ اس پر حال کا غلبہ نہیں ہے (اس کے باوجود وہ حرکت کرے) تو اگر دیکھنے والا سننے والے سے کم مرتبہ...

ہو تو سر تسلیم خم کر دے، اور اس پر اعتراض اور انکار نہ کرے، اور اگر بلند مرتبہ ہو تو اسے روکے اور ادب سکھائے، اور اگر اس کا دوست اور ہم مرتبہ ہو تو اسے یاد دہانی کرے اور تنبیہ کرے، اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ صوفیہ اس وقت تک خیر کے ساتھ ہوں گے جب تک اپنے ہر ہم نشین کے حال کی جستجو اور تفتیش کرتے رہیں گے، انہیں ان کے احوال پر تنبیہ کرتے رہیں گے، اور سکوت اختیار نہیں کریں گے، جب وہ صلح کلیت اور سکوت اختیار کر لیں گے، لوگوں کے عیوب پر متفق ہو جائیں گر اور انہیں تنبیہ نہیں کریں گے تو ان کا دین کمزور ہو جائے گا اور ان کے احوال درست نہیں رہیں گے، کیونکہ ان کی صلح اور اتفاق اسی وقت ہو گا جب وہ عیوب سے چشم پوشی اور تغافل برتیں گے، کیونکہ عام آدمی میں کوئی نہ کوئی عیب پایا ہی جاتا ہے۔

رہا توقف، ترک انکار اور تسلیم تو اس کی جگہ ہی دوسری ہے، یہ تفتیش اور تنبیہ تمام مؤمنین میں جاری ہے اور سب کو شامل ہے، کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر صاحب ایمان پر واجب ہے، مشہور مقولہ ہے: اَلْمُؤمِنُ مِرآۃُ الْمُؤمِنِ ہر مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے، اس کا ایک مطلب یہی ہے۔ صوفیہ کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہ اس کے زیادہ لائق ہیں، کیونکہ وہ پوری کوشش سے اخلاق کی درستی اور اعمال کی اصلاح کے درپے ہوتے ہیں۔

حال میں محو صاحب وجد، مجنون کے حکم میں

قاعدہ (۲۴) صاحبِ وجد اپنے حال میں ڈوب جاتا ہے، اس حال میں

لسے اپنے اوپر اختیار نہیں رہتا، اس حال میں وہ مجنون کے حکم میں ہے، کیونکہ اگر واقعی اس کی ایسی حالت ہو تو اس کے افعال کا اعتبار نہیں ہے اور نہ ہی اس پر احکام جاری ہوتے ہیں، مدہوش کی طرح اسے فوت شدہ نمازوں کی قضا لازم ہے، اس لئے کہ اس نے اس حال کا سبب خود اختیار کیا ہے اس حال میں صادر ہونے والے افعال میں اس کی اقتدا جائز نہیں ہے، جیسے ☆ شیخ ابو الحسن نوری نے حالتِ تواجد میں اپنے ساتھیوں کے تحفظ کے لئے قربانی دیتے ہوئے اپنی گردن تلوار کے آگے پیش کر دی (ان کا یہ فعل خاص حالت میں تھا) ورنہ تو یہ اپنے قتل میں امداد دینے کی صورت ہے ☆اسی طرح ابو حمزہ کی حالت، جب انہوں نے اپنے آپ کو کنوئیں میں گرا دیا، پھر وہ ہلاکت کی جگہ سے نکالے گئے، ☆اسی طرح شیخ شبلی نے داڑھی منڈوادی، اور جب انہیں اپنے خلل کا احساس ہوا تو مال دریا میں پھینک دیا، یہ اور ان کے ان جیسے دوسرے اعمال جو اپنے ظاہر کے اعتبار سے شریعت کے موافق نہیں۔ ان کا باعث غلبہ حال بنا، جیسے کہ ان کے واقعات سے ظاہر ہے۔

ان افعال میں ان کا حکم مجنونوں والا ہے۔ رقص وغیرہ افعال بھی اسی زمرے میں آتے ہیں، پس معذور پر کوئی عتاب نہیں ہے، کیونکہ اس نے مخالفتِ شریعت کا ارادہ نہیں کیا، چونکہ اسے اپنی حرکات پر کنٹرول نہیں ہے اس لئے اس نے جو کچھ کیا ہے اس کے سوا وہ کر ہی نہیں سکتا، نبی اکرم ﷺ نے ایک مجنون عورت کو فرمایا کہ اگر تو صبر کرے تو تیرے لئے جنت ہے، یا میں تیرے لئے دعا کروں؟ تو اللہ تعالیٰ تجھے شفا عطا فرمادے۔ وہ جنت کے حصول پر راضی ہو گئی، یہ انداز فکر از راہ تعصب انکار کرنے اور محض حمایت کرنے سے بہتر ہے اور یہ حق کے زیادہ قریب ہے: کیونکہ (انبیاء اور فرشتوں کے علاوہ) کوئی معصوم نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وجد کیا ہے؟

شرح: تعرف میں ہے کہ وجد، دل پر وارد ہونے والا غم یا گھبراہٹ ہے، یا آخرت کے احوال میں سے کسی حال کا دیکھنا یا بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی حالت کا منکشف ہونا ہے، بعض مشائخ نے فرمایا: وہ دل کا سننا اور دیکھنا ہے، اور تواجد یہ ہے کہ انسان اپنے باطن میں جو کچھ حاصل کرے وہ اس کے ظاہر پر جلوہ گر ہو، شیخ ابوالحسن نوری فرماتے ہیں کہ وجد شوق کا وہ شعلہ ہے جو انسان کے بھید پر ظاہر ہوتا ہے تو اس حالت کے وارد ہونے پر اعضاء میں خوشی یا غم کی وجہ سے اضطراب ظاہر ہو جاتا ہے، مشائخ نے فرمایا کہ وجد جلد زائل ہو جاتا ہے اور حرقۃ یعنی محبت کی گرمی برقرار رہتی ہے اور زائل نہیں ہوتی، بعض مشائخ نے فرمایا: وجد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقام مشاہدہ کی طرف ترقی کی بشارتوں کا نام ہے (التعرف) اس جگہ وہ احوال مراد ہیں جنہیں سننے والا سماع کے دوران محسوس کرتا ہے۔

شیخ (زروق) فرماتے ہیں کہ وجد اگر اس درجے کا ہو کہ اس حالت میں انسان کا اپنے اوپر قابو نہ رہے، اس کا اختیار اور ضبط ہاتھ سے جاتا رہے تو وہ معذور ہے، اس حالت میں اس سے صادر ہونے والے افعال پر احکام جاری نہیں ہوتے، اس کا وہی حکم ہے جو مجنون کا حالت جنون میں ہے، اس کے افعال کا اعتبار نہیں ہوتا، اور اس پر شرعی اور عرفی احکام جاری نہیں ہوتے، لیکن یہ اس وقت ہے جب یہ حالت تکلف کے بغیر پائی جائے اور اس میں ضبط، عقل اور اختیار کا کوئی حصہ نہ پایا جائے، ظاہر ہے کہ یہ جنون کی حالت ہے، اور مجنون وہ ہے جو عقل و اختیار سے عاری ہو، لیکن صاحب وجد کو یہ حالت ایک عارضے (سماع وغیرہ) کی بنا پر لاحق ہوئی ہے، لہٰذا اس حالت کے دوران اس سے جو عمل چھوٹ گیا ہے اگر فرض ہے تو نشے والے کی طرح اس کی قضا

لازم ہے، کیونکہ دراصل اس نے اس حالت کے وجود کا سبب اپنے کسب اور اختیار سے اپنایا ہے، اس لئے وہ عمل اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا، بلکہ قضا واجب ہوگی

حالتِ وجد میں گردن جلاد کے آگے رکھ دی

اس حالت میں اس سے صادر ہونے والے غیر مشروع فعل کی اقتدا جائز نہیں ہے، جیسے کہ شیخ ابو الحسن نوری نے حالتِ وجد میں اپنے آپ کو جلاد کے سامنے پیش کر دیا تاکہ وہ ان کی گردن اڑا دے، اس طرح انہوں نے اپنی جان کی بازی لگا دی تاکہ کچھ دیر کے لئے ان کے ساتھیوں کی جان بچ جائے، ان کا واقعہ یہ ہے کہ خلیفۂ وقت کا غلام احمد بن غالب صوفیہ کا مخالف تھا اور انہیں زندیق قرار دیتا تھا۔ اس کے مشورے پر خلیفہ نے صوفیوں کو گرفتار کر کے حکم دیا کہ ان کی گردنیں قلم کر دی جائیں، شیخ نوری فوراً آگے بڑھے اور جلاد کو کہا کہ میرا سر قلم کر دے، جلاد نے پوچھا کہ پوری جماعت میں سے آپ نے سب سے پہلے اپنے آپ کو کیوں پیش کیا؟ شیخ نے فرمایا: میری یہ عادت رہی ہے کہ میں اپنے دوستوں کی پسند کو اپنی پسند پر ترجیح دیتا رہا ہوں، اس وقت میں نے سوچا کہ میری وجہ سے میرے دوستوں کو کچھ لمحوں کی زندگی مل جائے، جلاد اور حاضرین اس ایثار پر حیران رہ گئے، شیخ کے قتل کا معاملہ ملتوی کر دیا، اور خلیفۂ وقت کو اطلاع دی، اس نے حکم دیا انہیں قاضی کے پاس لے جاؤ، شیخ نوری قاضی کے سامنے پیش ہوئے، قاضی نے ان سے عبادات، طہارت اور نماز کے مسائل پوچھے، شیخ نے مسائل بیان کئے، پھر فرمایا:

اس کے بعد یہ بھی سن لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو اللہ کی بات سنتے ہیں، اللہ کی بات کرتے ہیں، اللہ کی معیت میں داخل ہوتے ہیں، اللہ کی معیت میں باہر نکلتے ہیں، اللہ کے لئے کھاتے ہیں اور اللہ کے لئے

لباس پہنتے ہیں (جل جلالہٗ)

ان کی گفتگو سن کر قاضی پر شدید گریہ طاری ہو گیا، قاضی نے خلیفہ سے ملاقات کی اور اسے کہا کہ اگر یہ لوگ زندیق ہیں تو روئے زمین پر کوئی مؤحّد نہیں ہے، خلیفہ نے حکم دیا کہ انھیں رہا کر دیا جائے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان لوگوں کو سر قلم کرنے کے لئے لے جایا گیا تو حضرت جنید بھی ان کے ساتھ تھے، انہوں نے کہا کہ میں صوفی نہیں ہوں، بلکہ میں فقیہہ ہوں اور ابو ثور کے مذہب پر ہوں، ابو ثور امام شافعی کے اصحاب میں سے تھے، بعض روایات میں ہے کہ حضرت جنید نے فرمایا: میں سفیان ثوری کے مذہب پر ہوں، بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ روایت زیادہ مناسب ہے کیونکہ سفیان ثوری فقیہہ صوفی تھے، زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ ابو ثور کے مذہب پر تھے، اس طرح حضرت جنید ابتلاء سے رہائی پا گئے، بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ نوری اس فتنے رہائی کے بعد حضرت جنید کو کہا کرتے تھے کہ آپ ہمارے گروہ میں داخل نہ ہوں آپ فقیہہ ہیں، اور ہم ابتلاء اور فتنہ کا شکار ہیں، شیخ نوری کا یہ تواجد اور جلاد کے سامنے اپنے آپ کو سر قلم کرنے کیلئے پیش کرنا شدتِ وجد، اختیار کے سلب ہونے اور اپنے اوپر قابو نہ ہونے کی بنا پر تھا، جو کہ جنون کے حکم میں ہے، ورنہ تو یہ اپنے قتل میں امداد دینے کے مترادف ہے اور ایسا فعل حرام ہے، کیونکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا خودکشی کے حکم میں ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (۲/ ۱۹۵)

"اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو"

شیخ ابو حمزہ کنوئیں میں گر گئے، کسی کو نہ پکارا

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت ابو حمزہ کا ہے جب وہ کنوئیں میں گر گئے، پھر

انہیں ہلاکت کی اس جگہ سے نکالا گیا، حضرت ابو حمزہ خراسانی نے بیان کیا کہ ایک سال میں حج کرنے کے لئے روانہ ہوا، میں ایک راستے پر جا رہا تھا کہ ایک کنوئیں میں گر گیا میرے نفس نے تقاضا کیا کہ کسی سے مدد طلب کروں، میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں کسی سے مدد طلب نہیں کروں گا، یہ خیال ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ کنوئیں کے پاس سے دو شخص گزرے، ایک نے دوسرے کو کہا کہ آؤ کنوئیں کو بند کر دیں، تاکہ اس میں کوئی گر نہ جائے، وہ کانے لے کر آئے اور انہوں نے کنوئیں کا منہ بند کر دیا، میں نے شور مچانے کا ارادہ کیا، لیکن میں نے اپنے آپ سے کہا کہ میں اس سے فریاد کروں گا جو میری جان سے بھی زیادہ قریب ہے، چنانچہ میں خاموش رہا، ایک ساعت گزری تھی کہ کسی نے آکر کنوئیں کا منہ کھولا، اور اپنا پاؤں لٹکا دیا، مجھے یوں محسوس ہوا کہ وہ آہستہ آواز میں کہہ رہا ہے کہ مجھے پکڑ لے، میں نے اسے پکڑ لیا، اس نے مجھے باہر نکال دیا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک درندہ ہے، مجھے باہر نکال کر وہ چلا گیا، ایک نادیدہ ہستی نے کہا "ابو حمزہ! کیا یہ بہت ہی عمدہ طریقہ نہیں ہے؟ کہ ہم نے تمہیں ہلاکت کے ذریعے ہلاکت سے نجات دی"۔

شیخ شبلی پر ایک خاص حالت طاری

اسی سلسلے سے متعلق شیخ شبلی کی حالت ہے کہ انہوں نے اپنی داڑھی مونڈ دی، ایک نسخے میں ہے تنویرِ لحیتہٖ انہوں نے چونا استعمال کیا جو بالوں کو صاف کر دیتا ہے، میرے نزدیک یہ لفظ زیادہ بہتر اور موزوں ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ شبلی کا ایک بیٹا فوت ہو گیا، تو انہوں نے داڑھی پر چونا لگا لیا، جس کی وجہ سے داڑھی کے ساتھ مونچھیں بھی غائب ہو گئیں، لوگوں نے کہا کہ بیٹے کی وفات پر انہیں صدمہ ہوا ہے، ان کی اس حالت پر اعتراض کیا گیا، اور کسی نے بھی ان سے تعزیت نہیں کی، کچھ

عرصے کے بعد جب داڑھی کے بال اُگ گئے تو لوگوں نے اس سلسلے میں ان سے سوال کیا، انہوں نے کہا مجھے معلوم تھا کہ لوگ میرے پاس آئیں گے، تعزیت کریں گے اور خود غافل ہونے کے باوجود مجھے اللہ تعالیٰ کی یاد دلائیں گے، مجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص غافل ہونے کے باوجود کسی کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نظر سے گر جاتا ہے، اور اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی لعنت متوجہ ہوتی ہے، میں نے اپنی داڑھی کی قربانی دے دی تاکہ نہ تو کوئی میرے پاس تعزیت کرے، نہ غفلت کے باوجود مجھے اللہ تعالیٰ کی یاد دلائے اور نہ ہی میری وجہ سے کوئی نقصان اٹھائے، میں نے ایسا کام کیا کہ لوگ مجھ سے متنفر ہو گئے۔

شیخ شبلی کا یہ فعل غلبۂ حال اور سکر کی شدت کی بنا پر جنون کی ایک قسم تھا، ان کی نیت اگرچہ صحیح تھی، جس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت تھی، تاہم ایسا خلاف شریعت کام کرنا جائز نہیں ہے۔

مال دریا میں پھینک دیا

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شیخ شبلی نے اپنے بخل کو محسوس کر کے مال دریا میں پھینک دیا، واقعہ یہ ہے کہ شیخ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ میں بخیل ہوں، میں نے ارادہ کیا کہ آج مجھے جو کچھ ملے گا وہ سب سے پہلے ملنے والے فقیر کو دے دوں گا، اس دن مجھے پچاس دینار مل گئے، میں وہ دینار لے کر نکلا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نابینا فقیر بیٹھا ہے اور حجام اس کا سر مونڈ رہا ہے، میں نے اس نابینا کو تھیلی پکڑائی تو وہ کہنے لگا حجام کو دے دو، میں نے کہا یہ دینار ہیں، کہنے لگا ہم نے تمہیں نہیں کہا تھا؟ کہ تم بخیل ہو، میں نے وہ تھیلی حجام کو دی تو اس نے کہا کہ میں نے عہد کیا ہے کہ اس فقیر سے کچھ معاوضہ نہیں لوں گا، میں نے وہ دینار دریائے دجلہ میں پھینک دئیے، اور

کہا کہ جو بھی تمہاری عزت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ذلت میں مبتلا فرمادے گا---- مال کا دریا میں پھینکنا فضول خرچی اور ناجائز ہے، یہ فعل ان سے غلبۂ حال کی بنا پر صادر ہوا جو حکم جنون میں ہے۔

ایسے دوسرے کئی واقعات ہیں کہ صوفیہ سے غلبۂ وجد کی بنا پر ایسے افعال صادر ہوئے جن کا ظاہر، شریعت کے موافق نہیں ہے، جیسے کہ ان کی حکایات سے ظاہر ہے، ابن جوزی اور ان کے ہم خیال علماء، صوفیہ کے ایسے افعال پر اعتراض کرتے ہیں، اہل علم صوفیہ نے انہیں یہ جواب دیا ہے کہ وہ ان افعال میں اصحاب جنون کے حکم میں ہیں، میں نے اس قسم کی کئی چیزیں اپنے رسالہ مرج البحرین میں بیان کی ہیں۔

اسی قسم سے رقص وغیرہ ہے مثلاً کپڑوں کا پھاڑنا، سینوں پر ہاتھ مارنا، زمین پر گر جانا، اور لوٹ پوٹ ہونا، جو شخص کسی طرح بھی شریعت کی مخالفت کا ارادہ نہ کرے اور جو کچھ وہ کرے اس کے علاوہ کچھ کرنا اس کے بس میں نہ ہو، بلکہ اس سے غیر اختیاری طور پر افعال سرزد ہوں، اس کی حرکتیں (رقاصاؤں کی طرح) منضبط نہ ہوں تو وہ معذور ہے اور معذور پر نہ مؤاخذہ ہے اور نہ ہی عتاب ہے۔

شیخ (زروق) نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ جس مغلوب الحال کا اپنے افعال پر قابو نہیں اور نہ ہی انہیں منضبط کرنے پر قدرت رکھتا ہے وہ معذور ہے، اس پر استدلال کرتے ہوئے یہ حدیث پیش کی کہ ایک عورت بے ہوش ہو جایا کرتی تھی، وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے شکایت کی کہ وہ بے ہوش ہو جاتی ہے اور برہنہ ہو جاتی ہے، اس نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ میرے لئے دعا فرمائیں اور مجھے اس مصیبت سے نجات دلائیں، یا ایسے ہی کچھ الفاظ کہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو صبر کر، تو تیرے لئے جنت ہے یا میں تیرے لئے اللہ

تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ تجھے شفا عطا فرمائے، وہ عورت راضی ہو گئی کہ اسے جنت منظور ہے، رسول اللہ ﷺ کا اس عورت کو صبر کرنے اور اس حالت کے برداشت کرنے کی تلقین کرنا جس میں وہ برہنہ ہو جاتی تھی اس بات کی دلیل ہے کہ بے اختیار شخص کا عذر مقبول ہے، ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی تو وہ صحت مند ہو گئی، واللہ تعالیٰ اعلم- یہ طریقہ یعنی تسلیم، ضبط و اختیار نہ ہونے کا عذر پیش کرنا اور انکار میں تعصب کا ترک کرنا، باوجودیکہ وہ فعل حق نہیں ہے اور عقائد میں تعصب (سختی) کا اختیار کرنا حق کے زیادہ قریب، زیادہ احتیاط اور سلامتی پر مشتمل ہے- واللہ تعالیٰ اعلم

حقیقی، طبعی اور شیطانی وجد کی علامات

قاعدہ (۲۵) صاحب وجد اگر وجد کے دوران ایسا مطلب محسوس کرے جو اسے علم، عمل یا حال کا فائدہ دے، اس کے ساتھ ہی وہ آرام اور لیٹنے کی رغبت محسوس کرے تو اس کا وجد حقیقی اور معنوی ہے- اگر اس کی توجہ اشعار کی موزونیت اور خوش آوازی کی طرف ہو تو اس کا وجد طبعی ہے، خصوصاً اگر نفس میں اضطراب اور گرمی واقع ہو- اور اگر فقط حرکت ہی پیش نظر ہو تو شیطانی ہے، خصوصاً اگر اس کے بعد اضطراب پیدا ہو- یعنی جسم میں سخت گرمی محسوس ہو، جیسے آگ کا شعلہ لپک جائے، اس لئے وجد کی مکمل تحقیق ضروری ہے، ورنہ اس کے سبب (سماع) کا ترک کرنا ہر سلامتی کے طلبگار دیندار کے لئے ضروری ہے

شرح: شیخ نے اس قاعدے میں صحیح اور فاسد حال اور وجد کی علامات اور نشانیاں بیان کی ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر وجد والے کو اس کے وجد میں کوئی ایسا معنی حاصل ہو جو اسے ظاہری اعضاء یا دلوں کے اعمال کا فائدہ مند علم اور معرفت دے یا

ایسا حال اور صفت دے جو سیر و سلوک میں اس کے لئے مفید ہو- اس کے ساتھ ہی اسے آرام اور لیٹنے کی طرف میلان محسوس ہو تو اس کا وجد حقیقی اور معنوی ہے- کیونکہ وہ اس وجد سے اپنے مقصد میں فائدہ حاصل کرتا ہے، اگر اس کی توجہ کلام موزوں اور اچھی آوازوں کی طرف ہے اور اسے کوئی ایسا مطلب حاصل نہیں ہوتا جو علم، عمل یا حال کا فائدہ دے تو یہ سماع اور وجد طبعی ہے- آواز کی دل کشی، عمدگی اور باقی حواس کی لذت آفریں چیزوں کی طرح طبیعت کو اس آواز کا سننا اچھا لگتا ہے- اس طرح نغمہ اور ترنم روح حیوانی کو متاثر کر جاتا ہے- ترنم کی اصل تاثیر روح حیوانی میں ہے شیخ ابن عربی فرماتے ہیں کہ نغمہ اور ترنم کی اصل اور بالذات تاثیر روح حیوانی میں ہے- روح انسانی اس سے منزہ ہے، اس کی شان صرف محویت، استغراق اور علم و معرفت ہے، یا اس سے ملتے جلتے الفاظ فرمائے- بعض ارباب سماع و وجدان نے فرمایا کہ مطلب کا سمجھنا اور اس کا استنباط مریدین کے سماع کا حصہ ہے- منتہی کا ذوق اور وجد نفس آواز سے ہے، اس کی ذات میں حق کی جلوہ گری ہوتی ہے، نہ تو معانی کا فہم اس کی ذات میں جلوہ گر ہوتا ہے اور نہ ہی اشعار اور منظوم کلام سے سمجھا جانے والا مطلب- اور اگر وجد والا کلام موزوں اور آواز کی تاثیر سے محض حرکت پاتا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں تو یہ وجد شیطانی ہے، یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ (۱۷/ ۶۴)

(شیطان کو فرمایا) اور ڈگمگا دے ان میں سے جس کو تو ڈگمگا سکتا ہے اپنی آواز سے خصوصاً جب سننے والے کو اضطراب اور جھنجھناہٹ لاحق ہو اور جسم میں آگ کا شعلہ سا لپک جائے (اَلشَّنَّةُ شین کے نیچے زیر اور نون مشدد، پانی کا پھینکنا اور اس کا بکھیر دینا) کیونکہ شیطان انسانوں پر اپنا شر پھینک دیتا ہے، آگ کے شعلے کا شیطان سے ہونا ظاہر ہے، جب سماع میں یہ معاملہ ہے کہ کبھی اس کا تعلق حقیقت سے ہوتا ہے، کبھی

طبیعت سے، اور کبھی شیطان سے، تو اس کی تحقیق اور فرق کرنا ضروری ہے، اور اگر فرق نہ ہو سکے (کہ کونسا وجد حقیقی ہے اور کونسا طبعی اور شیطانی؟) اور فرق کرنا ہے بھی مشکل، تو اس کے سبب، یعنی سماع کا ترک کرنا سلامتی کے طالب ہر دیندار کے لئے اولیٰ اور افضل ہے۔

اگر سماع سے عقل کے مغلوب ہونے کا خطرہ ہو؟

قاعدہ (۲۶) اموال اور عزتوں کی طرح عقلوں کی حفاظت بھی واجب ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس شخص کو معلوم ہو کہ میری عقل سماع سے مغلوب ہو جائے گی اس کے لئے سماع بالاتفاق ممنوع ہے، کپڑوں کو پھاڑنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مال کو ضائع کرنا ہے، اگرچہ محترم حاضرین کی موافقت میں ہی ایسا کرے، ارباب سماع کی مجلس میں اس شخص کا شامل ہونا جائز نہیں ہے جو ان میں سے نہ ہو، اور جو سماع کا قائل اور اس کا معتقد نہ ہو، اگرچہ وہ عابد و زاہد ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح عارف کو بھی ایسی مجلس میں شامل ہونا جائز نہیں، کیونکہ اس کا حال زیادہ کامل ہے، وہ شامل ہونے کے بعد اربابِ سماع کی غیبت کرے گا کہ یہ لوگ ناقص ہیں اور بظاہر خواہشِ نفس کا شکار ہیں اور یہ لوگ اس کی غیبت کریں گے۔

شیخ ابوالعباس حضرمی فرماتے ہیں کہ ایک فقیہہ ایک بزرگ کا دوست تھا، دوست ہونے کے باوجود اسے محفل سماع میں شریک نہیں کرتے تھے، اور اس کی موجودگی میں سماع نہیں کرتے تھے، اور فرماتے تھے سماع کا ایک طریقہ ہے لیکن اس شخص کے لئے جو اس کی معرفت رکھتے ہو، واللہ تعالیٰ اعلم

شرح: شیخ نے اس قاعدے میں ایک دوسرے طریقے سے سماع کی ممانعت کی طرف اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں شرعی طور پر یہ بات معلوم ہے کہ انسان

پر اموال کی حفاظت واجب ہے، اسی طرح اپنی اور دوسروں کی عزت کی حفاظت واجب ہے، لہذا عقلوں کی حفاظت زیادہ واجب اور لازم ہے، کیونکہ دین اور امر و نہی کا دارومدار عقل پر ہے، اسی سے اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کی معرفت حاصل ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس شخص کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کی عقل اور سمجھ سماع کی وجہ سے مغلوب ہو جائے گی، اس کے لئے اصحاب علم و دیانت و تحفظ کے نزدیک بالاتفاق سماع ممنوع ہے۔ اور بالآخر سماع اس کی عقل، اشیاء کی سمجھ، احکام شرعیہ کی معرفت اور علم کے زوال کا سبب بن جائے گا۔ بعض لوگ جو کپڑے پھاڑ دیتے ہیں اس کا مکروہ ہونا بھی اسی مسئلے پر متفرع ہے، کبھی رقص کی طرح یہ فعل بھی بعض مشائخ سے سرزد ہو جاتا ہے تو یہ گزشتہ قاعدے کے تحت داخل ہوگا، لیکن رقص اور کپڑے پھاڑنے میں فرق کیا گیا ہے، کیونکہ کپڑے پھاڑنا مال کا ضائع کرنا ہے کبھی ایسا فعل مشائخ اور برادران طریقت کی موافقت کے لئے کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض حضرات سے منقول ہے کہ جب سماع کے دوران شیخ کا عمامہ گر جائے تو دوسرے لوگ بھی اپنا عمامہ گرا دیتے ہیں، اسی طرح ان کا مجلس سماع میں کھڑے ہو جانا، یہ وہ امور ہیں جو ارباب سماع کرتے ہیں، اور انہیں سماع کے آداب میں سے شمار کرتے ہیں، اور یہ سب ان کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔

سماع کے آداب میں سے یہ ہے کہ محفل سماع میں وہ شخص داخل نہ ہو جو ارباب سماع میں سے نہ ہو اور جو سماع کا قائل اور معتقد نہ ہو، اگرچہ عابد و زاہد ہو، بلکہ مشائخ فرماتے ہیں کہ عارف جو مرتبہ و مقام کے لحاظ سے ان سے بلند ہو ان میں داخل نہ ہو، اور اس کے پاس سماع کا شغل مناسب نہیں ہے، اسے معلوم ہوتا ہے کہ معرفت کا مقام سماع سے بلند ہے، کیونکہ سماع تجلی صفاتی کے مقام میں ہوتا ہے اور منتہی جو تجلی ذاتی کے مقام میں ہوتا ہے اس سے مستغنی ہے، اسی لئے بعض مشائخ

شاذلیہ فرماتے ہیں کہ جب سماع اس کے اہل سے ہو اور اس کی شرائط اور آداب کے ساتھ ہو تو درجۂ حق میں تنزل ہے۔

محفلِ سماع میں عارف کا داخل ہونا جائز نہیں ہے، اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے شیخ (زروق) فرماتے ہیں کہ عارف کا حال زیادہ تام، زیادہ کامل اور اعلیٰ ہے، اس کے شامل ہونے نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ ارباب سماع کی غیبت کرے گا، کیونکہ وہ انہیں ناقص ہونے اور بظاہر خواہشِ نفس یعنی سماع میں مشغول ہونے کی بنا پر حقیر جانے گا، کیونکہ سماع اگرچہ مبنی بر حقیقت ہو اور اس میں خواہشِ نفس شامل نہ ہو، لیکن عارف کی نظر میں وہ ناقص اور کم مرتبہ ہے، اس لئے کہ وہ بظاہر لہو و لعب کی صورت ہے، اور سماع کا ایک نام بھی لہو ہے، لہذا ممکن ہے کہ یہ صورت حال اسے غیبت تک پہنچا دے، ممکن ہے غیبت سے مراد اس کے دل میں گزرنے والا یہ خیال ہو کہ یہ لوگ عیب میں مبتلا ہیں، رہا ارباب سماع کا عارف کی غیبت کرنا تو وہ اس لئے کہ عارف سماع کا شغل نہیں کرتا، اور وہ لوگ سماع کو اعلیٰ مقام شمار کرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں، اس طرح مذکورہ دونوں معنوں کے اعتبار سے غیبت تک نوبت آئے گی۔

شیخ (زروق) نے طریقت میں اپنے شیخ، مرشد اور امام کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو سماع کا قائل نہیں ہے اسے محفل سماع میں شریک ہونے سے منع کیا جائے، عارف کے مجلس سماع میں داخل نہ ہونے کے بارے میں کوئی قول نقل نہیں کیا، یہ بات مشائخ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اشعار کی طرف میلان حصول مشاہدہ سے بعید

قاعدہ (۲۷) عاشقانہ اور فصیح اشعار کا پڑھنا، اشعار کا بلند آواز سے پڑھنا، منظوم کلام سن کر طبیعت میں میلان کا پیدا ہونا مشاہدہ کے حصول سے بعید ہے،

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا جلال نفس کے قائم ہونے سے مانع ہے، اور اشعار نفس کی پسندیدہ اور قابل ستائش چیز ہیں، جس شخص کے دل پر حق کا نور جلوہ گر ہو اس میں غیر کا حصہ باقی نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو چیز آئے وہ اس کے نزدیک ٹھنڈے پانی سے زیادہ مرغوب ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اکابر محققین مثلاً جنید بغدادی اور شیخ ابو محمد عبدالقادر شاذلی وغیرہما (رحمہم اللہ تعالیٰ) کا شعری کلام قلیل ہے، اس سلسلے میں اکابر صحابہ کرام ان کے مقتدا ہیں، کیونکہ اکابر صحابہ دوسرے لوگوں کی نسبت اشعار کا زیادہ علم رکھتے تھے، لیکن انہوں نے صرف اس جگہ اشعار پیش کیے جہاں حقائق میں سے کسی حقیقت کی طرف اشارہ نہیں تھا، اگر شعر میں ضمناً کسی حقیقت کا تذکرہ آبھی گیا تو وہ صرف ضمنی حد تک محدود تھا ---- واللہ تعالیٰ اعلم۔

شرح: قاموس میں ہے مُغَازَلَةُ النِّسَاءِ عورتوں سے گفتگو کرنا، اسم ہے غَزَلٌ پہلے دونوں حرف متحرک ہیں، اَلتَّغَزُّلُ کا معنی ہے تکلف، صراح میں ہے مُغَازَلَةٌ عورتوں کے ساتھ گفتگو کرنا اور عشق بازی کرنا، اسم غَزَلٌ ہے، پہلے دونوں حرفوں پر زبر، اور یہ مصدر بھی ہے ٥ مشہور مقولہ ہے هُوَ اَغْزَلُ مِنَ امْرَئِ الْقَيْسِ فلاں شخص امرئی القیس سے بڑا غزل گو ہے، تَغَزَّلَ اس نے غزل میں تکلف کیا، تَغَازَلُوا انہوں نے غزل کے موضوع پر گفتگو کی۔

٥ النَّدب کے کئی معانی ہیں، ان میں سے ایک میت پر رونا اور اس کی خوبیاں شمار کرنا ہے، اسم ہے النُّدبَةُ، کہا جاتا ہے نَدَبَهُ لِاَمْرٍ فَانْتَدَبَ یعنی فلاں شخص نے فلاں کو کسی کام کے لئے بلایا، ابھارا اور متوجہ کیا تو اس نے لبیک کہی، اِنْتَدَبَ اللّٰهُ لِمَنْ خَرَجَ فِیْ سَبِیْلِهٖ جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلا اللہ تعالیٰ کی رحمت نے بڑھ کر اس کا استقبال کیا، رَجُلٌ نَدْبٌ دال کے سکون کے ساتھ، معمولی حاجت والا

مرد، ظریف اور نجیب (عالی نسب) ان معانی کی مناسبت اس مقام کے ساتھ مخفی ہے، قاموس میں ہے "نُدبَۃٌ" پہلے حرف پر پیش، اس کا معنی ہے فصیح، اس معنی کی مناسبت زیادہ ظاہر ہے۔

o اَلِاِشَادَۃُ کسی چیز کا بلند آواز سے ذکر کرنا، گمشدہ چیز کا اعلان کرنا، اَشَادَ بِذِکْرِہٖ فلاں چیز کا مرتبہ بلند کر دیا، اَشَدتُ بِالشَّیْئِ میں نے فلاں چیز کا تعارف کروایا، اس جگہ بلند آواز سے اشعار کا پڑھنا مراد ہے، اسی سے نَشِید" ہے (بلند آواز سے پڑھا جانے والا کلام)

o اَلتَّعرِیجُ عَرَّجَ کا مصدر ہے، مائل کرنا اور قائم ہونا، عَرَجَ عُرُوجاً فلاں شخص نے ترقی کی، عَرَجٌ" پہلے دونوں حرفوں پر زبر، اس کا معنی معروف ہے (لنگڑا پن) دُلُوکُ الشَّمسِ سورج کو مغرب کی طرف لے جانا یعنی اس کا سر سے ڈھل جانا، عَرَّجَ عَلَیہِ فلاں شخص فلاں چیز پر قائم ہوا غالباً شعر کے پڑھنے، خوش آوازی اور آواز کے اتار چڑھاؤ سے پیدا ہونے والا میلان اور جھکاؤ مراد ہے۔

شیخ کہتے ہیں کہ عاشقانہ کلام، بلند آواز سے اشعار کا پڑھنا اور گانا اہل حقیقت اور محققین کے نزدیک کوئی معتبر چیز نہیں ہے، بلکہ مشاہدۂ حق کے حاصل ہونے سے دوری کی دلیل ہے، کیونکہ جلال الٰہی، نفس کے قائم ہونے سے مانع ہے، اشعار نفس کی مرغوب اور لائق تعریف اشیاء میں سے ہیں، نفس ان کی طرف رغبت، میلان اور گہری دلچسپی رکھتا ہے، جس شخص کے دل پر حق کا نور اور اس کے مشاہدہ کا سلطان جلوہ گر ہو اس کے دل میں غیر کا حصہ، اس کی طرف میلان اور دلچسپی اور اس سے لطف اندوز ہونا باقی نہیں رہتا، پیاسے کو ٹھنڈے پانی سے جس قدر لذت حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت صاحب مشاہدہ کے لئے اس سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے، اس سے زائل نہیں ہوتی اور وہ اس کے غیر کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

شیخ فرماتے ہیں یہی وجہ ہے کہ محققین اور اکابر مثلاً سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی، حضرت غوث الثقلین ابو محمد سید عبدالقادر جیلانی اور قطب وقت حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی وغیرہم مشائخ نے بہت کم اشعار کہے ہیں، ہمارے شیخ اور مولیٰ سید محی الدین عبدالقادر جیلانی کی طرف متعدد قصائد اور اشعار منسوب ہیں، ہم نے بعض مشائخ سے سنا کہ آپ کے بعض درویشوں نے آپ کی طرف سے کچھ اشعار کہے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم - ہاں کچھ اشعار ہیں جو آپ کے مناقب میں لکھی گئی کتابوں میں نقل کیے گئے ہیں ان میں سے کچھ اشعار ہیں جن میں پہلے شعر کا مصرع ہے

مَا فِي الصَّبَابَةِ مَنهَلٌ مُستَعذَبٌ

عشق میں کوئی میٹھا چشمہ نہیں ہے (مگر میرے لئے اس میں لذیذ تر اور پاکیزہ تر حصہ ہے)

شیخ (زروق) کہتے ہیں یہ اکابر، اکابر صحابہ کے نقش قدم پر ہیں، اکابر صحابہ دوسرے لوگوں سے شعر و سخن کا علم زیادہ رکھتے تھے، کیونکہ وہ عرب کے ممتاز فصحاء اور بلغاء تھے، اس لئے انہیں شعر و سخن میں طبع آزمائی کرنا چاہیے تھی، لیکن انہوں نے صرف اس جگہ اشعار پیش کیے جہاں حقائق میں سے کسی حقیقت کی طرف اشارہ نہیں تھا، بلکہ پند و نصائح کا بیان تھا، جیسے کہ سیدنا و مولانا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشعار منسوب ہیں اور کفار کی ہجو میں حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن مالک اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف منسوب ہیں۔

ہم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب یہ شعر سنا ہے:

أَشتَاقُهُ وَمَتَى بَدَا أَطرَقتُ مِن إِجلَالِهِ

لَا خِيفَةً بَل هَيبَةً وَّ صِيَانَةً لِجَمَالِهِ

"میں اس کا مشتاق ہوں، جب وہ ظاہر ہوا تو میں نے اس کی

تعظیم کے پیش نظر سر جھکالیا، خوف کی بنا پر نہیں بلکہ ہیبت اور
اس کے جمال کی حفاظت کے لئے"۔

اس گفتگو سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف جو منظوم دیوان منسوب ہے، اس پورے دیوان کی نسبت تو آپ کی طرف صحیح نہیں ہے، البتہ اس میں کچھ کلام اقدس آپ کا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

وَلَوْلَا الشِّعْرُ بِالْعُلَمَاءِ يُزْرِي ۔۔۔ لَكُنْتُ الْيَوْمَ اَشْعَرَ مِنْ لَبِيدِ

اگر شعر علماء کے لئے باعثِ عیب نہ ہوتا تو آج میں لبید سے بڑا شاعر ہوتا

یہ شعر شیخ (زروق) کے بیان کی تائید کرتا ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف یہ اشعار منسوب ہیں:

اُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ ۔۔۔ لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا

صَرَفْتُ الْعُمْرَ فِي لَهْوٍ وَّلَعِبٍ ۔۔۔ فَآهًا ثُمَّ آهًا ثُمَّ آهَا

"میں صالحین (اولیاء کرام) سے محبت رکھتا ہوں، گو کہ ان میں سے نہیں ہوں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی نیکی کی توفیق عطا فرمادے

میں نے اپنی عمر لہو و لعب میں صرف کر دی، افسوس، پھر افسوس پھر افسوس"

لیکن ان اشعار کی نسبت امام اعظم کی طرف ثابت نہیں ہے۔

ایک دوسرا شعر ہے

مَتٰى تُبْنِتْ اَنَّ الشَّمْسَ اُنْثٰى ۔۔۔ يُنَهْنِهُنِي عَفَا لِي اَنْ اَرَاهَا

اس کا کچھ معنیٰ نہیں ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شعر امام اعظم کا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے دربارِ عزت کو شعر گوئی کے عیب سے

پاک رکھا، ارشاد ربانی ہے: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ (۳۶/ ۶۹) اور ہم نے انہیں شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ ہی وہ ان کی شان کے لائق ہے، یہ بھی ارشاد فرمایا:

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَالَا يَفْعَلُونَ (۲۶/ ۲۲۴-۲۲۶) اور شاعروں کی پیروی گمراہ کرتے ہیں، کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہر وادی میں سرگرداں رہتے ہیں اور وہ کچھ کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں---- ہاں یہ کہا گیا ہے کہ اس سے مذموم شعر مراد ہے۔

بعض عارفین نے حقائق و معارف کے بارے میں کچھ اشعار کہے ہیں، اور اس کی توجیہہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے گانے اور اس کی طرف داعی ضرورتوں کے بارے میں بیان کر چکے ہیں، یعنی مریدوں کے دل میں باطل کے قالب میں حق کا داخل کرنا وزن کلام کو زیب و زینت دیتا ہے، اور دلوں میں ایسے معانی داخل کر دیتا ہے جو نثر داخل نہیں کر سکتی، غالباً یہ اشعار ان سے غلبۂ حال کی بنا پر تکلف اور اختیار کے بغیر صادر ہوئے ہیں۔

شیخ (زرّوق) فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے صرف ایسے مقام میں شعر کا تذکرہ کیا ہے جہاں حقائق و معارف میں سے کسی چیز کی طرف اشارہ نہیں تھا، بلکہ پند و نصائح اور معروف گفتگو کا تذکرہ تھا۔ اور اگر ضمناً حقائق کا بیان آبھی گیا تو وہ ضمنی حد تک محدود رہا۔

اس سلسلے میں لبید کا شعر پیش کیا جا سکتا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی شاعر نے جو انتہائی سچی بات کہی ہے وہ لبید کا کلام ہے

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ وَكُلُّ نَعِيمٍ لَا مُحَالَةَ زَائِلُ

خبردار! اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے باطل ہے اور ہر نعمت یقیناً زائل ہونے والی ہے۔
حضرت لبید نے اسلام لانے کے بعد شاعری ترک کر دی تھی، اور کہا کرتے تھے کہ میرے نزدیک سورۂ بقرہ کا یاد کرنا ہر شے سے اعلیٰ اور اتم ہے، یا اس جیسے کلمات کہے، یہ نکتہ خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے!

فعل کی جزا یا سزا اسی نوع سے ہوتی ہے

قاعدہ (۲۸) کسی چیز کی سزا یا اس کی ثواب اسی نوع کا ہوتا ہے، (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ (۱۳۹/۶) اللہ تعالیٰ عنقریب کافروں کو ان کی غلط بیانی کی جزا دے گا، ایک جگہ فرمایا: جَزَاءً وِفَاقًا (۷۸/) ان کے اعمال کے موافق جزا دے گا۔ (حدیث شریف میں ہے) جس شخص نے زنا کیا اس کے اہل سے زنا کیا جائے گا۔ اسی لئے سماع اور قوالی اختیار کرنے والے کو یہ سزا دی گئی کہ اس کے بارے میں لوگوں کی تنقید کرنے والی زبانیں کھول دی گئی ہیں، اسے اچھی جزا یہ دی گئی کہ لوگ اس کی تعریف کرنے لگے، وہ تعریف اور مذمت کرنے والوں میں گھرا رہے گا، اس سے رہائی نہیں پا سکے گا، جب تک کہ وہ جس کام میں مصروف ہے اسے چھوڑ نہیں دیتا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی سنتِ کریمہ جاری ہے، اسی قبیلے سے یوسف بن حسین کا واقعہ ہے وہ کہتے ہیں کہ کیا اہلِ رَے کی میرے بارے میں ملامت کی جائے گی؟ اسی طرح ابن الجلاء کی سزا ہے کہ انہوں نے ایک خوبصورت جوان کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تو انہیں قرآن پاک بھلا دیا گیا، کیونکہ ظاہری بینائی دل کی بصیرت کی طرح ہے ---- واللہ تعالیٰ اعلم

شرح: شیخ نے اس قاعدے میں عجیب تخیل پیش کیا ہے، اور اسے شیخ یوسف بن حسین رازی کی سماع کے بارے میں عجیب حکایت پر منطبق کیا ہے، شیخ

(زرّوق) فرماتے ہیں کہ شے کی سزا کی اور اس کا ثواب اسی کی نوع سے ہوتا ہے، یعنی فعل کی جزا اس کی جنس اور نوع سے اور اس کی مثل ہوتی ہے، بعض اوقات یہ قاعدہ اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان سے اخذ کیا جاتا ہے وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا اور برائی کی جزا اس کی مثل برائی ہے، شیخ نے اس آیت سے استنباط کیا ہے سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ يَجْزِي فعل ہے اور وَصْفَهُمْ اس کا مفعول ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کو ان کے فعل کی مثل جزا دے گا، اس آیت کا پہلا حصہ ہے

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ (۶/۱۳۹)

(کافروں نے) کہا کہ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹوں میں ہے خاص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری بیویوں پر حرام ہے اور اگر مردہ ہو تو اس میں سب شریک ہیں۔

یعنی اس میں مرد اور عورتیں شریک ہیں، جب کافروں نے یہ بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے وصف یعنی حلال اور حرام قرار دینے میں اللہ تعالیٰ کی نسبت جھوٹ بولنے کی جزا دے گا، چنانچہ جس طرح انہوں نے کچھ چیزوں کو حرام اور کچھ کو حلال قرار دیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان پر بعض اشیاء کو حرام اور بعض کو حلال فرما دیا۔

شیخ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان جَزَاءً وِفَاقًا سے بھی استنباط کیا ہے، آیت کریمہ کا پہلا حصہ یہ ہے

إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا o لِّلطَّاغِينَ مَآبًا o لَّابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا o لَّا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا o إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا o جَزَاءً وِفَاقًا ۔(۲۶-۲۱/۷۸)

"بے شک جہنم گھات میں ہے، سرکشوں کا ٹھکانا، اس میں قرنوں رہیں گے،

اس میں کسی طرح کی ٹھنڈک کا مزہ نہ پائیں گے اور نہ کچھ پینے کو، مگر کھولتا پانی اور دوزخیوں کی جلتی ہوئی پیپ، ان کے اعمال کے موافق جزا۔"

یعنی انہیں یہ جزا ان کے اعمال کے موافق دی جائے گی، کفر سے بڑا گناہ کوئی نہیں اور آگ سے بڑا کوئی عذاب نہیں، اسی طرح تفسیر جلالین میں ہے۔

شیخ نے نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے بھی استدلال کیا ہے کہ مَنْ زَنٰی زُنِیَ بِاَھْلِہٖ جس نے زنا کیا اس کے اہل کے ساتھ زنا کیا جائے گا، کسی کے اہل کے ساتھ زنا کی سزا یہ ہوئی کہ اس کے اہل سے زنا کیا جائے گا، غالباً یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو زنا کا عادی ہو اور یہ فعل بد اس سے بکثرت پایا جائے۔

اسی قبیلے سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ (۲/ ۱۵۲) "تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا"

اور حدیث شریف میں ہے کہ اگر بندے نے تنہا میرا ذکر کیا تو میں بھی تنہا اس کا ذکر کروں گا، اور اگر اس نے جماعت میں میرا ذکر کیا تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کروں گا۔

شیخ نے اس پر بطور تفریع یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص سماع، قوالی اور نیک فالی کو اختیار کرتا ہے تو اسے سزا یہ دی جائے گی کہ اس کے خلاف لوگوں کی زبانیں کھل جائیں گی، اور اسے اچھی جزا یہ ملے گی کہ لوگ اس کی تعریفیں کریں گے تو وہ تعریف اور مذمت کرنے والوں کے درمیان گھرا رہے گا، اس سے چھٹکارا نہیں پا سکے گا جب تک کہ وہ اس معمول کو نہ چھوڑ دے جس میں وہ مصروف ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت کریمہ جاری ہے۔

یہ گفتگو کسی قدر خفاء سے خالی نہیں ہے، اور اس سے بھی زیادہ مخفی ابن الجلاء کی سزا ہے، جب انہوں نے ایک خوبصورت جوان کی پسندیدگی کا ذکر کیا تو

انہیں قرآن پاک بھلادیا گیا، اس اعتبار سے کہ آنکھوں کی بینائی دل کی بصیرت کی طرح ہے، شیخ احمد بن یحییٰ بن الجلاء کا واقعہ ان کے اپنے بیان کے مطابق یہ ہے کہ میں ایک دن اپنے استاذ کے ساتھ جارہا تھا، میں نے ایک خوبصورت جوان دیکھا، میں نے کہا استاذ! آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ اس صورت کو عذاب دے گا؟ استاذ نے کہا کیا تو نے اسے دیکھا ہے؟ عنقریب تو اس کی سزا بھی دیکھ لے گا، ابن الجلاء فرماتے ہیں اس کے بعد مجھے بیس سال تک قرآن پاک بھولا رہا۔

یوسف بن حسین کی اپنے ہم نام سے ملاقات

اس سے بھی زیادہ مخفی یوسف بن الحسین دراج کی حکایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بغداد سے یوسف بن الحسین رازی کی زیارت اور ان کی خدمت میں سلام پیش کرنے کا ارادہ کیا، جب میں رَے (ایران) پہنچا تو ان کے بارے میں لوگوں سے دریافت کرنے لگا، جس سے بھی میں نے پوچھا اس نے یہی کہا کہ تم اس زندیق کے پاس جاکر کیا کروگے؟ انہوں نے میرا دل اتنا تنگ کردیا کہ میں نے ارادہ کرلیا کہ واپس چلا جاؤں، پھر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں نے اتنا طویل سفر طے کیا ہے، کم از کم انہیں دیکھ تو لوں، پوچھتے پوچھتے میں ان کے پاس ایک مسجد میں پہنچ گیا، وہ محراب میں بیٹھے ہوئے تھے، ان کے سامنے ایک شخص قرآن پاک ہاتھوں میں لئے بیٹھا تھا اور شیخ تلاوت کر رہے تھے، میں نے دیکھا کہ شیخ بڑے خوبصورت ہیں، ان کا چہرہ اور داڑھی بھی خوبصورت ہے، میں نے سلام عرض کیا تو وہ میری طرف متوجہ ہوگئے، اور فرمایا: کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا بغداد سے، فرمایا: آنے کا مقصد؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کی خدمت میں سلام عرض کرنے حاضر ہوا ہوں، فرمایا: تم کچھ کلام سنا سکتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، فرمایا: سناؤ، میں نے یہ اشعار سنائے:

رَأَیْتُکَ تَبْنِی دَائِمًا فِیْ قَطِیْعَتِیْ وَلَوْ کُنْتَ ذَا حَزْمٍ لَهَدَمْتَ مَا تَبْنِیْ
کَأَنِّیْ بِکُمْ وَ اللَّیْتَ اَفْضَلُ قَوْلِکُمْ اَلَا لَیْتَنَا کُنَّا اِذِاللَّیْتُ لَا تُغْنِیْ

☆ میں نے تمہیں دیکھا ہے کہ تم میری جدائی کے لئے ہمیشہ دیوار تعمیر کرتے رہتے ہو، اگر تم احتیاط والے ہوتے تو اس دیوار کو گرا دیتے۔

☆ گویا میں تمہارے پاس ہوں اور تمہاری بہترین بات لَیتَ (کاش کہ ایسا ہوتا) ہے، کاش کہ ہم ایک ساتھ ہوتے، کیونکہ لَیتَ کا لفظ فائدہ نہیں دیتا۔

یوسف دراج کہتے ہیں کہ شیخ نے قرآن پاک بند کر دیا اور زار و قطار رونے لگے یہاں تک کہ ان کی داڑھی اور کپڑے بھیگ گئے، ان کی گریہ وزاری کی زیادتی کی بنا پر مجھے ان پر رحم آنے لگا، پھر کہنے لگے بیٹے! تم اہل رے کو اس بنا پر ملامت کرتے ہو؟ کہ وہ کہتے ہیں یوسف زندیق ہے، میں صبح سے قرآن پاک کی تلاوت کر رہا ہوں، میری آنکھوں سے ایک آنسو تک نہیں ٹپکا، اور ان دو شعروں نے مجھ پر قیامت گزر گئی ہے۔ یہ واقعہ احیاء العلوم میں بیان کیا گیا ہے (ج ۲، ص ۳۰۱)

میں نے یہ قاعدہ صرف اس عجیب قصے کے لئے نقل کیا ہے، اور اس میں دو وجہ سے کلام ہے

۵۔ نظر ظاہر میں یہ بعید معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک سننے سے وجد کیوں حاصل نہیں ہوتا؟ جب کہ قوالی سننے سے وجد حاصل ہو جاتا ہے، امام غزالی نے کئی ایسی حکایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی ارباب قلوب پر قرآن پاک سننے سے وجد طاری ہو گیا، یہ حکایات نقل کرنے کے بعد انہوں نے یہی سوال اٹھایا ہے قوالی سے وجد ہوتا ہے، قرآن پاک سے کیوں نہیں؟

امام غزالی فرماتے ہیں کہ اگر تو کہے کہ اگر قرآن پاک کا سننا فائدہ دیتا ہے

تو کیا وجہ ہے ؟ کہ صوفیہ قوالوں سے منظوم کلام سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں، قاریوں سے قرآن کریم سننے کے لئے اکٹھے نہیں ہوتے، ان کا اجتماع اور تواجد قاریوں کے حلقوں میں ہونا چاہیے، نہ کہ قوالوں کے گرد، نیز ہر اجتماع اور ہر دعوت میں قاری کو بلانا چاہیے، نہ کہ قوال کو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام قوالی سے بہر حال افضل ہے۔

جواب

امام غزالی نے اس سوال کا جواب یہ دیا کہ قرآن پاک کی نسبت قوالی وجد کو زیادہ ابھارتی ہے، اس کی انہوں نے کئی وجوہ بیان کیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی تمام آیات سننے والے کے حال کے مناسب نہیں ہوتیں، ہر سننے والا نہ تو ان کے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور نہ ہی انہیں اپنے حال پر چسپاں کر سکتا ہے، جس شخص پر غم یا شوق یا ندامت کا غلبہ ہو، اس کے حال کے مناسب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کیسے ہوگا؟ يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ (۴/۱۱)

اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں حکم دیتا ہے، بیٹے کے لیے دو بیٹیوں کے برابر حصہ ہے،

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان : وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ (۴/۲۴)

اور جو پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں

اسی طرح کی دوسری آیات جن میں میراث، طلاق اور حدود وغیرہ کا ذکر ہے۔

دل کو وہ چیز حرکت دیتی ہے جو اس کے حسب حال ہو، شعراء نے دلوں کے احوال بیان کرنے کے لئے ہی اشعار کہے ہوتے ہیں، اس لئے ان کے کلام سے حالِ دل سمجھنے کے لئے کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی، ہاں جس پر زبردست حال غالب ہو جائے اور اس کے دل میں اس حال کے ماسوا کی گنجائش نہ رہ جائے، اس کے

ساتھ ہی اس میں بیدار مغزی اور روشن ذکاوت ہو جس کی بنا پر وہ الفاظ سے بعید معانی بھی سمجھ سکتا ہو، ایسے شخص کو ہر کلام کے سننے سے وجد حاصل ہو جاتا ہے۔

شعر کے بغیر بھی موزوں کلام نفسِ انسانی میں اثر کرتا ہے، اچھی آواز سے پڑھا جانے والا موزوں کلام (شعر) اس کلام کی طرح نہیں ہے جو وزن شعری سے خالی ہو اگرچہ اچھی آواز سے پڑھا جائے، موزوں شعر کی تاثیر نفوس میں ان راگوں کی بدولت مختلف ہوتی ہے جنہیں طرق اور استانات کہا جاتا ہے، ان راگوں کا اختلاف اس طرح ہوتا ہے کہ مقصور کو ممدود اور ممدود کو مقصور بنا دیا جاتا ہے (الف مقصورہ کی جگہ ممدودہ لے آتے ہیں یا برعکس) کلمات کے درمیان وقف کیا جاتا ہے، بعض کلمات کو دوسرے کلمات سے جدا کر دیا جاتا ہے یا ملا دیا جاتا ہے، یہ تصرف شعر میں تو جائز ہے، قرآن پاک میں جائز نہیں ہے، بعض اوقات قوال ایسا شعر پڑھتا ہے جو سننے والے کے حال کے موافق نہیں ہوتا، وہ اسے ناپسند کرتا ہے اور اسے روک دیتا ہے، قرآن پاک میں یہ انداز جائز نہیں ہے۔

پھر امام غزالی نے یوسف بن حسین رازی کا واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ جب دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں جل رہے ہوں تو قرآن پاک کی تلاوت سے ان میں وہ ہیجان پیدا نہیں ہوتا جو اشعار سے پیدا ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شعر ایک خاص وزن پر ہوتا ہے اور وہ انسانی طبیعت سے بھی مناسبت رکھتا ہے، امام غزالی کا مطالب کے بیان کرنے اور مقاصد کو منضبط طور پر بیان کرنے میں جو طریقہ ہے اس کے مطابق ان وجوہ کو اس شرح وبسط سے بیان کیا ہے کہ اس پر اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ واسطی کا امام غزالی کے جواب پر رد

عارف باللہ، الشیخ الامام احمد بن ابراہیم واسطی اپنے رسالہ فقر محمدی میں

فرماتے ہیں کہ فقر محمدی والوں کی علامت یہ ہے کہ وہ جب قرآن پاک سنتے ہیں تو خوشی کے ساتھ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اور متکلم جل شانہٗ اس کلام کے ذریعے ان کے دلوں پر اپنی صفاتِ مقدسہ کی تجلی فرماتا ہے، شیخ واسطی فرماتے ہیں تعجب ہے اس شخص پر جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے، اس کے دل کو محبوب کا کلام سننے سے وجد نہیں ہوتا، قصائد اور تالیوں کی آواز سن کر اس کا دل وجد میں آجاتا ہے، جبکہ اللہ عزّ وجلّ کے محبین کے لئے قرآن پاک کا سننا ان کے سینوں کی شفاء اور اسرار (لطائف) کی راحت ہے، متکلم جلّ شانہ اپنے کلام میں جلوہ گر ہوتا ہے اور اربابِ محبت اس کے کلام، امر، نہی، وعدے، وعید، قصص، خبروں، نصیحتوں اور اطلاعات میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں، تو ان کے دل خوفِ الٰہی کی آماجگاہ بن جاتے ہیں، شوق یا محبت کی بنا پر ان کی روحیں کشش محسوس کرتی ہیں، ان کے نفوس کی صفات ماند پڑ جاتی ہیں متکلم کی عظمت ان کے نفوس پر چھا جاتی ہے، اور اس کی رحمت، الطاف، جلال اور انعام کے مشاہدے کی بنا پر ان کے دلوں کو محبت کے ذریعے کھینچ لیتی ہے۔

شیخ واسطی فرماتے ہیں کہ تو اس شخص (امام غزالی) کی بات نہ سن جو کہتا ہے کہ قرآن پاک انسانی طبیعتوں کے مناسب نہیں ہے، اس کے سننے سے وجد حاصل نہیں ہوتا، اور شعر انسانی طبائع کے مناسب ہے اس لئے شعر سے دل میں رقت پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ کلام فاسد ہے اور اس کی کچھ حقیقت نہیں ہے، یہ اس لئے کہ شعر صرف اپنے اوزان کی بدولت طبیعتوں کو حرکت نہیں دیتا، خصوصاً جب اچھی آواز والا رشت، رہاوی وغیرہما (راگوں) سے گائے، اس کیساتھ تالی بجانا بھی شامل ہو، اور وہاں رقص کرنے والے بھی ہوں، ایسی صورت حال بچوں اور چارپایوں کو طبعی اور جبلی تقاضے کے تحت تھرکنے پر مجبور کر دیتی ہے، نہ کہ ایمان اور یقین کے تقاضے کی بنا پر، رہے اہل یقین، صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والے اور احسان و اخلاص میں ان کی

پیروی کرنے والے تو قرآن پاک ان کے دلوں میں چھپے ہوئے یقین کو حرکت دیتا ہے تو ان کے دلوں کی حرکت، ان کا خشوع اور وجد، ان کی جلدوں کا نرم ہونا اور بالوں کا کھڑے ہو جانا یقین اور معرفت کی بنا پر ہے، نہ کہ طبیعت اور جبلت کی بنا پر، اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے اور پہچان لیجئے!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (۳۹ / ۲۳)

"اللہ نے بہترین کلام اتارا ایسی کتاب کہ اول تا آخر ایک سی ہے، دوہرے بیان والی اس سے ان لوگوں کی جلدوں پر بال کھڑے ہوتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل نرم ہو جاتے ہیں اللہ کی یاد کی رغبت میں۔"

اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، ابیات (اشعار) کا سننا چھوڑ دو، آیات کا سننا لازم پکڑو، اگر تمہیں قرآن پاک میں دلچسپی نہ ہو تو اپنے آپ کو متکلم جل شانہ کی معرفت سے کم نصیب ہونے کی تہمت لگاؤ، کیونکہ جو انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت زیادہ رکھتا ہے وہ اس کا کلام سنتے وقت زیادہ خشوع کا حامل ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ اس ذات کا کلام سنتا ہے، جسے وہ پہچانتا ہے، اللہ تعالیٰ کی معرفت نہ رکھنے والے کا دل شعر میں وجد محسوس کرتا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتا، قرآن پاک سن کر وجد محسوس نہیں کرتا، اس لئے کہ وہ صاحب قرآن کی معرفت نہیں رکھتا، لہذا جب تم سماع کا اہتمام کرو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے، اچھی آواز والے قاری کو بلاؤ، اور اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی آوازوں کی مشابہت اختیار کرو۔

۵- اس بات کا راز معلوم نہیں ہے کہ ارباب سماع ایسے اشعار کیوں سنتے ہیں؟ جن میں

مجازی محبوباؤں مثلاً سلمٰی، لیلٰی اور سُعدٰی اور ان کی صفات، حرکات و سکنات کا تذکرہ ہوتا ہے، عالم مجاز میں جاری ہونے والے مجازی محبت کے طریقوں مثلاً ناز و ادا کا بیان ہوتا ہے جنہیں فارسی میں ناز و کرشمہ کہا جاتا ہے، مردوں اور عورتوں کے درمیان ہونے والے مکالموں کا ذکر ہوتا ہے، سننے والے ان امور سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ان کے سننے سے انہیں ایسے حالات حاصل ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر عقلیں حیران رہ جاتی ہیں، وہ لوگ ان امور کو اللہ تعالیٰ کی صفات پر محمول کرتے ہیں، حالانکہ اس میں واضح بے ادبی ہے، جیسے کہ مخفی نہیں۔

مروی ہے کہ ایک شخص نے شیخ ابو سعید خراز کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے دربار میں حاضر کیا اور فرمایا:

"تو میری صفت کو لیلٰی اور سُعدٰی پر محمول کرتا ہے؟ میں نے تجھے ایسے مقام میں دیکھا ہے جس میں تو صرف میرا ارادہ رکھتا تھا، اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تجھے عذاب دیتا اور تیرے ساتھ وہ معاملہ کرتا جو چاہتا"۔

ایک اور چیز جو انہیں ایسے سماع سے لاحق ہوتی ہے جسے وہ پہچانتے ہیں، بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ ان پر ایسا گریہ، بے قراری اور تغیر طاری ہوتا ہے جو باعثِ تعجب و حیرت ہوتا ہے، کیا یہ اُس خشیت، لرزہ اور خشوع کی طرح ہوتا ہے؟ جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات میں اشارہ کیا گیا ہے

اَلَّذِینَ هُم فِی صَلَاتِهِم خَاشِعُونَ (۲۳/۲) جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں،

کہیں فرمایا: وَیَخشَونَ رَبَّهُم بِالغَیبِ (۲۱/۱۳) اور اپنے نادیدہ رب سے ڈرتے ہیں

کہیں فرماتا ہے: تَقشَعِرُّ مِنهُ جُلُودُ الَّذِینَ یَخشَونَ رَبَّهُم (۲۳/۳۹)

ان لوگوں کی جلدوں کے بال کھڑے ہو جاتے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں

یا یہ کوئی دوسری چیز ہے؟ جو کسی دوسری جگہ سے پیدا ہوتی ہے۔

کافروں کی ایک قوم جنہیں بیشنو کہا جاتا ہے، ان کے ہاں سماع، رقص اور ایسے حالات ہیں جن کے ذریعے شیطان انہیں گمراہ کرتا ہے، یہ لوگ کرشن کے معتقد ہیں، اس کا یہ حال تھا کہ شہر میں دہی بیچنے کے لئے آنے والی عورتوں کے پیچھے پھرتا تھا، ان سے عشق لڑاتا تھا انہیں بہلاتا پھسلاتا تھا اور ان کے ساتھ کھیلتا تھا، یہ اور اس کے اس جیسے دیگر حالات ژند نامی کتاب میں بصورت اشعار بیان کیے گئے ہیں۔

ہمارے علاقے کے صوفیہ کا مخصوص ٹولہ کرشن کے ساتھ عشق کی حد تک محبت کرتا ہے، اس کے افعال واطوار سے ذوق وشوق اور عقیدت کے ساتھ لطف اندوز ہوتا ہے، یہاں تک کہ میں نے ان میں سے ایک شخص سے جس کے دل میں اس قسم کی کیفیت پائی جاتی تھی سنا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے سہولت عطا فرمادے تو میں متھرا (ہندوؤں کے مقدس مقام) کے علاوہ کہیں قیام نہ کروں، یہ ایسا ٹولہ ہے جس پر شیطان غالب آچکا ہے اور اس نے انہیں اللہ تعالیٰ کی یاد بھلا دی ہے۔

لیکن محققین صوفیہ دوسرے لوگ ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ سماع نہ تو بالذات تصوف میں سے ہے نہ بالعرض، یہ فلاسفہ کے معمول سے ماخوذ ہے، جیسے کہ اس بحث کی ابتدا میں گزرا، ہم دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب محمد مصطفےٰ ﷺ اور آپ کی تمام آل اور صحابہ کرام پر رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

دوسری قسم

فقہ، فقہاء، ائمہ اربعہ کے احوال اور دیگر متعلقہ امور

رسول اللہ ﷺ کی صحبت کی برکت سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے باطن کے نورِ ایمان سے منور ہونے، صفتِ یقین کے سبب عقیدے کی صفائی، کتاب و سنت کے انوار کی ضیاء پاشی، وحی و تنزیل کے مواقع کے مشاہدے، رسول اللہ ﷺ سے علوم کے حاصل کرنے اور پیش آنے والے واقعات اور حوادث میں رسول اللہ ﷺ کی رجوع کرنے کی بدولت قیاس اور اجتہاد سے بے نیاز تھے، رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد ان میں صرف چند مسائل میں اختلاف ہوا۔

ان میں سے ہر ایک نہر، حوض یا چھوٹی نہر کی مانند تھا، مروی ہے کہ وہ کَا لاِخَاذَات تھے (ہمزے کے نیچے زیر، اس کے بعد نقطے والی خاء مخفف، اس کے بعد الف، پھر نقطے والا ذال پھر الف اور آخر میں تاء، اِخَاذَۃ کی جمع، اس کا معنی ہے جوہڑ) صحابۂ کرام ہر وقت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جمع بھی نہیں ہوتے تھے، نبی اکرم ﷺ کا نوافل، مستحبات، اور فضائل اعمال میں عمل، فرائض و واجبات کی طرح ہمیشہ ایک طریقے پر نہیں تھا، تاکہ یہ عمل ان پر فرض نہ ہو جائے، یہ امت پر آپ کی کمالِ شفقت اور رحمت کی وسعت کی بنا پر تھا، آپ جس عمل پر مواظبت فرماتے تھے اکثر اس کے واجب ہونے کے بارے میں وحی نازل ہو جاتی تھی، ہر صحابی نے وہی کچھ روایت کیا جس کا اسے علم تھا، اسی لئے ان میں اختلاف واقع ہوا، یہ اختلاف اجتہاد کی بنا پر نہیں بلکہ روایت کی بنا پر تھا، ہر صحابی نے اپنے علم کا اظہار کیا اور احادیث بیان کرتے وقت یہ خیال نہیں کیا کہ وہ دوسرے صحابہ کے موافق ہیں یا مخالف۔

پھر جب صحابۂ کرام مختلف شہروں اور علاقوں میں پھیل گئے تو ان کے

ساتھ ایک ایک جماعت وابستہ ہوگئی، جنہوں نے ان کی صحبت اختیار کی اور ان سے علم حاصل کیا، ان کو تابعین کہا جاتا ہے، ان میں عربی بھی تھے اور عجمی بھی، زیادہ تعداد عجمیوں کی تھی، اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَآخَرِينَ مِنهُم لَمَّا يَلحَقُوا بِهِم (۶۲/ ۳)

(اور ان میں سے کچھ دوسرے جو ان کے ساتھ ابھی لاحق نہیں ہوئے)

سے یہی تابعین ہی مراد ہیں، ان میں اجتہاد اور قیاس عام ہوا۔

پھر ایک دوسری جماعت آئی، جس نے تابعین کا زمانہ پایا اور ان سے علم حاصل کیا، انہیں تبع تابعین کہا جاتا ہے، یہ تین دور امت مسلمہ کے بہترین دور ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین دور، ہمارا دور ہے جس میں ہم ہیں، پھر ان کے ساتھ متصل، پھر ان کے ساتھ متصل، یعنی صحابہ کرام اور تبع تابعین، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ان سب کو شامل ہے۔

وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ مِنَ المُهَاجِرِينَ وَالأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنهُم وَرَضُوا عَنهُ (۹/ ۱۰۰)۔

"اور اگلے پہلے مہاجرین اور انصار میں سے اور وہ جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیروکار ہوئے اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی"۔

دنیا میں صرف چار ائمہ کے پیروکار باقی رہے

تبع تابعین کے دور میں حوادث و واقعات اور مسائل بکثرت پیدا ہوئے، اجتہاد کی کثرت ہوئی، احادیث اور مسائل فقہیہ میں اختلاف عام ہوا، اس وقت مشہور چار اماموں کے علاوہ بہت سے مجتہدین تھے، لیکن مشرق و مغرب میں چار اماموں کے پیروکار ہی باقی رہے، مغرب کے تمام لوگ مالکی ہیں، ان میں کوئی بھی غیر مالکی نہیں ہے، روم، ماوراء النہر اور ہندوستان کے تمام باشندے حنفی ہیں، ان میں کوئی بھی غیر

حنفی نہیں ہے، دوسرے ممالک میں شافعیہ اور حنابلہ ملے جلے ہیں، البتہ شافعیہ کی اکثریت ہے۔

صحابہ اور تابعین کی بجائے ائمہ کی تقلید کیوں؟

شیخ عالم عامل، قیم فاروق، مغرب کے متاخرین مشائخ اور علماء میں سے سیدی احمد زروق (شارح بخاری) فرماتے ہیں:

"اقتداء صرف معصوم ہستی کی کی جائے گی، کیونکہ اس ہستی سے خطا منتفی ہے، یا اس شخصیت کی پیروی کی جائے گی جس کی فضیلت کی گواہی معصوم ہستی نے دی ہے، کیونکہ عادل جس کی صفائی دے وہ بھی عادل ہے، نبی اکرم ﷺ نے گواہی دی ہے کہ بہترین دور ہمارا دور ہے، پھر ان لوگوں کا جو ان کے ساتھ متصل ہیں، پھر ان لوگوں کا جو دوسرے دور سے متصل ہیں، لہذا ان تین ادوار کے حضرات کی فضیلت بالترتیب ثابت ہو گئی، اور ان کی اقتدا لازم ہوئی

لیکن صحابۂ کرام مختلف علاقوں میں بکھر گئے، اور ان میں سے ہر ایک کے پاس علم تھا، ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایک کے پاس ناسخ کا علم ہو اور دوسرے کے پاس منسوخ کا، ایک کے پاس مطلق حکم کا علم ہو دوسرے کے پاس مقید کا، ایک کے پاس عام حکم ہو اور دوسرے کے پاس خاص ہو، جیسے کہ فی الواقع ایسا ہوا، اس لئے ان کے بعد والوں کی طرف رجوع لازم ہوا، کیونکہ انہوں نے متفرق کو جمع کیا، اور اس وقت پائی جانے والی روایات کو منضبط کیا، لیکن اس دور کے اہل علم نے بھی فقہی مسائل کا احاطہ نہیں کیا، بعض مسائل ان سے بھی رہ گئے، اس لئے تیسرا انتقال (اصاغر تابعین اور تبع تابعین کی طرف) لازم ہوا، کیونکہ اس طبقہ کے علماء نے احادیث کے

جمع اور ضبط کا کام کیا اور فقہی بصیرت حاصل کی، اس طبقے میں حفظ، ضبط اور فقاہت کی تکمیل ہو گئی، اس لئے کسی شخص کے لئے ان کے استنباط کردہ احکام پر عمل کے سوا چارہ نہیں رہا اور ان کے بیان کردہ اور مصدقہ اصول کے قبول نہ کرنے کی گنجائش نہ رہی، ہر دور کی طرح اس تیسرے دور میں علم و فضل اور تقویٰ میں شہرہ آفاق ائمہ ہوئے ہیں، مثلاً ☆ فقہ میں امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام (ابو حنیفہ) نعمان بن ثابت، ☆ تصوف میں جنید بغدادی، معروف کرخی اور بشر حافی، ☆ تصوف اور عقائد میں حارث محاسبی، صفات کے ثابت کرنے میں انہوں نے سب سے پہلے گفتگو کی، جیسے کہ ابن اثیر نے بیان کیا۔

میں (شیخ محقق) کہتا ہوں کہ شیخ (زروق) نے اپنے کلام میں جانبِ تصوف کی رعایت کی ہے اور فقہ و تصوف کو جمع کیا ہے جیسے کہ انہوں نے اپنی کتاب "قواعدُ الطریقةِ فی الجمع بین الشریعة والحقیقة" میں بیان کیا، اور ہمارے اس رسالے (تحصیل التعرف) کی پہلی قسم میں اس کا تذکرہ ہوا۔

شیخ نصر اللہ شیرازی مہاجر مکی اللہ تعالیٰ کے صادق بندوں میں سے تھے، سید شیخ عبدالوہاب متقی ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ وہ ربانی شخصیت ہیں، ہم نے اپنی کتاب زاد المتقین میں ان کے احوال بیان کئے ہیں، میں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو معارف اور حقائق شیخ ابو یزید بسطامی اور جنید بغدادی کو حاصل تھے وہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کو بھی حاصل تھے، شریعت اور اس کے احکام کا علم اس کے علاوہ تھا، ان کا مقصد یہ تھا کہ فقہ کے ائمہ، فقہ اور تصوف دونوں سے متصف اور دونوں کے جامع تھے، انصاف یہ ہے کہ ائمہ تصوف بھی دونوں کے جامع تھے، فرق غالب اور مغلوب کا تھا (یعنی ائمہ فقہ پر فقہ کا اور ائمہ تصوف پر تصوف کا غلبہ تھا) واللہ تعالیٰ اعلم۔ امام اعظم نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے، کیونکہ

انہوں نے فقہ کی تعریف کی ہے کہ نفس کا ان اشیاء کو پہچاننا جو اس کے لئے مفید اور مضر ہے۔ خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے، اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

امام اعظم مقدم یا امام مالک؟

شیخ (زروق) نے اپنے مذہب اور عقیدے کی رعایت کرتے ہوئے ائمہ فقہ کا تذکرہ ترتیب مذکور کے مطابق کیا ہے، کیونکہ وہ مغرب کے رہنے والے اور مالکی تھے، (اس لئے انہوں نے سب سے پہلے امام مالک کا پھر امام شافعی اور امام احمد کا ذکر کیا ہے، کیونکہ) امام شافعی امام مالک کے شاگرد اور امام احمد امام شافعی کے شاگرد ہیں، ان کے بعد امام ابو حنیفہ کا ذکر کیا ہے جن کا نام نعمان ہے۔

عارف محقق الانسان الکامل کے مصنف، امام عارف باللہ، شیخ عبد الکریم جیلی قادری اپنی کتاب "قاب قوسین و ملتقی الناموسین فی معرفۃ قدر النبی و کیفیۃ التعلق بجنابہ ﷺ" میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس کے ساتھ تعلق کی دو قسمیں ہیں۔

☆ پہلی قسم آپ کی کامل اتباع پر استقامت یعنی جس قول فعل اور عقیدے کا کتاب و سنت نے حکم دیا اسے ہمیشہ اختیار کرنا، جیسے کہ چار ائمہ، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے کسی ایک کا طریقہ ہے۔ کیونکہ علماء محققین کا اس امر پر اجماع ہے کہ یہ چاروں امام اہل حق ہیں اور ان شاء اللہ العزیز قیامت کے دن یہی فرقۂ ناجیہ (نجات پانے والی جماعت) ہوں گے، شیخ (عبد الکریم جیلی) نے پہلے امام ابو حنیفہ کا ذکر کیا پھر امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا ذکر کیا، امام ابو حنیفہ عمر، فضیلت اور علم و عمل میں تمام ائمہ سے مقدم ہیں، آپ کی ولادت قول صحیح کے مطابق ۸۰ھ میں ہوئی، ایک قول یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۶۱ھ میں

ہوئی، یہ قول صحیح نہیں ہے، اگر صحیح ہوتا تو صحابۂ کرام سے آپ کی ملاقات کو بعید نہ جانا جاتا، آپ کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی، ایک قول یہ ہے کہ ۱۵۲ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۱۵۱ھ میں وفات ہوئی، پہلا قول زیادہ صحیح اور اکثر کا مختار ہے۔

امام مالک مشہور قول کے مطابق امام ابو حنیفہ کی وفات کے سال ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے، بعض علماء نے کہا کہ امام اعظم کی وفات کے دن پیدا ہوئے، لیکن یہ ثابت نہیں ہے، ۲۰۴ھ میں وفات ہوئی[1]، امام احمد بن حنبل ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں ان کی وفات ہوئی ---- پہلے یا پیچھے ذکر کرنے کا معاملہ آسان ہے، کیونکہ یہ سب حضرت ائمہ اور مقتدا ہیں، ان کی پیروی کی گئی ہے، فضیلت اس کے لئے ہے جسے اللہ تعالیٰ فضیلت عطا فرمائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

جمہور ائمہ قیاس کے قائل ہیں

اہل علم ائمہ کی ایک جماعت قیاس کی نفی کی قائل ہے، ان کا مذہب یہ ہے کہ وہ نصوص کی تاویل نہیں کرتے اور ان پر قیاس بھی نہیں کرتے، وہ آیات کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں، انہیں اصحاب ظواہر کہا جاتا ہے، تمام مجتہدین اصحاب رائے اور قیاس کے قائل ہیں، یہ نام امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب سے مختص نہیں ہے، جیسے کہ بعض شافعیہ کے کلام میں واقع ہے، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کے ہاں رائے اور اجتہاد کا غلبہ ہے، شیخ ابن ہمام نے مذہب حنفی کو بیان کرتے ہوئے اس قدر احادیث پیش کی ہیں کہ قریب ہے کہ یہ کہا جائے کہ امام شافعی اہل رائے میں سے اور امام

---

[1] یہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تاریخ ولادت اور وفات ہے، امام مالک کی پیدائش ۹۵ھ اور وفات ۱۷۹ھ میں ہے، (دیکھئے الاکمال فی اسماء الرجال لصاحب المشکوٰۃ ص ۶۲۸-۶۲۹) اس جگہ کچھ عبارت کاتب سے چھوٹ گئی ہے، الاکمال میں امام مالک کی وفات ۱۹۹ھ لکھنے کے باوجود ان کی عمر چوراسی سال لکھی ہے، عمر کے حساب سے وفات ۱۷۹ھ میں ہونی چاہیے۔ ۱۲ اشرف قادری

ابو حنیفہ اصحاب ظواہر میں سے ہیں۔

قیاس اور اجتہاد کے قائلین کے دلائل اصول فقہ میں بیان کئے گئے ہیں، ان کی قوی ترین دلیل نبی اکرم ﷺ کا وہ فرمان ہے جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یمن بھیجتے وقت ارشاد فرمایا، اُس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں حکم نہ ملے تو اپنی رائے پر عمل کرنا، اور حق یہ ہے کہ قیاس پر عمل کتاب و سنت سے ثابت ہے، بحالت مجبوری اجتہاد سے حکم کیا جاتا ہے، جیسے مجبوری کی حالت میں مردار کھایا جاتا ہے، اس کلام کی شرح اور تفصیل آئندہ عنقریب آرہی ہے۔

وصل (۱)

امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یاد رہے کہ یہ چار امام دین کے سنگ میل، اسلام کے ستون اور اہل سنت و جماعت کے علماء میں سے ہیں، ان کے فضائل و مناقب مشہور ہیں اور کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں، ہر مذہب کے علماء نے اپنے امام کا تذکرہ کیا ہے، ان کی تعریفوں میں مبالغہ کیا ہے، اور اپنی عقیدت کے مطابق ان کے مناقب بیان کئے ہیں۔

امام ابو حنیفہ کے بے شمار مناقب بیان کئے گئے ہیں، جن کے مقابل دیگر ائمہ کے مناقب ہیچ معلوم ہوتے ہیں، ان میں سے کچھ مناقب اپنے دور کے علماء شافعیہ کے مقتدا، شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی نے اپنی کتاب "قلائد العقیان فی مناقب النعمان"[1] میں بیان کئے ہیں، امام اعظم کے فضائل ان کے بیان کردہ مناقب میں منحصر نہیں ہیں، بلکہ اس سے کہیں زیادہ ہیں ہم کچھ مناقب اس کتاب اور مسند امام اعظم کے مرتب کے بیانات سے طبقاتِ حنفیہ کے حوالے سے بیان کریں گے ----- بے شک اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

جامع الاصول میں ہے کہ ابو حنیفہ ابن ثابت ابن زوطا ابن ماہ امامِ فقیہ، کوفی تیم اللہ ابن ثعلبہ کے مولیٰ تھے، ان کے دادا زوطا کابل کے رہنے والے تھے، بعض نے انہیں بابل اور بعض نے انبار کا باشندہ بیان کیا، وہ بنو تیم اللہ ابن ثعلبہ کے

---

[1] امام علامہ ابن حجر مکی کی کتاب کا نام ہے "الخیرات الحسان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان" رہی "قلائد العقیان فی محاسن الاعیان" تو یہ ابو نصر الفتح بن عیسیٰ بن خاقان (م ۵۳۵ھ) کی تصنیف ہے، اور چار قسموں پر مشتمل ہے، تیسری قسم میں قاضیوں اور علماء کا تذکرہ ہے، دیکھئے کشف الظنون ج ۲، ص ۱۳۵۴ ---- ممکن ہے کاتب نے غلطی سے قلائد کو ابن حجر کی تصنیف لکھ دیا ہو - ۱۲ اشرف قادری

غلام تھے پھر انہیں آزاد کر دیا گیا، امام ابو حنیفہ کے والد ثابت حالتِ اسلام میں پیدا ہوئے۔

امام ابو حنیفہ کے پوتے اسمٰعیل ابن حماد نے بیان کیا کہ ہم فارس کے رہنے والے اور آزاد ہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم، ہم پر کبھی غلامی طاری نہیں ہوئی، ان کا نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے نعمان بن ثابت ابن طاؤس ابن ہرمز ابن نوشیروان عادل، صاحب طبقات حنفیہ نے ان کا نسب عجم کے بادشاہوں بہرام، اسفندیار، دارا، منوچہر سے ملاتے ہوئے حضرت سیدنا یعقوب علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے یہودا تک پہنچایا ہے۔

بعض کتب میں ہے کہ آپ کے والد ثابت آپ کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گئے، اس وقت امام صاحب بچے تھے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے لئے اور ان کی اولاد کے لئے برکت کی دعا کی، لیکن یہ واقعہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سن چالیس ہجری میں ہوئی، امام ابو حنیفہ کی پیدائش سن اسّی ہجری میں ہوئی، تو انہیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے جانا کیسے ممکن ہے؟ صحیح یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے دادا آپ کے والد ثابت کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گئے تو انہوں نے ثابت کے لئے دعا فرمائی، ایک روایت میں ہے کہ امام ابو حنیفہ کے دادا نے نوروز [۱] کے دن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں فالودہ بطور تحفہ بھیجا تو انہوں نے امام اعظم کے دادا کے لئے دعا فرمائی اور فرمایا: ہمارا ہر دن نوروز ہے، بعض علماء کا کہنا ہے کہ مہرجان [۲] کے دن تحفہ بھجوایا

۱۔ نوروز موسم بہار کا پہلا دن جب سورج برج حمل میں داخل ہوتا ہے، ایرانی مہینے فروردین کا پہلا دن ۱۲ غیاث اللغات

۲۔ مہرجان فارسی میں ماہ مہر کا نام ہے، اس مہینے میں سورج برج میزان میں رہتا ہے ۱۲ غیاث اللغات

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "ہمارا ہر دن مہرجان ہے"[۱]

حلیۂ امام اعظم

صاحب جامع الاصول نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ درازی مائل ، میانہ قامت تھے، بعض علماء نے کہا کہ ان کا قد لمبا تھا، گندمی رنگت غالب ، خوبصورت، دلکش صورت اور گفتگو کے مالک تھے، سب سے زیادہ فصیح اللسان اور دولت مند تھے، ان کی مجلس بڑی دلچسپ ہوتی تھی، بڑے کریم اور اپنے احباب کی ہمدردی میں باکمال تھے، عالم، عابد، زاہد، متقی پرہیزگار تھے، علوم شرعیہ کے امام اور پسندیدہ شخصیت تھے صاحب جامع الاصول فرماتے ہیں کہ اگر ہم ان کے فضائل و مناقب تفصیلاً بیان کرنے لگیں تو گفتگو طویل ہو جائے گی اور ہم اس کا حق ادا نہیں کر سکیں گے۔

امام اعظم کی گزر اوقات

امام اعظم کی گزر بسر ان کی اپنی کمائی اور رزق حلال سے تھی، علماء اور مشائخ پر بھی خرچ کرتے تھے، تحائف اور عطیات قبول نہیں کرتے تھے، جب اپنے گھر والوں کے لئے کوئی چیز خریدتے تو بزرگ علماء کے لئے بھی خریدتے، جب کوئی کپڑا پہنتے تو ویسا ہی کپڑا بزرگوں کو بھی پیش کرتے، جب نیا پھل اور نئی کھجوریں آتیں تو جو کچھ اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے خریدتے وہی چیز بزرگ علماء کے لئے خریدتے، گفتگو اسی وقت کرتے جب کسی کے سوال کا جواب دینا ہوتا، بے مقصد امور میں غور و خوض نہیں کرتے تھے، بہت خوبرو جوان تھے اور عطر کا استعمال بکثرت کرتے تھے۔

۱۔ محمد بن یوسف صالحی، امام : عقود الجمان (حیدرآباد دکن) ص ۳۸

آپ کے زہد اور جود و کرم کا ایک واقعہ شفیق بن ابراہیم بلخی نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ ایک راستے پر چل رہا تھا، وہ کسی بیمار کی عیادت کے لئے جا رہے تھے، ایک شخص دور سے انہیں دیکھ کر شرما گیا اور اس نے راستہ تبدیل کر لیا۔ جب اسے احساس ہوا کہ امام ابو حنیفہ نے اسے دیکھ لیا ہے تو وہ شرمسار ہو کر ٹھہر گیا، امام ابو حنیفہ نے فرمایا: "تم نے راستہ کیوں تبدیل کیا"؟ اس نے کہا کہ "آپ کے دس ہزار درہم میرے ذمہ ہیں، مدت گزر گئی ہے کہ میں ادا نہیں کر سکا"، امام ابو حنیفہ نے فرمایا: "سبحان اللہ! معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے؟ میں نے وہ تمام دراہم تمہیں ہبہ کر دئے، میری ملاقات کی وجہ سے تمہارے دل میں جو شرمساری پیدا ہوئی ہے مجھے معاف کر دو"، شفیق کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہو گیا آپ حقیقی زاہد ہیں۔[۱]

عیب کی نشاندہی کے بغیر ملازم نے کپڑا فروخت کر دیا

بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے اپنا تمام مال صدقہ کر دیا جو آپ کا وکیل آپ کے پاس لایا تھا اور وہ تیس ہزار درہم تھا، ہوا یوں کہ وکیل نے عیب والا کپڑا دوسرے کپڑوں میں ملا دیا، امام صاحب نے اسے تاکید کی تھی کہ فروخت کرتے وقت عیب کی نشاندہی کر دینا، اسے یاد نہ رہا اور اس نے خریدار کو بتائے بغیر وہ کپڑا فروخت کر دیا (امام اعظم نے کل رقم صدقہ کر دی)۔[۲]

عبادات میں کمال

آپ کے سوانح نگاروں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ نے عشاء کے وضو

۱۔ محمد بن یوسف صالحی، امام: عقود الجمان (حیدرآباد دکن) ص ۲۳۶
۲۔ محمد بن یوسف صالحی، امام: عقود الجمان (حیدرآباد دکن) ص ۲۴۱-۲۴۰

سے چالیس سال تک فجر کی نماز ادا کی، اور تیس سال تک (ایام ممنوعہ کے علاوہ) روزہ دار رہے، اکثر راتوں میں ایک رکعت میں قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے، یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس جگہ آپ کی وفات ہوئی وہاں آپ نے سات ہزار مرتبہ قرآن پاک ختم کیا تھا، رمضان المبارک کے ہر دن اور ہر رات میں ایک ختم کیا کرتے تھے، عید کے دن دو مرتبہ ختم کرتے، ہر سال حج کیا کرتے تھے، اس طرح پچپن حج کیے۔

بیٹے کے استاد کی قدر افزائی

مروی ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے حماد کو ایک استاد کے پاس بھیجا، استاد نے انہیں پڑھایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، امام اعظم نے اسے پانچ سو درہم بھجوا دیے، استاد نے کہا کہ یہ تو بہت زیادہ ہیں (ابھی میں نے پڑھایا ہی کیا ہے؟) امام اعظم ناراض ہو گئے اور اپنے بیٹے کو روک لیا اور فرمایا: تمہارے نزدیک قرآن پاک کی کچھ قدر و منزلت نہیں ہے (میں ایسے شخص سے اپنے بیٹے کو نہیں پڑھا سکتا)

بیت اللہ شریف میں ختم قرآن اور معرفتِ الٰہی

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ جب آپ نے حج کیا تو بیت اللہ شریف کے دربانوں کو کچھ نذرانہ پیش کیا تاکہ آپ کو بیت اللہ شریف کے اندر نماز پڑھنے کی اجازت دے دیں، چنانچہ آپ نے ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر آدھا قرآن پاک پڑھا اور باقی آدھا دوسرے پاؤں پر کھڑے ہو کر پڑھا، اور دعا کی

"اے میرے رب! میں نے تجھے پہچانا جیسے کہ تیری معرفت کا حق ہے،
لیکن تیری عبادت کا جو حق ہے وہ میں ادا نہیں کر سکا"

یہ معرفت کا کمال تھا کہ آپ نے اپنی عبادت کو ناقص جانا، بیت اللہ شریف کے ایک کونے سے آواز آئی:

"تم نے خوب معرفت حاصل کی اور اخلاص کے ساتھ عبادت کی، ہم نے تمہیں اور قیامت تک تمہارے مذہب والوں کو بخش دیا"۔[۱]

صاحب مناقب نے کہا کہ اگر امام اعظم کا منقول قول صحیح ہو کہ میں نے تیری معرفت حاصل کی جیسے کہ تیری معرفت کا حق ہے، تو یہ دوسرے بزرگ کے اس قول کے منافی نہیں ہے کہ اے اللہ! تو پاک ہے، ہم تجھے نہیں پہچان سکے جس طرح کہ تیری معرفت کا حق ہے۔ کیونکہ امام اعظم کی مراد یہ ہے کہ میں نے تجھے اپنی استطاعت اور اپنے علم کی رسائی کے مطابق پہچانا، اور دوسرے بزرگ کی مراد یہ ہے کہ حقیقت معرفت جو اللہ تعالیٰ کے لائق ہے اس تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی، اور یہ حقیقت ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ سید المرسلین ﷺ نے فرمایا: میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتا جیسے کہ تو نے خود اپنی تعریف کی ہے (الخ) میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ امام اعظم کے قول کا مطلب یہ ہے اور ان کے کلام کی روش سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ میں نے تجھے پہچانا ہے جیسے کہ تیری معرفت کا حق ہے یعنی تو انتہاء عبادت کا مستحق ہے، لیکن میں تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکا جیسے کہ میں نے جانا ہے کہ تو انتہاء عبادت کا مستحق ہے۔

گریہ زاری پر پڑوسیوں کی شہادت

بعض تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ آپ کے رونے کی آواز سنی جاتی تھی، یہاں تک کہ آپ کے پڑوسی آپ پر ترس کھاتے تھے، سفیان بن عیینہ نے کہا کہ امام ابو حنیفہ کے زمانے میں مکہ معظمہ میں ایسا کوئی شخص نہیں آیا جو ان سے زیادہ (نفلی) نماز پڑھنے والا ہو، نماز میں بکثرت قیام کرنے کی بنا پر آپ کو وتد (زمین کی میخ) کہا جاتا تھا، کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا ایک پڑوسی تھا، اس کی بیٹی صرف رات کے وقت

---

[۱] محمد بن یوسف صالحی، امام: عقود الجمان (حیدر آباد دکن) ص ۱۲۰

نکلتی (چھت پر جاتی) تھی، وہ امام ابو حنیفہ کو چھت پر کھڑا ہوا دیکھتی تو یہی سمجھتی کہ یہ درخت ہے، جب امام صاحب کا انتقال ہوا تو اس نے اپنے والد سے پوچھا ابا جان! ابو حنیفہ کے گھر میں جو درخت تھا وہ کدھر گیا؟ وہ شخص رو پڑا اور کہنے لگا وہ درخت کاٹ دیا گیا ہے۔

کوہ وقار

حضرت عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ جس حجرے میں امام اعظم تھے ایک دن اس میں چھت سے سانپ گر پڑا، سب لوگ بھاگ گئے۔ میں نے دیکھ کہ انہوں نے صرف اتنا کیا کہ سانپ کو پرے ہٹا دیا اور خود اپنی جگہ قائم رہے۔

پیکر صبر و حلم

امام اعظم انتہائی درجے کے صابر اور حلیم تھے، لوگوں کی ایذاء رسانی پر صبر اور حلم کا مظاہرہ کرتے، یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے زیادہ حلم والا کوئی شخص نہیں دیکھا، جب آپ کو اطلاع ملتی کہ فلاں شخص نے آپ کی برائی بیان کی ہے تو آپ اسے بڑی نرمی سے پیغام بھیجتے کہ بھائی اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے، میں نے تجھے اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا، وہ جانتا ہے کہ تم نے غلط بات کی ہے۔

حضرت عبدالرزاق بن ہمام کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ حلم والا کوئی شخص نہیں دیکھا، ہم مسجد خیف (منیٰ) میں بیٹھے تھے کہ ایک نقاب پوش شخص امام ابو حنیفہ کے بارے میں دریافت کرتا ہوا آیا، اس نے کہا او بدکار اور فاحشہ عورت کے بیٹے! امام ابو حنیفہ نے فرمایا: "اے بندہ خدا! اللہ تعالیٰ تجھے عافیت عطا فرمائے، تو کیا چاہتا ہے؟ مجھ سے فلاں مسئلے کے بارے میں سوال کیا گیا تو میں نے فتویٰ دے دیا، اس شخص نے کہا: تم نے حسن بصری کے فتوے کے خلاف فتویٰ

دیا؟" امام نے فرمایا: حسن بصری نے خطا کی، اس شخص نے کہا او کافر! او زندیق! تو حسن بصری کے فتویٰ کو خطا قرار دیتا ہے؟ امام کے شاگرد اسے مارنے کے لئے اٹھے تو آپ نے انہیں منع کر دیا، امام نے فرمایا، ابن مسعود نے وہی کچھ فرمایا ہے (جو میں نے فتویٰ دیا) حسن بصری نے واقعی خطا کی ہے، اس شخص نے پھر زبان درازی کی، امام اعظم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تیری مغفرت فرمائے وہ میرے بارے میں جانتا ہے کہ تمہاری بات غلط ہے، پھر امام اعظم رو پڑے، وہ شخص اٹھ کر قریب آیا اور کہنے لگا اللہ تعالیٰ کے لئے مجھے معاف کر دیں، میں نے خطا کی ہے اور میں اپنی جہالت کا اعتراف کرتا ہوں، امام اعظم کے گریہ میں مزید شدت پیدا ہو گئی، یہاں تک کہ آپ کے کندھے ہلنے لگے، فرمایا: بندہ خدا! میں نے تجھے اپنے رب، اللہ کریم کے سپرد کیا، اس شخص نے کہا کہ میں اس سے آسان فیصلہ چاہتا ہوں، فرمایا: میں نے تجھے اور ہر اس شخص کو معاف کیا جو مجھے گالی دے۔[1]

...

امانت و دیانت

وکیع کہتے ہیں کہ امانت و دیانت میں امام ابو حنیفہ کا عظیم مقام تھا، وہ امانت کو ہر چیز پر ترجیح دیتے تھے، اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں ان پر تلواریں بھی لہرائی جاتیں تو انہیں برداشت کر لیتے، کہتے ہیں کہ ان کے زمانے میں ایک بکری چوری ہو گئی،

---

[1] امام علامہ محمد بن یوسف صالحی فرماتے ہیں: عبدالرزاق بن ہمام سے مروی ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ حلم والا کوئی شخص نہیں دیکھا، ہم ان کے ساتھ مسجد خیف (منیٰ) میں بیٹھے ہوئے تھے، اور لوگ ان کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے، بصرہ کے ایک شخص نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا، امام نے جواب دیا، اس شخص نے کہا کہ حسن بصری نے تو یہ فتویٰ دیا ہے، امام ابو حنیفہ نے فرمایا: حسن بصری نے خطا کی۔ ایک شخص جس نے چہرہ چھپایا ہوا تھا، اس نے امام کو کہا او زانیہ کے بیٹے! تو کہتا ہے کہ حسن بصری نے خطا کی، لوگوں میں شور برپا ہو گیا، انہوں نے اس شخص کو سزا دینے کا ارادہ کیا، امام نے لوگوں کو چپ کرا دیا اور کچھ دیر تک سر جھکائے رہے، پھر سر اٹھایا: ہاں حسن نے خطا کی ہے اور ابن مسعود نے جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے وہ درست ہے۔ ۱۲ عقود الجمان (ص ۲۸۸-۲۸۷)

امام اعظم نے پوچھا کہ بکری کی عمر عام طور پر کتنی ہوتی ہے ؟ بتایا گیا چار سال، امام اعظم نے چار سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا (مبادا میں اسی چوری کی بکری کا گوشت کھا جاؤں) ربیع الابرار (کتاب) میں ہے کہ گاؤں کی ایک بکری کوفے کی بکریوں میں مخلوط ہو گئی، امام اعظم نے سات سال تک بکری کا گوشت چھوڑے رکھا۔[1]

ہارون الرشید کے دربار میں خراج عقیدت

ابراہیم بن سعید جوہری سے مروی ہے کہ میں ایک دن امیر المؤمنین ہارون الرشید کے پاس تھا کہ ان کے پاس امام ابو یوسف تشریف لائے، امیر المؤمنین نے کہا ابو یوسف! مجھے امام ابو حنیفہ کے اخلاق کے بارے میں بتائیں، امام ابو یوسف نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (۱۸/۵۰)

"کوئی بات زبان سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ایک محافظ تیار ہوتا ہے"۔

اور یہ ہر بات کرنے والے کی زبان کے پاس ہوتا ہے، امام ابو حنیفہ کے بارے میں میرا علم ہے کہ ☆ وہ اللہ تعالیٰ کے حرام کئے ہوئے کاموں سے شدت کے ساتھ منع کرنے والے تھے، ☆ اللہ تعالیٰ کے دین کی جو بات ان کے علم میں نہ ہوتی اس کے کہنے سے سخت پرہیز کرتے تھے، ☆ وہ اس بات کو محبوب رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے اور نافرمانی نہ کی جائے ☆ وہ دنیا کے معاملے میں دنیاداروں سے الگ تھلگ رہتے تھے ☆ دنیا کی کسی چیز میں دلچسپی نہیں لیتے تھے چاہے وہ قیمتی ہو یا معمولی، ☆ ان کی خاموشی طویل ہوتی تھی، ہر وقت غور و فکر میں مصروف رہتے، ☆ ان کا علم

---

[1] محمد بن یوسف صالحی، امام: عقود الجمان (حیدر آباد دکن) ص ۲۴۴

وسیع تھا، فالتو اور لغو گفتگو بالکل نہیں کرتے تھے ☆ان سے کوئی علمی مسئلہ پوچھا جاتا تو اگر انہیں اس مسئلے کا علم ہوتا تو اس پر گفتگو فرماتے اور جو کچھ سنا ہوتا بیان کر دیتے ورنہ خاموش رہتے ☆وہ اپنی جان اور اپنے دین کی حفاظت کرتے تھے ☆علم اور مال کثرت سے خرچ کرتے، ☆اپنی ذات اور اپنی دولت کی بنا پر سب لوگوں سے بے نیاز رہتے ☆لالچ کی طرف میلان نہیں رکھتے تھے، ☆غیبت سے یکسر دور تھے، اور کسی کا ذکر سوائے بھلائی کے نہیں کرتے تھے۔

ہارون الرشید نے کہا کہ یہ صالحین (اولیاء کرام) کے اخلاق ہیں[1] پھر منشی کو کہا کہ یہ صفات تحریر کر کے میرے بیٹے کو پہنچادو تاکہ وہ ان کا مطالعہ کرے، پھر اپنے بیٹے کو کہا ان اوصاف کو یاد کر لو، میں تم سے سنوں گا۔

امام ابو حنیفہ کی دس صفات

معافی بن عمران موصلی سے منقول ہے کہ امام ابو حنیفہؒ میں دس صفات تھیں، جس شخص میں ان میں سے ایک صفت بھی ہوگی وہ اپنے قبیلے کا سردار اور اپنی قوم کا سرکردہ فرد ہوگا، وہ دس صفات یہ ہیں

(۱) پرہیزگاری (۲) سچائی (۳) فقاہت

(۴) لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آنا (۵) سچی مروت

(۶) جو کچھ سنا اس کی طرف متوجہ ہونا (۷) طویل خاموشی

(۸) پریشان حال کی امداد کرنا، چاہے وہ دوست ہو یا دشمن

(۹) صحیح بات کہنا (۱۰) سخاوت[2]

۱۔ محمد بن یوسف صالحی، امام: عقود الجمان (حیدرآباد دکن) ص ۹۵-۲۹۴

۲۔ محمد بن یوسف صالحی، امام: عقود الجمان (حیدرآباد دکن) ص ۲۹۵

ائمہ کا خراج تحسین

ان ہی کا بیان ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ میں ابو حنیفہ کے پاس سے آیا ہوں تو سفیان ثوری نے کہا کہ تو روئے زمین کے سب سے بڑے عبادت گزار کے پاس سے آیا ہے، امام احمد فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ پرہیز گاری، زہد اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے میں اس مقام پر فائز تھے جسے کوئی حاصل نہیں کر سکتا، سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میری آنکھوں نے ان جیسا کوئی انسان نہیں دیکھا۔

وصل (۲)

امام اعظم بحیثیت عالم، فقیہ اور محدث

امام اعظم کے مناقب زہد و عبادت، ورع و تقویٰ اور حسن اخلاق و صفات میں کثیر بھی ہیں اور قابل قدر بھی، لیکن ہم اس جگہ ان کے علم، فقاہت اور حدیث دانی کے بارے میں کچھ باتیں نقل کرتے ہیں اور اس جگہ وہی مقصود ہیں۔

ائمہ مجتہدین کا اعتراف

ہم کہتے ہیں کہ ان کے ہم عصر اور بعد کے ائمہ، ان کے ثناخوان اور ان کی رفعت شان اور بلندی مقام کے معترف ہیں ☆ امام شافعی نے جب امام مالک سے امام ابو حنیفہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: میں نے ایسے شخص کو دیکھا کہ اگر وہ تمہارے سامنے دعویٰ کریں کہ یہ ستون سونے کا ہے تو اسے دلیل سے ثابت کر دیں گے[۱]۔۔۔۔۔ اس سے ان کا مقصد امام ابو حنیفہ کی ذکاوت کا کمال اور میدان علم میں ان کے ذہن کی جولانی بیان کرنا تھا ☆ یحییٰ ابن معاذ رازی سے منقول ہے کہ انہیں خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ!

۱۔ محمد بن یوسف صالحی، امام: عقود الجمان (حیدر آباد دکن) ص ۱۸۶-۱۸۷

میں آپ کو کہاں طلب کروں؟ فرمایا: ابو حنیفہ کے علم کے پاس ☆ حضرت عبداللہ ابن المبارک نے فرمایا: کوئی شخص امام ابو حنیفہ سے زیادہ اس لائق نہیں ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے، کیونکہ وہ متقی، پرہیزگار، صاحبِ ورع عالم اور فقیہہ ہیں، انہوں نے علم کو اس طرح منکشف کیا کہ کسی نے نہیں کیا۔

☆ امام احمد بن حنبل نے ان کے بارے میں کہا کہ وہ علم، تقویٰ، دنیا سے بے رغبتی اور دار آخرت کی دلچسپی میں اس مقام پر جائز تھے کہ اسے کوئی دوسرا حاصل نہیں کر سکتا، خلیفہ منصور کی طرف سے انہیں قاضی (جج) کا عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا گیا، یہاں تک کہ انہیں کوڑے مارے گئے، لیکن انہوں نے یہ عہدہ قبول نہیں کیا ☆ مکی ابن ابراہیم (امام بخاری کے استاذ) فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم تھے ☆ معمر کہتے ہیں کہ میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو لغت میں اچھی طرح گفتگو کر سکتا ہو، قیاس بھی کر سکتا ہو، حدیث کی شرح بھی کر سکتا ہو اور ان امور میں امام ابو حنیفہ سے زیادہ علم رکھتا ہو ☆ سلیمان کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نادر روزگار شخصیت تھے ☆ خلف بن ایوب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ رسول اللہ ﷺ کو علم عطا فرمایا، آپ سے صحابہ کرام کو ملا، ان سے تابعین کی طرف منتقل ہوا، پھر امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کو ملا، جو شخص چاہے راضی ہو اور جو چاہے ناراض ہو

☆ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ اور سفیان کے ذریعے امداد نہ فرماتا تو میں عوام الناس میں سے ہوتا، یہ بھی فرمایا کہ اگر میں نے امام ابو حنیفہ کی زیارت نہ کی ہوتی تو میں بھی ستے (کرسی) بیچنے والوں میں سے ہوتا، اور اگر ابو حنیفہ نہ ہوتے تو میں مبتدعین میں سے ہوتا، جب حضرت عبداللہ بن مبارک سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس

طرح فرمایااور امام ابو حنیفہ نے اس طرح فرمایا، حاضرین میں سے کوئی شخص کہتا کہ آپ ابو حنیفہ کو ابن مسعود کے ساتھ ملا رہے ہیں تو فرماتے اگر تو امام ابو حنیفہ کو دیکھتا تو عظیم شخصیت کو دیکھتا ☆سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ ہم امام ابو حنیفہ کے سامنے اس طرح تھے جیسے باز کے سامنے چڑیاں ہوں ،ابو حنیفہ علماء کے سردار ہیں ☆جعفر بن ربیع کہتے ہیں کہ میں پانچ سال امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر رہا میں نے ان سے زیادہ طویل خاموشی والا کوئی شخص نہیں دیکھا، جب ان سے کسی مسئلے کے بارے میں سوال کیا جاتا تو یوں معلوم ہوتا جیسے علم کا دریا بہہ رہا ہو، یہ بھی فرمایا کہ سب لوگوں سے زیادہ فقیہ امام ابو حنیفہ ہیں میں نے فقاہت میں ان جیسا کوئی عالم نہیں دیکھا☆سفیان ثوری کہتے ہیں کہ وہ تمام زمین کے باشندوں سے زیادہ فقیہ ہیں ☆ابن معین فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ حدیث میں ثقہ تھے☆ عبداللہ بن داؤد کہتے ہیں کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنی نمازوں میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں امام ابو حنیفہ کے لئے دعا کریں ☆ ابن معین (مشہور محدث) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن قطان کو فرماتے ہوئے سنا کہ : ہم جھوٹ نہیں بولتے، اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم نے امام ابو حنیفہ کی رائے سے بہتر رائے نہیں سنی، ہم نے ان کے اکثر اقوال کو اختیار کیا ہے ☆امام شافعی فرماتے ہیں لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے بال بچے ہیں ☆یزید بن ہارون فرماتے ہیں میری بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوئی ہے لیکن میں نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ عقل والا، فضیلت والا اور متقی کوئی شخص نہیں دیکھا۔

چار ہزار اساتذہ، دس ہزار تلامذہ

تذکرہ نگار کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے چار ہزار ائمہ تابعین کی شاگردی

اختیار کی، امام المحدثین ابو حفص کبیر عمر فرماتے ہیں کہ حنفیہ اور شافعیہ کے درمیان مناظرہ ہو گیا، ہر ایک اپنے امام کو افضل قرار دے رہا تھا، ابو عبداللہ بن حفص الکبیر نے کہا کہ امام شافعی کے اساتذہ شمار کرو کہ کتنے ہیں؟ ان کا شمار کیا گیا تو ان کی تعداد اسی تھی، تب کہا گیا کہ امام ابو حنیفہ کے اساتذہ کی گنتی کرو، تو ان کی تعداد چار ہزار تھی (الخ) غالباً امام اعظم کے بڑے بڑے اساتذہ کا شمار کیا گیا تھا (ورنہ ان کی تعداد اس سے بھی زیادہ تھی) واللہ تعالیٰ اعلم

امام اعظم کے شاگردوں کی تعداد شمار سے باہر ہے، بعض حضرات نے ان کی تعداد دس ہزار بتائی ہے، ان میں سے مشہور پانچ سو ساٹھ ائمۃ المسلمین ہیں، ان کے شاگردوں میں سے چھتیس حضرات درجۂ اجتہاد پر فائز ہوئے، پھر تو عالم اسلام آپ کے اصحاب، شاگردوں اور آپ کی کتابوں سے بھر گیا، بعض حضرات نے کہا کہ آپ کے شاگرد چار ہزار مسلمان تھے۔

وصل (۳)

خصوصی مناقب

امام اعظم کے جلیل القدر تلامذہ

امام اعظم کے وہ مناقب جن میں کوئی دوسرا امام شریک نہیں ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ کثیر تعداد میں جتنے جلیل القدر شاگرد ان کے تھے کسی کے نہیں تھے۔ چند نامور شاگرد یہ ہیں:

(۱) امام المسلمین، قاضی قضاۃ المؤمنین (چیف جسٹس) فقیہ اور دانشور امام ابو یوسف جن کے علم حدیث اور روایت کا اعتراف کیا گیا ہے۔

(۲) فقیہ مجتہد، فقہ اور عربی زبان کے ماہر، عالم ربانی امام محمد بن حسن شیبانی ــــــ

امام ابوبکر رازی شرح جامع کبیر میں کہتے ہیں کہ میں نحو کے بعض نامور علماء کو (کہا گیا ہے کہ وہ ابو علی فارسی تھے) جامع کبیر کے کچھ مسائل پڑھ کر سنا رہا تھا تو وہ اس کتاب کے مصنف یعنی امام محمد بن حسن شیبانی کی نحو میں دسترس پر تعجب کرتے تھے، انہوں نے یہ مسائل ابو حنیفہ کے بیان کردہ نقل کیے تھے، امام محمد ہی وہ ہستی ہیں جنہوں نے دوسرے شاگردوں کی طرح امام ابو حنیفہ کا علم پھیلایا، امام محمد نامور ذکی و فصیح اور امام مجتہد تھے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو یہ کہہ دوں کہ قرآن پاک امام محمد بن حسن کی لغت میں نازل ہوا، کیونکہ وہ بہت ہی فصیح تھے، یہ بھی فرمایا کہ اگر اہل کتاب امام محمد بن حسن کی کتابوں کو دیکھ لیں تو ایمان لے آئیں۔ یہ بھی فرمایا کہ میں نے امام محمد بن حسن کی کتابوں سے فقہ حاصل کی اور استفادہ کیا، امام شافعی نے یہ بھی فرمایا: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے فقہ میں امام محمد بن حسن کے ذریعے میری امداد فرمائی، جامع الاصول میں امام محمد بن حسن کے حالات بیان کرتے ہوئے امام محمد بن ادریس شافعی کا یہ قول بیان کیا اسی طرح امام نووی نے فرمایا:

۳۔ امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں زبردست ذکاوت اور روشن علم والے امام زفر بن ھذیل تمیمی عنبری ہیں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ

۴۔ فاضل کامل فقیہ، حسن بن زیاد لؤلؤی رحمہ اللہ تعالیٰ

۵۔ امام ابن امام، حماد بن امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ

۶۔ فقیہ کامل، بزرگ، متقی اور زاہد عبداللہ بن مبارک رازی جن کے ارشادات سے علماء کی کتابیں بھری ہوئی ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ

۷۔ زاہد ترین امام، اس امت کے راہب داؤد بن نصیر طائی رحمہ اللہ تعالیٰ

۸۔ عالم ربانی، زاہدوں کے امام فضیل بن عیاض، خراسان میں پیدا ہوئے، پھر کوفہ

آئے اور امام ابو حنیفہ سے علم حاصل کیا اور امام اعمش سے حدیث سنی۔

۹۔ قاسم بن معن بن عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

اور ان کے علاوہ فقہ و حدیث کے دیگر ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کا ذکر باعثِ طوالت ہے

چالیس شاگرد مرتبۂ اجتہاد پر

امام اعظم نے اپنی زبان اور قلم سے فتویٰ نہیں دیا، یہاں تک کہ اساتذہ نے انہیں حکم دیا، چنانچہ مسجد کوفہ میں بیٹھے تو ان کے ساتھ ایک ہزار شاگردوں کا اجتماع تھا، ان میں چالیس وہ جلیل القدر اور صاحب فضیلت شاگرد تھے جو مرتبۂ اجتہاد پر فائز ہوئے، امام اعظم نے انہیں فرمایا کہ

"تم میرے اکابر شاگرد اور میرے دل کا سرور ہو، میں نے اس فقہ پر دسترس حاصل کی ہے اور اسے تمہارے لئے آسان کر دیا ہے، لوگوں نے مجھے آگ کے اوپر پل بنا دیا ہے، پس راحت میرے غیر کے لئے اور مشقت میری پشت پر ہے"۔

جب کوئی واقعہ پیش آتا تو امام اعظم اپنے شاگردوں سے مشورہ کرتے، ان سے دریافت کرتے، ان سے گفتگو اور تبادلہ خیال کرتے، ان کے علم میں جو احادیث اور آثار ہوتے وہ سنتے، اور جو کچھ انہیں علم ہوتا وہ انہیں سناتے، بعض اوقات ایک مہینہ یا اس سے زیادہ غور و خوض جاری رہتا، یہاں تک کہ ایک قول طے پا جاتا، تو امام ابو یوسف اسے لکھ لیتے، اس شورائی طریقے پر انہوں نے اصول طے کئے، دوسرے ائمہ کی طرح انہوں نے انفرادی طور پر فیصلے نہیں کئے۔

عیون المسائل سے منقول ہے کہ جب امام ابو حنیفہ کو کوئی مشکل مسئلہ پیش آجاتا تو چالیس مرتبہ قرآن پاک ختم کرتے مشکل حل ہو جاتی۔

تدوین شریعت

امام اعظم کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے علم شریعت کی تدوین کی اور اسے بصورت کتب (کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ اور کتاب الصوم وغیرہ) مرتب کیا، اس وقت دیگر ائمہ نے یوں کتب مرتب نہیں کی تھیں، دیگر ائمہ اپنے حافظے کی قوت پر اعتماد کرتے تھے، امام ابو حنیفہ نے دیکھا کہ علم منتشر ہے اور انہیں خوف محسوس ہوا کہ لوگ اسے ضائع کر دیں گے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح علم قبض نہیں فرمائے گا کہ (دلوں سے) علم سلب کر لے، بلکہ اس طرح قبض فرمائے گا کہ علماء فوت ہو جائیں گے اور جاہل سر کردہ لوگ رہ جائیں گے (ایک روایت میں رئوساً اور ایک روایت میں رُءَساءَ ہے) تو وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے، پس خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے [۱]، اس لئے امام ابو حنیفہ نے دینی مسائل کو ابواب میں تقسیم کیا اور ان ابواب کو ایک خاص انداز میں ترتیب دی، پہلے طہارت، پھر نماز اور زکوٰۃ، پھر روزہ، پھر باقی عبادات اور معاملات پھر کتاب کو میراث پر ختم کیا [۲]۔ جیسے فقہ حنفی کی کتابوں میں مروج ہے پھر دوسرے علماء نے ان کی پیروی کی، کہیں اضافہ کیا، کہیں کمی کی اور الفاظ و عبارات کو سنوارا۔

امام اعظم کے بیان کردہ پانچ لاکھ مسائل

بیان کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے بیان کردہ مسائل کی تعداد پانچ لاکھ تک پہنچتی ہے ان کے شاگردوں کی تصانیف سے اس بات کی تائید ہوتی ہے، سب سے پہلے آپ نے کتاب الفرائض کی بنیاد رکھی، احکام کا استنباط کیا، اجتہاد کے قواعد اور فقہ کے اصول وضع کیے، یہ سب ان سے منقول اور مروی ہے پھر ان کے شاگردوں نے ان اصول کی تحریر اور شرح کا کام اس حد تک پہنچایا کہ اس پر اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔

۱۔ محمد بن عبد اللہ الخطیب ا مشکوٰۃ شریف عربی (کراچی) ص ۳۳

۲۔ محمد بن محمود خوارزمی، امام: جامع المسانید، ص ۳۴

امام طحاوی کیوں حنفی ہے؟

منقول ہے کہ امام طحاوی کے چچا امام مزنی امام شافعی کے اکابر شاگردوں میں سے تھے اور مذہب شافعی کے متبحر فقیہہ اور عالم تھے، اس کے باوجود احناف کی فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے، ایک دن امام طحاوی نے ان سے پوچھا "سیدی! آج آپ شافعیہ کے امام و مقتدا اور حجت ہیں، میں بکثرت دیکھتا ہوں کہ آپ احناف کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے"؟ انہوں نے فرمایا: "ان کتابوں میں مجھے ایسی تحقیقات اور تدقیقات ملتی ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ملتیں" امام طحاوی نے کہا "جب یہ بات ہے تو آپ امام ابو حنیفہ کا مذہب کیوں نہیں اختیار کر لیتے"؟ امام مزنی سخت ناراض ہوئے، انہیں اپنے پاس سے نکال دیا، برا بھلا کہا اور انہیں بد عا دی، ان کی دعا تو پوری نہ ہوئی، البتہ امام طحاوی نے امام ابو حنیفہ کا مذہب اختیار کر لیا اور امام مجتہد بنے۔

بعض علماء نے بیان کیا کہ امام ابو حنیفہ کا ذکر توراۃ میں ہے، حضرت کعب بن احبار سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو توراۃ حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمائی اس میں ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں ایک نور ہو گا جس کی کنیت ابو حنیفہ ہو گی، امام اعظم کے لقب سراج الامۃ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فقہ حنفی کے موافق فیصلے کریں گے

شیخ عالم، عارف باللہ خواجہ محمد پارسا نے اپنی تصنیف فصول ستہ میں بیان کیا کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب وہ ہے جس کے مطابق روح اللہ و کلمۃ اللہ حضرت سیدنا عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان سے اترنے کے بعد چالیس سال تک فیصلے فرمائیں

گے، ان کے بیان کردہ حلال کو حلال اور ان کے اور ان کے بیان کردہ حرام کو حرام قرار دیں گے[1]

امام اعظم کی فضیلت میں احادیث مبارکہ

امام اعظم کی فضیلت کے بارے میں کچھ حدیثیں روایت کی جاتی ہیں، جنہیں محدثین نے موضوع قرار دیا ہے، ان میں سے مشہور ترین یہ روایت ہے:

☆اَبُو حَنِيفَةَ سِرَاجُ أُمَّتِي ابو حنیفہ میری امت کا سراج ہیں۔

☆ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ أَبُو حَنِيفَةَ، هُوَ سِرَاجُ أُمَّتِي إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

"عنقریب میری امت میں ایک شخص ہوگا جسے ابو حنیفہ کہا جائیگا، وہ میری امت کا سراج ہے، قیامت کے دن تک"

علامہ جلال الدین سیوطی نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ نے امام ابو حنیفہ کے بارے میں جو بشارت دی ہے وہ حضرت ابو ہریرہ وغیرہ صحابہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَوْ كَانَ الْإِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهُ رَجُلٌ أَوْ رِجَالٌ مِنْ أَبْنَاءِ فَارِسَ، رَوَاهُ الشَّيْخَانِ[2]

---

[1] امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ و رضی عنہ فرماتے ہیں کہ آج صبح حضرت الیاس اور حضرت خضر علیٰ نبینا و علیہما الصلوات والتسلیمات کی ارواح مبارکہ سے ملاقات اور گفتگو ہوئی، اس وقت جن امور کا علم ہوا، ان میں سے ایک یہ تھا کہ کمالات ولایت فقہ شافعی سے تعلق رکھتے ہیں اور کمالات نبوت فقہ حنفی سے بالفرض اگر اس امت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتے تو وہ فقہ حنفی کے موافق عمل کرتے، اس وقت حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ کی فصول ستہ میں نقل کی ہوئی بات کی حقیقت معلوم ہوئی کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین پر اترنے کے بعد امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر عمل کریں گے (مکتوبات شریف فارسی دفتر اول حصہ پنجم مکتوب ۲۸۲ ص ۳۰)۔۔۔۔۔۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا امام ابو حنیفہ کی پیروی اور تقلید کریں گے بلکہ ان کا اجتہاد امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہاد کے موافق ہوگا۔ ۱۲ شرف قادری

[2] محمد بن عبد اللہ الخطیب: مشکوٰۃ شریف عربی ص ۶-۵

"اگر ایمان ثریا کے پاس ہو تو اسے فارس والوں میں سے ایک مرد (اور ایک روایت میں ہے) کچھ مرد حاصل کر لیں گے"۔ (بخاری و مسلم)

(علامہ سیوطی نے فرمایا) امام ابو حنیفہ کے بارے میں بشارت کے سلسلے میں یہ صحیح اور قابل اعتماد اصل ہے، اور اس میں ان کی مکمل فضیلت ہے، اس حدیث کے ہوتے ہوئے جس کی صحت پر اتفاق ہے، اس موضوع حدیث کی حاجت نہیں رہتی جو امام ابو حنیفہ کے بارے میں روایت کی گئی ہے جس کی سند میں کذاب اور وضاع راوی موجود ہیں۔

یہ اس حدیث کی نظیر ہے جو امام مالک پر محمول کی گئی ہے اور وہ یہ ہے۔

يُوْشِكُ اَنْ يَضْرِبَ النَّاسُ اَكْبَادَ الْاِبِلِ يَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ فَلَا يَجِدُوْنَ اَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِيْنَةِ

"قریب ہے کہ لوگ طلب علم کے سلسلے میں اونٹوں کے جگر پیاسے رکھیں گے (دور دراز کا سفر طے کریں گے) تو انہیں مدینہ منورہ کے عالم سے بڑا عالم نہیں ملے گا"

اور اس حدیث کی مثل ہے جو امام شافعی پر محمول کی گئی ہے

لَا تَسُبُّوْا قُرَيْشاً فَاِنَّ عَالِمَهَا يَمْلَأُ الْاَرْضَ عِلْماً

"قریش کو گالی نہ دو، کیونکہ ان کا عالم زمین کو علم سے بھر دے گا"۔

یہ حدیث حسن ہے، اس کی کثیر سندیں ہیں، بعض محدثین نے اسے موضوع قرار دیا ہے اور دیگر محدثین نے ایسا کہنے والے پر سخت رد کیا ہے۔

تفصیل کلام یہ ہے کہ سراج الامہ والی حدیث کو صاحب تنزیہ الشریعہ نے کتاب جوزقانی سے بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کر کے موضوع احادیث میں شمار کیا ہے، اور فرمایا کہ اس کے ایک راوی احمد جوئباری ہیں

جن سے مامون سُلمی نے روایت کی ہے اور یہ دونوں کذّاب اور وضاع ہیں، یا ان دونوں میں سے کسی ایک نے یہ روایت وضع کی ہے واللہ تعالیٰ اعلم

رہی یہ حدیث یُوْشِكُ اَنْ یَضْرِبَ النَّاسُ اَكْبَادَ الْاِبِلِ (ترجمہ چند سطر پہلے گزر گیا ہے) تو اسے امام ترمذی نے اپنی جامع میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے، سفیان بن عُیینہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد امام مالک بن انس ہیں، اسی طرح امام عبدالرزاق نے بیان کیا، اسحاق بن موسیٰ نے فرمایا: میں نے ابن عُیینہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس سے مراد عُمری زاہد ہیں اور ان کا نام عبدالعزیز بن عبداللہ ہے، اسی طرح مشکوٰۃ شریف میں ہے [۱]، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن عُیینہ کے اقوال اس سلسلے میں مختلف ہیں، بعض محدثین نے فرمایا: مدینہ منورہ کا وہ عالم جس سے بڑا عالم نہیں ملے گا اس سے مراد وہ عالم ہے جو آخری زمانے میں ہوگا، جب علم اور دین صرف مدینہ منورہ میں ہوگا، کیونکہ امام مالک کے زمانے میں ان جیسے بہت سے علماء تھے۔

ابھی جو حدیث بیان ہوئی ہے کہ اگر دین ثریا سے معلّق ہو تو فارس کا ایک مرد یا چند مرد اسے حاصل کرلیں گے، محدثین کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ اس مرد سے مراد حضرت سلمان فارسی ہیں، البتہ اسے امام ابو حنیفہ پر محمول کیا جاسکتا ہے، فارس سے مراد معروف شہر نہیں ہے، بلکہ جنس عجم مراد ہے، جنہیں اہل فارس کہا جاتا ہے، اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے دادا انہیں میں سے تھے۔

مشکوٰۃ شریف میں باب جامع المناقب میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل کے سلسلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جب سورۂ جمعہ نازل ہوئی، جب یہ آیت نازل

---

[۱] محمد بن عبداللہ، امام: مشکوٰۃ شریف عربی طبع کراچی (کتاب العلم) ص ۳۶-۳۵

ہوئی وَّ آخَرِینَ مِنھُم لَمَّا یَلحَقُوا بِھِم " اور ان میں سے کچھ دوسرے جو ابھی ان کے ساتھ نہیں ملے۔" صحابۂ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں؟ ہم میں حضرت سلمان فارسی بھی موجود تھے، نبی اکرم ﷺ نے دست اقدس حضرت سلمان فارسی پر رکھا، پھر فرمایا: " اگر ایمان ثریا کے پاس ہو توان میں سے کچھ مرد اسے حاصل کرلیں گے" (بخاری و مسلم)[1] ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا: " یہ اور اس کی قوم، اگر دین ثریا کے پاس ہو تو اسے فارس کا ایک مرد حاصل کرلے گا"۔

وصل (۴)

یہ محض غلط ہے کہ مذہب شافعی حدیث کے موافق ہے اور حنفی مخالف۔

عوام الناس اور متعصب شافعیوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ امام شافعی کا مذہب احادیث کے موافق اور ان پر مبنی ہے اور ان کے مذہب میں اقتداء اور اتباع کو بہت زیادہ اختیار کیا گیا ہے، اور امام ابو حنیفہ کا مذہب رائے اور اجتہاد پر مبنی اور حدیث کے مخالف ہے، یہ بات محض غلط، صریح جہالت، جھوٹا وہم اور ظنِ فاسد ہے، یہ بات کیسے تسلیم کی جاسکتی ہے؟ جب کہ امام ابو حنیفہ اجتہاد، قرآن پاک اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے یاد کرنے، قرآن و حدیث کے لغوی اور شرعی معانی کے جاننے، سلف صالحین صحابۂ کرام اور تابعین کے اقوال کی معرفت میں شہرۂ آفاق ہیں، اور ان امور کے جانے بغیر اجتہاد ہو ہی نہیں سکتا، جب اس امام کا اجتہاد ملتِ اسلامیہ کے نزدیک مسلّم اور مقبول ہے، بلکہ وہ دیگر مجتہدین سے مقدم بھی ہیں اور آگے بھی ہیں، تو اس ظنِ فاسد کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟

---

[1] ولی الدین، امام: مشکوٰۃ المصابیح (طبع کراچی) ص ۵۷۶

اس وہم کے اسباب

اس وہم میں واقع ہونے کے اسباب میں سے ایک بات یہ ہے کہ بعض محدثین مثلاً صاحبِ مصابیح اور صاحبِ مشکوٰۃ مذہب شافعی سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے اپنے مذہب کے دلائل تلاش اور جستجو سے جمع کر کے اپنی کتابوں میں درج کر دیئے، اور جن احادیث سے احناف استدلال کرتے ہیں ان کے راویوں پر طعن اور جرح کی، ان کا انداز تعصب سے یکسر پاک نہیں ہے، اور اکثر شافعیہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے امام اعظم کے بارے میں کچھ نہ کچھ تعصب ضرور رکھتے ہیں اور اس مقام پر آکر ان کے قدم راہِ انصاف پر قائم نہیں رہتے۔

کتاب ہدایہ جو اس مذہب کی کتابوں میں مشہور و معروف ہے اس نے بھی کسی حد تک لوگوں کو اس وہم میں مبتلا کیا ہے، کیونکہ صاحبِ ہدایہ (علامہ برہان الدین مرغینانی) نے اکثر مقامات پر عقلی دلائل اور قیاسوں پر بنیاد رکھی ہے اور ایسی حدیثیں بطور دلیل لائے ہیں جن میں کئی اقسام کا ضعف پایا جاتا ہے، غالباً اس استاذ کی علم حدیث کے ساتھ مشغولیت کم تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

لیکن اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزاء خیر عطا فرمائے۔ عظیم اور جلیل القدر شیخ، کمال الدین ابن ہمام کو انہوں نے مذہب حنفی کی تحقیق کی اور اسے قابلِ استدلال حدیثوں سے ثابت کیا، نیز متن کی حدیثوں کو بھی ثابت کیا، دیارِ عرب کی کتابوں مثلاً شرح مواہب الرحمٰن وغیرہ میں قرآن پاک کی آیات اور صحیح حدیثوں سے استدلال کا التزام کیا ہے، بعض علماء نے بخاری اور مسلم کی حدیثوں سے استدلال کا التزام کیا ہے۔

جب یہ مسکین (شیخ محقق) مکہ معظمہ میں تھا اور مشکوٰۃ شریف پڑھا کرتا تھا

تو مجھے خیال پیدا ہوا کہ مذہب شافعی اختیار کر لوں کیونکہ میں نے دیکھا کہ جو احادیث ان کے مذہب کے موافق ہیں صحیح ہیں اور مذہب حنفی کے موافق حدیثوں پر طعن کیا گیا ہے، میں نے اپنا یہ خیال سیدی شیخ عبدالوہاب متقی کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے فرمایا: "یہ بات آپ کے خیال میں کیسے پیدا ہو گئی؟ غالباً مشکوٰۃ شریف پڑھنے سے آپ کو یہ بات سوجھی ہے"؟ انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد پر وہ احادیث تلاش کیں جو ان کے مذہب کے موافق تھیں اور وہی حدیثیں اپنی کتابوں میں لکھ دیں، حالانکہ ان کی بیان کردہ حدیثوں سے اعلیٰ درجے کی حدیثیں موجود ہیں جو ان کے معارض ہیں یا ان سے راجح یا ان کی ناسخ ہیں، اور یہ ایک حقیقت ہے، جیسے کہ ہمارے مذہب کی لکھی ہوئی کتابوں سے ظاہر ہے۔

پھر شیخ نے امام ابو حنیفہ کے فضائل و مناقب بیان کیے اور فرمایا:

"اس امام کو زمانے کے اعتبار سے بھی سبقت حاصل ہے، ان کے اساتذہ متقدمین تابعین تھے اور ان کے شاگردوں میں پیکر ورع و تقویٰ اور اصحاب تحقیق و بیان کی تعداد دوسرے مذاہب کے اماموں کی نسبت زیادہ ہے، یہ تلامذہ طویل مدت تک اجتہاد اور بحث مباحثہ کرتے تھے اور مذہب حنفی کو ثابت کرتے تھے"

اس کے علاوہ مزید کچھ باتیں بھی بیان فرمائیں، جن کا ذکر گزشتہ وصل میں کیا جا چکا ہے۔ پھر شیخ نے فرمایا: ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ حق امام اعظم کے ساتھ ہے، میں نے پوچھا کہ سیدی آپ یہ بات بحث اور بیان کی بنا پر کہتے ہیں یا کشف اور مشاہدہ کی بنا پر؟ تو شیخ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد فرمانے لگے "ہم اسی طرح محسوس کرتے ہیں"۔ واللہ تعالیٰ اعلم

شیخ نے مجھے کچھ کتابیں اور رسائل بھی دیے جن میں اس امام کے فضائل

بیان کئے گئے تھے اور مفید مقصد تھے تب میرا وہ خیال جاتا رہا اور حالت تبدیل ہو گئی۔

ہندوستان جاؤ، وہیں یہ مسئلہ حل ہو جائے گا

شیخ عبدالوہاب متقی جب مجھے وطن (ہندوستان) کے لئے رخصت کرنے لگے تو میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے کچھ عرصہ اپنی خدمت میں رہنے دیں تاکہ میں دونوں مذہبوں (حنفی اور شافعی) کی تحقیق کر لوں، تاکہ اس سلسلے میں واضح نتیجہ سامنے آجائے، انہوں نے فرمایا: "ان شاء اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ وہیں حل ہو جائے گا"، چنانچہ حضرت شیخ کی برکت سے مشکوٰۃ شریف کی شرح میں اور ایک دوسری کتاب " فتحُ المنّان فی تائید مذھب النعمان" میں یہ مسئلہ حل ہو گیا، دوسری کتاب میں نے شروع کی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو حضرت شیخ کی دعاؤں کی برکت سے پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی۔

احناف ایک نص کو دوسری پر ترجیح دینے کے لئے قیاس کرتے ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ مذہب حنفی عقلی اور نقلی دلائل کا جامع ہے، ہمارے علماء نے جو بعض احادیث کو بعض پر ترجیح دینے کے لئے عقلی دلائل اور قیاسات بیان کئے ہیں ان کی بنیاد یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ موافق قیاس حدیث کو مخالف قیاس حدیث پر ترجیح ہے، جیسے کہ اصول فقہ میں بیان کیا گیا ہے، اس سلسلے میں ہم ان شاء اللہ العزیز بحث کے آخر میں تفصیلی گفتگو کریں گے۔ یہ نص کے مقابل قیاس نہیں ہے جیسے کہ مخالفین کہتے ہیں (بلکہ دوسری نص کو ترجیح دینے کے لئے ہے ۱۲ قادری)

امام اعظم سے پانچ سو علماء نے حدیث کا سماع کیا

کہتے ہیں کہ امام اعظم کے پاس کئی صندوق تھے جن میں انہوں نے اپنی سنی ہوئی حدیثیں محفوظ کی ہوئی تھیں، یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے جن مشائخ

سے حدیثیں سنی تھیں ان میں تین سو ائمہ تابعین تھے، اور امام اعظم سے پانچ سو علماء نے حدیث سنی، ہاں آپ کی توجہ روایتِ حدیث کی بجائے فقہ، اجتہاد اور احکام و مسائل کے استنباط کی طرف زیادہ ہو گئی، آپ پر اور آپ کے شاگردوں پر فقہ کا غلبہ ہو گیا، اور ان سے روایتِ حدیث کا سلسلہ کم ہو گیا، آپ نے عوام و خواص مسلمانوں پر شفقت فرماتے ہوئے طے کیا کہ فقہ کی مصروفیت زیادہ اہم اور ضروری ہے، کیونکہ ہر شخص سن کر اور یاد کر کے تبلیغ اور روایت کر سکتا ہے، جب کہ استنباط احکام، احادیث میں گفتگو کرنا، ان میں تطبیق دینا اور ناسخ و منسوخ کو پہچاننا ہر شخص کے لئے آسان نہیں ہے اور نہ ہی ہر شخص اس کا اہل ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ روایت کے ترک کرنے کا سبب یہ تھا کہ اکثر حدیثیں (لفظ بلفظ نہیں بلکہ) بالمعنی روایت کی گئی ہیں، اس لئے امام اعظم نے از راہِ احتیاط اور نبی اکرم ﷺ کی طرف ان کی نسبت میں حرج محسوس کرتے ہوئے ان کی روایت نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ روایت بالمعنی کے جائز ہونے میں اختلاف ہے، اس کلام پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب ان کے نزدیک روایت بالمعنی جائز نہیں تھی تو انہوں نے ان حدیثوں سے استدلال کیسے کیا؟ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ روایت اور استدلال میں فرق ہے (روایت مناسب نہیں جب کہ استدلال صحیح ہے) خوب اچھی طرح غور و فکر کیجئے! بعض علماء نے کہا کہ امام اعظم اسی حدیث کی روایت کے قائل تھے جو زبانی یاد ہو، اس قول کی وجہ بھی ظاہر نہیں ہے، کیونکہ روایت کے لیے حدیث کا محفوظ ہونا شرط ہے خواہ سینے میں ہو یا کتاب میں، جیسے کہ اصول حدیث میں ثابت ہو چکا ہے، صرف یاد ہونے کی شرط لگانے کا کوئی معنی نہیں ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ امام اعمش نے امام ابو حنیفہ سے کچھ مسائل دریافت کیے، آپ نے حدیث کے حوالے سے جوابات دیئے تو امام اعمش نے فرمایا: "اے

گروہِ فقہاء تم طبیب ہو، وَنَحنُ الصَّیَادِلَۃُ یاء کے ساتھ یعنی ہم عطار (دوافروش) ہیں"[1] بعض حضرات نے اَلصَّنَادِلَۃُ نون کے ساتھ روایت کیا ہے یعنی ہم صندل بیچنے والے ہیں، عطار بھی صندل بیچا کرتے ہیں۔

حسن بن صالح کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ ناسخ اور منسوخ حدیث کی جہت کوشش سے تلاش کرتے تھے، جب ناسخ ان کے نزدیک ثابت ہو جاتی تو اس پر عمل کرتے تھے، اور آپ تمام اہل کوفہ سے زیادہ فقیہہ تھے، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میں نے جس مسئلے میں بھی امام اعظم کی مخالفت کی میں نے دیکھا کہ امام نے جو مؤقف اختیار کیا ہے وہ آخرت میں زیادہ نجات دینے والا ہے۔ بسا اوقات میں حدیث کی طرف متوجہ ہوتا تو وہ حدیث کے بارے میں مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے تھے، میں نے حدیث کی شرح کرنے میں امام ابو حنیفہ سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔۔۔۔

امام اعظم کے نزدیک اہمیت حدیث

امام اعظم حدیث شریف کو کتنی زیادہ اہمیت دیتے تھے؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے حدیث مشہور کے ذریعے کتاب اللہ کے حکم کو منسوخ قرار دینا جائز رکھا، نیز انہوں نے حدیث مرسل، حدیث ضعیف اور صحابی کے قول پر عمل کیا اور ان سب کو قیاس پر مقدم قرار دیا، حسن بن صالح سے روایت ہے کہ جب امام اعظم کے نزدیک حدیث صحیح ثابت ہو جاتی تو اس سے تجاوز کر کے دوسری حدیث اختیار نہیں کرتے تھے، ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ سے روایت کرنے والے اور آپ کی توثیق کرنے والے جرح کرنے والوں سے زیادہ ہیں۔ جن محدثین نے آپ کے بارے میں کلام کیا ہے انہوں نے زیادہ تر یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ رائے اور قیاس میں مستغرق تھے (الخ) یہ حقیقت معلوم ہے کہ قیاس میں

---

[1] علی بن سلطان محمد القاری: ذیل الجواہر المضیۃ (طبع دکن) ج ۲ ص ۴۸۵

دلچسپی کی زیادتی کوئی عیب نہیں ہے، اس کی وجہ مخلوقِ خدا پر شفقت اور انہیں آسانی فراہم کرنا تھی۔

امام اعظم زیادہ قوی حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں

ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ جب امام شافعی نے بعض احادیث سے استدلال کیا اور امام ابو حنیفہ نے ان سے استدلال نہیں کیا تھا تو لوگوں نے گمان کیا کہ ان کا مذہب احادیث کے خلاف ہے، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ امام شافعی نے جن احادیث سے استدلال کیا ان سے زیادہ صحیح اور قوی حدیثیں امام اعظم کے پیش نظر تھیں جن کی بنا پر انہوں نے اول الذکر حدیثوں کو ترک کر دیا۔

چند مثالیں

مثلاً حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ اس پانی سے وضو مکروہ ہے جس میں کوئی چیز تر کی جائے اور اس میں کوئی پاک چیز مخلوط ہو جائے، امام ابو حنیفہ نے اس حدیث کو اس حدیث کی بنا پر ترک کیا ہے جسے امام بخاری و مسلم نے بالاتفاق روایت کیا ہے اور وہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، ہم آپ کی صاحبزادی حضرت زینب یا ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دے رہی تھیں، فرمایا: ”انہیں پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو اور آخری مرتبہ کافور شامل کرو“، اس حدیث صحیح کی بنا پر امام ابو حنیفہ نے فرمایا: ”جس پانی کے کسی وصف کو کوئی پاک چیز تبدیل کر دے مثلاً اشنان (کھار) مٹی، صابون یا زعفران تو اس سے وضو کرنا جائز ہے“، امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اسی طرح امام اعظم نے یہ حدیث ترک کی ہے:

اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ قُلَّتَیْنِ لَمْ یَحْمِلْ خُبْثًا

"جب پانی دو مٹکوں کو پہنچ جائے تو وہ نجاست کو نہیں اٹھاتا"۔

یہ حدیث صحیحین (بخاری و مسلم) میں نہیں ہے، اس کی سند میں بھی اضطراب ہے، امام اعظم نے امام بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث سے استدلال کیا ہے:

لَا يَبُولَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهُ وَلَفْظُ مُسْلِمٍ ثُمَّ يَغْتَسِلُ [1]

تم میں سے ایک شخص کھڑے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے، پھر اس سے وضو کرے، امام مسلم کی روایت میں پھر غسل کرے، پھر یہ واقعہ بھی ثابت ہے کہ ایک حبشی چاہِ زمزم میں گر گیا تو اس کا پانی نکالا گیا، یہ واقعہ صحابۂ کرام کے سامنے پیش آیا (اور کسی نے اختلاف نہیں کیا، اگر زیادہ پانی پلید نہ ہوتا تو چاہ زمزم کا پانی نہ نکالا جاتا ۱۲ قادری)

اسی طرح وہ عام حدیثیں جن میں آیا ہے کہ حیوان کے مرنے سے پانی پلید ہو جاتا ہے، امام ابو حنیفہ نے ان احادیث کو ان حیوانوں کی موت کے سلسلے میں ترک کر دیا جن میں خون نہیں ہوتا، مثلاً مچھر، مکھی، بھڑ اور بچھو، ان کے پیش نظر وہ حدیث صحیح ہے جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو اسے پوری ڈبو دے، پھر نکال کر پھینک دے، کیونکہ اس کے ایک پَر میں شفا اور دوسرے میں بیماری ہے، مکھی شفا والے پَر سے پہلے بیماری والا پَر ڈبوتی ہے" [2]

مردے کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث کے عموم کو امام اعظم نے ترک کیا اور فرمایا کہ مردہ جانور کی کھال کی خاص طریقے سے دباغت (رنگنا) جائز ہے انہوں نے امام بخاری و مسلم کی روایت کردہ حدیث صحیح سے استدلال کیا، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مردہ بکری کے پاس

۱۔ بخاری شریف میں ہے: لا یبولنّ احدکم فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل فیہ۔ بخاری شریف ج ۱ ص ۳۷

۲۔ محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام: بخاری شریف ج ۲ ص ۸۶۰

سے گزرے تو فرمایا: تم نے اس سے نفع کیوں نہیں حاصل کیا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! یہ مردہ بکری ہے، فرمایا: صرف اس کا کھانا حرام ہے[1]، اسی لئے اس کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے، ائمہ کی ایک جماعت کا اس میں اختلاف ہے۔

کچھ احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ منی (مادۂ حیات) کا دھونا واجب نہیں ہے، اسے رگڑ ڈالنا اور کھرچ دینا کافی ہے، کچھ لوگوں نے گمان کیا کہ امام ابو حنیفہ نے ان احادیث کو ترک کر دیا ہے، کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ منی ناپاک ہے، حالانکہ امام اعظم نے احادیث کو ترک نہیں کیا بلکہ ان پر عمل کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ منی خشک ہو تو اسے کھرچ دینا کافی ہے، تر ہو تو اسے دھونا واجب ہے، ان کے سامنے وہ حدیث صحیح ہے جسے امام بخاری اور مسلم نے بالاتفاق روایت کیا، حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ مجھے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی دھویا کرتی تھیں[2]، اسی لئے امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ منی ناپاک ہے، امام شافعی اس مسئلے میں مخالف ہیں (ان کے نزدیک منی پاک ہے، ۱۲ قادری)

اسی سلسلے کی وہ احادیث ہیں جن میں وارد ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تین تین مرتبہ وضو کیا، مخالفین نے گمان کیا کہ امام ابو حنیفہ نے ان احادیث پر عمل نہیں کیا، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ سر کا مسح ایک دفعہ کیا جائیگا، ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام ترمذی نے روایت کی ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے وضو کا طریقہ بیان کیا اور اس میں بیان کیا کہ آپ نے سر کا ایک دفعہ مسح کیا، امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، اخص شافعیہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سر کا تین بار مسح کرنے

۱۔ محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام: بخاری شریف ج ۲ ص ۸۳۰

۲۔ اس حدیث کے راوی سلیمان بن یسار ہیں، دیکھئے بخاری شریف عربی ج ۱ ص ۳۶

کے بارے میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے، بعض راویوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں تین دفعہ مسح کرنے کا اضافہ کر دیا ہے، اس بات کی اپنی جگہ پر تحقیق کی گئی ہے۔

کچھ احادیث اولِ وقت میں نماز کے ادا کرنے کے بارے میں وارد ہیں، مخالفین نے گمان کیا کہ امام ابو حنیفہ نے ان پر عمل نہیں کیا، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ نماز فجر روشن کر کے پڑھنا افضل ہے، اور ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا افضل ہے، اس پر وہ دو حدیثیں پیش کرتے ہیں جو نماز فجر اور ظہر کے بارے میں وارد ہیں [1]، اس کی بے شمار مثالیں ہیں، اگر ہم ان کا احاطہ کریں تو کلام طویل ہو جائے گا، ایسی احادیث مسند امام اعظم میں مذکور ہیں، اس معاملے کے انتظام اور تکمیل کی ذمہ داری شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح نے لی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

ایک اہم نکتہ

یہ بھی قابلِ توجہ حقیقت ہے کہ احناف نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے اور شافعیہ نے ان پر طعن کیا ہے تو یہ طعن ان بعض راویوں پر ہے جو امام ابو حنیفہ کے زمانے کے بعد آئے، بعد میں آنے والے راوی کی بنا پر حدیث کے ضعیف ہونے کا جو حکم لگایا جائے ضروری نہیں کہ ضعف کا حکم پہلے زمانے میں بھی لگایا جائے جب وہ راوی اس حدیث میں موجود ہی نہیں تھا، ہو سکتا ہے کہ حدیث پہلے زمانے میں صحت اور قبولیت کی شرائط کے جمع ہونے کی بنا پر صحیح ہو، مثلاً وہ حدیث جس سے امام ابو حنیفہ نے استدلال کیا ہو وہ کم واسطوں کی بنا پر صحیح ہو، جس قول کے مطابق امام

---

[1] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: أَصبحوا بالصبح فَإِنَّهُ أعظمُ لِأُجُورِكُم أَو أعظم لِلأجر۔ (ابو داؤد عربی ج ۱ ص ۶۱) یہ فجر کے بارے میں ہے، ظہر کے بارے میں فرمایا: أَبرِدُوا بالظُّهرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الحَرِّ مِن فَيحِ جَهَنَّمَ (بخاری شریف ج ۱ ص ۷۷) ظہر کو ٹھنڈا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش مارنے سے ہے۔۔۔ ۱۲ اشرف قادری

ابو حنیفہ کا صحابی سے سماع ثابت ہے اس کے مطابق ایک واسطہ درمیان میں ہوگا اور اگر انہوں نے تابعین سے حدیث سنی ہے تو دو واسطے درمیان میں ہوں گے، پھر بعد والے زمانے میں واسطے اور راوی زیادہ ہو گئے اور ان میں ضعف اور کمزوری پائی گئی تو بعد والے راوی پر جرح سے لازم نہیں آتا کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے کا حکم لگا دیا جائے، کیونکہ پہلے زمانے میں اس حدیث کی روایت پر کوئی اعتراض نہ تھا، یہ واضح نکتہ ہے جو راقم (شیخ محقق) کے ذہن میں واقع ہوا، میری نظر سے نہیں گزرا کہ کسی نے اس کا تذکرہ کیا ہو، ظاہر یہ ہے کہ علماء احناف نے اس کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ یہ بہت ہی واضح ہے۔

یہ اسی طرح ہے جیسے بعض محققین نے ذکر کیا کہ کسی حدیث کے متواتر، مشہور یا خبر واحد ہونے کا حکم دور اول میں اعتبار کیا جائے گا، ورنہ بہت سی حدیثیں جو اس زمانے میں خبر واحد تھیں بعد میں راویوں اور طلباء حدیث کی زیادتی وجہ سے سندیں زیادہ ہو گئیں تو وہ حدیثیں مشہور ہو گئیں، اسی لئے محدثین نے خبر متواتر میں یہ شرط لگائی ہے کہ اس حدیث کا اول، وسط اور آخر ایک جیسا ہو (ہر درجے میں راوی اتنے زیادہ ہوں کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا عادۃً محال ہو ۱۲ قادری)

اکثر حنفی مسائل امام احمد کے موافق ہیں

امام ابو حنیفہ کا مذہب حدیث شریف کے موافق اور اس پر مبنی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ امام اعظم کا مذہب اکثر مسائل میں امام احمد بن حنبل کے مذہب کے موافق ہے، عموماً مسائل میں ان کے درمیان اختلاف نہیں ہے، اور اگر امام احمد بن حنبل کا ظاہر مذہب مخالف بھی ہو تو کم از کم ان کے ہاں موافق روایت بھی مل جائے گی، جیسے کہ کتاب الخرقی کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے، یہ امام احمد کے

مذہب میں جامع اور جلیل کتاب ہے، امام زرکشی نے اس کی شرح لکھی ہے اس میں بھی امام اعظم کے مذہب کے موافق روایات مل جاتی ہیں، اس شرح میں احادیث سے مسائل کو ثابت کیا گیا ہے اور اپنے مذہب کے ائمہ اور مشائخ کی روایات نقل کی گئی ہیں۔

امام احمد کی امام اعظم سے موافقت اور امام شافعی کی مخالفت

بعض علماء نے بیان کیا کہ امام احمد نے ایک سو پچیس مسائل میں امام ابو حنیفہ کی موافقت کی اور امام شافعی کی مخالفت کی، امام شافعی جب بغداد میں تھے تو انہوں نے امام ابو حنیفہ کے تقریباً تمام مذہب کی مخالفت کی، پھر جب مصر گئے تو اکثر مسائل میں رجوع کر لیا، اسی لئے امام شافعی کے (اکثر مسائل میں) دو قول پائے جاتے ہیں ایک قدیم اور ایک جدید، ہم نے جو امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے مذہبوں میں موافقت کا دعویٰ کیا ہے اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ کنز الدقائق میں امام احمد کے اختلاف کا اشارہ نہیں ہے، کنز الدقائق ہمارے مذہب (حنفی) کی مشہور ترین کتاب ہے، اس کے مصنف نے اختلاف کرنے والے ائمہ کے لئے رموز (اشارات) وضع کی ہیں مثلاً

☆ فاء امام شافعی کے لئے،

☆ کاف امام مالک کے لئے،

☆ سین امام ابو یوسف کے لئے

☆ میم امام محمد کے لئے وغیرہ ذلک،

لیکن امام احمد کے لئے کوئی رمز وضع نہیں کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اختلاف قلیل اور نادر ہے

تقلید صحابہ واجب ہے یا نہیں؟

شافعیہ کا یہ کہنا کہ امام شافعی کے مذہب میں اتباع اور اقتداء کا طریقہ زیادہ ہے تو اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک صحابی کی تقلید واجب ہے، اور وہ حدیث کی اکثر قسموں کو قیاس پر مقدم قرار دیتے ہیں، جب کہ امام شافعی اس طرح نہیں کرتے، پہلا مسئلہ یوں سمجھئے کہ اصول فقہ میں ثابت ہے کہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ صحابی کی تقلید واجب ہے اگرچہ انہوں نے قیاس اور اجتہاد ہی سے مسئلہ بیان کیا ہو، امام شافعی فرماتے ہیں کہ وہ بھی مرد ہیں اور ہم بھی مرد ہیں یعنی وہ اور ہم اجتہاد میں برابر ہیں اور ایک مجتہد دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کر سکتا، امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں، حالانکہ میں مروی اور منقول کے مطابق ہی فتویٰ دیتا ہوں۔

امام محدث حضرت عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کی جو حدیثیں آئیں وہ سر آنکھوں پر اور جو آثار صحابۂ کرام سے آئیں وہ بھی سر آنکھوں پر، ہم ان میں سے کسی صحابی کے قول کو اختیار کر لیتے ہیں، لیکن ایسا نہیں کہ تمام صحابہ کے اقوال کو چھوڑ دیں، اور جب تابعین کے اقوال ہوں تو وہ اور ہم برابر ہیں (کیونکہ امام اعظم بھی تابعی ہیں ۱۲ قادری) ہم حق کی تحقیق اور تلاش میں ان کی مزاحمت کرتے ہیں۔

امام اعظم کب قیاس سے کام لیتے؟

حضرت شیخ فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے سامنے حدیث شریف آتی تو اس کی پیروی کرتے، جب صحابۂ کرام اور متقدمین تابعین کا کوئی

ارشاد آتا تو ان کی پیروی اقتدا کرتے، بصورت دیگر اجتہاد اور رائے سے کام لیتے، جب ان کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو اپنے شاگردوں سے اس پر طویل مدت تک بحث کرتے پھر جواب دیتے تھے، آپ کے شاگرد حدیث، فقہ اور زہد و تقویٰ کے عظیم ائمہ دین تھے۔ حافظ محمد بن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے تمام شاگرد اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہو اجتہاد اور قیاس سے مقدم اور اولیٰ ہے (الخ)۔

یہ حقیقت نماز میں قہقہہ لگانے سے متعلق حدیث (کہ قہقہہ سے نماز اور وضو دونوں ٹوٹ جاتے ہیں) سے ظاہر ہے، کیونکہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس کے باوجود امام ابو حنیفہ نے اس حدیث پر عمل کیا ہے، اور نماز سے باہر قہقہہ لگانے پر نماز کے قہقہہ کا قیاس ترک کر دیا (قیاس تو کہتا ہے کہ جب نماز سے باہر قہقہہ لگانے سے نماز اور وضو نہیں ٹوٹتے تو نماز کے دوران بھی قہقہہ ناقض نہیں ہونا چاہیے ۱۲۔ قادری) جب کہ امام شافعی قیاس پر عمل کرتے ہیں

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں نبیذ تمر (وہ پانی جس میں کھجوریں ڈال دی گئی ہو ں اور ان کی مٹھاس پانی میں پیدا ہو گئی ہو ۱۲ قادری) سے وضو کرنا جائز ہے، انہوں نے لیلۃ الجنّ (جب نبی اکرم ﷺ کی جنات سے ملاقات ہوئی) سے متعلق حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کو اس مسئلے کی دلیل بنایا، یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے تاہم امام ابو حنیفہ نے اس پر عمل کیا اور باقی مشروبات پر نبیذ کے قیاس کو ترک کر دیا (قیاس تو کہتا ہے کہ جب دوسرے مشروبات سے وضو نہیں کر سکتے تو نبیذ کے ساتھ بھی وضو جائز نہ ہو ۱۲ قادری) امام شافعی نے اس مسئلے میں بھی قیاس پر عمل کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ مجبوری اور ضرورت تک پہنچے بغیر

قیاس پر عمل نہیں کرتے، اور قیاس بھی علت مؤثرہ [1] کی بنا پر ہی کرتے ہیں، قیاس تناسب [2]، قیاس شبہ [3] اور قیاس طرد [4] نہیں کرتے، ان کے نزدیک قیاس کی یہ قسمیں مردود اور متروک ہیں جب کہ امام شافعی کے نزدیک مقبول ہیں

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث مرسل کو قبول کرتے ہیں اور اسے قیاس سے مقدم قرار دیتے ہیں، بر خلاف امام شافعی کے کہ وہ حدیث کی کئی قسموں پر قیاس کو مقدم رکھتے ہیں

حدیث کے قیاس سے مقدم ہونے کی تفصیل

ہمارے نزدیک حدیث کے قیاس سے مقدم ہونے کے بارے میں اصول فقہ میں تفصیلی گفتگو کی گئی ہے، اور وہ یہ کہ راوی یا تو روایت میں معروف ہوگا یا مجہول، مجہول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے صرف ایک یا دو حدیثیں مروی ہوں، اگر روایت میں معروف ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں:-

۱- وہ راوی فقہ و اجتہاد میں معروف ہو، مثلاً چاروں خلفاء راشدین اور عبادلہ ثلاثہ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر اور ان جیسے دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کی روایت کردہ احادیث مطلقاً مقبول ہیں

۱- علت مؤثرہ وہ شے ہے جس کے سبب دوسری چیز کا وجود ہو مثلاً سورج سے روشنی کا وجود ہوتا ہے اور آگ سے جلانے کا وجود پایا جاتا ہے ۱۲ توضیح للشیخ صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود ص ۵۴۰ ط: نولکشور، لکھنؤ) ۱۲ قادری

۲- قیاس تناسب وہ قیاس ہے جو علت مؤثرہ کی بنا پر نہیں بلکہ علت مناسبہ کی بنا پر کیا جائے یعنی ایسی علت کی بنا پر کیا جائے جو بندوں کو نفع پہنچائے یا نقصان دور کرے، مثلاً روزہ تربیۃ النفس اور اخلاق کی اصلاح کے لئے رکھا جاتا ہے ۱۲ توضیح ص ۵۴۲

۳- دو چیزوں میں وصف مشترک کی بنا پر ایک کا حکم دوسری پر لگا دینا خواہ وہ وصف مؤثر نہ ہی ہو، جیسے وضو میں چہرہ تین مرتبہ دھونا سنت ہے لہٰذا سر کا مسح بھی تین مرتبہ سنت ہے کیونکہ دونوں وضو کے فرض ہیں ۱۲ قادری

۴- ایسے وصف کی بنا پر قیاس کیا جائے جس کے ساتھ حکم پایا جائے ۱۲ تلویح للعلامۃ التفتازانی ص ۵۵۷- (حکم میں اس وصف کے مؤثر ہونے کا اعتبار نہ ہو) قادری

اگرچہ قیاس کے مخالف ہوں اور ایسی احادیث قیاس سے مقدم ہیں۔

۲-وہ راوی فقہ واجتہاد میں معروف نہ ہو، بلکہ روایت اور عدالت میں معروف ہو، جیسے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ان کی روایت کردہ حدیث اگر قیاس کے موافق ہے تو مقبول ہوگی، اور اگر ایک قیاس کے موافق اور ایک قیاس کے مخالف ہو تب بھی مقبول ہوگی، اور اگر تمام قیاسوں کے مخالف ہو تو مقبول نہیں ہوگی، کیونکہ اس کے قبول کرنے سے قیاس کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا، حالانکہ قیاس کا جواز کتاب وسنت سے ثابت ہے، مشائخ نے اس کی مثال حدیث مصرّاۃ [۱] سے دی ہے۔

اگر راوی روایت میں مجہول ہے (اس سے صرف ایک یا دو حدیثیں مروی ہیں ۱۲ قادری) اور وہ سلف سے روایت کرتا ہے، اور سلف نے اس کی روایت کردہ حدیث کے صحیح ہونے کا حکم دیا ہے تو وہ معروف کے حکم میں (اور مقبول) ہے، اگر سلف نے اس حدیث پر طعن نہیں کیا تو وہ بھی مقبول ہے، اگر بعض نے اس کی روایت

---

[۱] مصرّاۃ اس مادہ جانور کو کہتے ہیں جس کا دودھ ایک دو دن نہ دوہا جائے تاکہ خریدار یہ سمجھے کہ یہ دودھ بہت دیتی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص مصراۃ بکری خریدے اور گھر لے جا کر اس کا دودھ دوہے تو اگر اس دودھ پر راضی ہے تو اسے رکھ لے ورنہ وہ بکری اور اس کے ساتھ ایک صاع (تقریباً ساڑھے چار سیر) کھجور واپس کر دے (مسلم شریف عربی، طبع کراچی ج ۲، ص ۴) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ "خریدار بکری واپس نہیں کر سکتا، البتہ دودھ کی کمی کے سبب بکری کی جتنی قیمت کم ہوگئی ہے وہ بائع سے لے سکتا ہے"، امام اعظم نے حدیث مذکور پر عمل نہیں کیا، کیونکہ یہ قرآن پاک کی آیت فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (۲/ ۱۹۴) تم اس شخص پر اتنی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر کی ہے، بائع ایک صاع کھجور لیتا ہے، ہو سکتا ہے خریدار نے جتنا دودھ پیا ہو وہ اس سے زیادہ ہو یا کم ہو، نیز قیاس کے بھی خلاف ہے، کیونکہ قیاس یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کی کوئی چیز ضائع کر دے تو اس کی مثل واپس کرے یا ثمن دے یا قیمت، ایک صاع کھجور اس دودھ کی نہ تو مثل ہے اور نہ ہی ثمن اور قیمت ہے، امام طحاوی نے فرمایا یہ حدیث منسوخ ہے (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۲) تفصیل کے لئے دیکھئے راقم کا مقالہ: "امام اعظم ابو حنیفہ اور علم حدیث" ۱۲ اشرف قادری

کورد کیا اور بعض نے قبول کیا، اس کے ساتھ ہی ثقہ محدثین نے اس کی روایت کو نقل کیا اور وہ کسی قیاس کے مطابق ہے تو بھی مقبول ہے، اگر اس راوی کی حدیث سلف صالحین میں ظاہر اور معروف نہیں تو اگر وہ راوی قرون ثلاثہ (صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین) میں سے ہے تو اس کی روایت بھی مقبول ہے، کیونکہ ان تینوں ادوار میں سچائی کا غلبہ تھا، اور اگر وہ قرونِ ثلاثہ میں سے نہیں ہے تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حضرت عیسیٰ بن ابان کا مذہب ہے کہ راوی کی حدیث قیاس پر اس وقت مقدم ہو گی جب راوی فقیہ ہو، امام زید دبوسی اور اکثر متاخرین کا یہی مختار ہے، لیکن شیخ ابو الحسن کرخی اور ان کے متبعین کے نزدیک راوی کا فقیہ اور مجتہد ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ راوی کا فقط عادل ہونا حدیث کے مقدم ہونے کے لیے کافی ہے، کیونکہ حدیث کے مقبول ہونے کے لئے عدالت کافی ہے، مجتہد ہونے کا اس میں دخل نہیں ہے، ہمارے مشائخ احناف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث پر عمل کیا ہے جب روزے دار بھول کر کھا لے (تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا) حالانکہ یہ قیاس کے خلاف ہے یہاں تک کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا:
"اگر روایت نہ ہوتی تو میں قیاس پر عمل کرتا (کہ روزہ ٹوٹ جائے گا)"

فقاہت کی شرط لگانے والے کہتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک روایت بالمعنیٰ عام ہے، اگر راوی میں فقاہت کی کمی ہو تو اس بات کا خدشہ رہے گا کہ حدیث کا کچھ حصہ روایت کرنے سے رہ جائے اور حدیث میں شبہہ پیدا ہو جائے، کیونکہ راوی مجتہد نہیں ہے۔ صاحب کشف سے منقول ہے کہ بیان کردہ فرق اور تفصیل تو پیدا ہے (متاخرین کا بیان کردہ ہے۔ ۱۲ قادری) ورنہ خبر واحد تفصیل کے بغیر مقبول ہے اور قیاس سے مقدم ہے، بعض علماء نے فرمایا کہ مجہول سے مراد وہ راوی ہے جس کی

عدالت اور حافظہ معلوم نہ ہو، ورنہ جس راوی کی عدالت معلوم ہو وہ اگرچہ ایک یا دو حدیثیں ہی روایت کرے اس کی روایت کے قبول کرنے اور قیاس سے مقدم قرار دینے میں حرج نہیں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک حدیث کے قبول کرنے اور قیاس پر مقدم رکھنے میں یہ تفصیل ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے نزدیک اکثر و بیشتر حدیث قیاس سے مقدم ہے۔

امام مالک سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ فقاہت میں معروف راوی کی حدیث پر قیاس مقدم ہے، لہذا اگر راوی فقاہت میں معروف نہیں ہے تو اس کی حدیث سے قیاس بطریق اولیٰ مقدم ہوگا، شافعیہ سے منقول ہے کہ اگر علت (جس کی بنا پر قیاس کیا جا رہا ہے) کو ایسی نص کی تائید حاصل ہے جو اس خبر سے راجح ہے اور وہ علت قطعی طور پر فرع میں موجود ہے تو قیاس مقدم ہوگا---- واللہ تعالیٰ اعلم۔

اہل ظواہر اور جو محدثین ان کے مذہب پر ہیں وہ حدیث کی تمام قسموں پر عمل کرتے ہیں اگرچہ وہ حدیث ضعیف ہو یا مختلف فیہ ہو، البتہ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے جس کے موضوع ہونے پر اتفاق ہو، صحاح ستہ کے مصنفین میں سے امام نسائی کا یہی مذہب ہے، وہ ہر اس راوی سے حدیث لیتے تھے جس کے ترک پر اجماع نہ ہو، عظیم محدث امام ابو داود سجستانی کو جب کسی باب میں دوسری حدیث نہ ملتی تو ضعیف حدیث ہی بیان کر دیتے تھے اور اسے علماء کے قیاس پر ترجیح دیتے تھے۔

رائے کو بحالت مجبوری اختیار کیا جاتا ہے

امام شعبی فرماتے ہیں یہ علماء جو کچھ تمہیں نبی اکرم ﷺ سے بیان کریں اسے لے لو اور جو کچھ اپنی رائے سے بیان کریں اسے کوڑے کرکٹ میں پھینک

دو، یہ بھی فرمایا: "رائے مردار کی طرح ہے، جب تم مجبور اور مضطر ہو تو اسے کھالو"،
یہ بھی فرماتے تھے کہ سنت قیاس سے مقدم ہے، اس لئے سنت کی پیروی کرو، بدعتی
نہ ہو، جب تک تم روایت پر عمل کرو گے ہرگز گمراہ نہیں ہوگے۔

امام شافعی سے منقول ہے کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے
خلاف کوئی بات کہوں، یا کوئی قاعدہ اور قانون بناؤں تو معتبر وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ
نے فرمایا اور میرا قول بھی وہی ہے۔ امام شافعی یہ بات بار بار کہا کرتے تھے، جیسے کہ
امام بیہقی نے مدخل میں بیان کیا، مختصر طیبی میں ہے کہ امام شافعی کا یہ مشہور مقولہ
مذکور ہے کہ جب میں کوئی مسئلہ بیان کروں اور تمہیں ایسی حدیث مل جائے جو اس
کے خلاف ہو تو تم میرے قول کو چھوڑ دو اور حدیث پر عمل کرو، ان کے مذہب کے
بعض علماء مثلاً امام نووی اور رافعی نے اسی قول پر عمل کیا ہے، جب کوئی حدیث امام
شافعی کے قول کے مخالف وارد ہو تو ان کے قول کو ترک کر دیتے ہیں اور حدیث پر
عمل کرتے ہیں، امام شافعی کے قول کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر حدیث
کو اپنے قول پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ صحیح ہو یا ضعیف، تو ان کا یہ قول امام شعبی
وغیرہ کے قول کے مناسب ہے جو قیاس پر حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ حدیث
ضعیف ہی ہو۔

لیکن امام نووی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ صحیح حدیث مراد ہے، بہر
صورت اس قول کے ساتھ شرط یہ ہے کہ یہ بات معلوم ہو کہ یہ حدیث امام شافعی کو
نہیں پہنچی، یہ بھی معلوم ہو کہ یہ حدیث منسوخ یا مؤول نہیں ہے، اور یہ معاملہ بہت
مشکل ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ امام شافعی نے جس حدیث کے مخالف قول کیا ہے وہ
انہیں پہنچی ہو، لیکن انہوں نے اس لئے مخالفت کی ہو کہ انہیں اس کے منسوخ ہونے
کا علم ہو یا ان کے نزدیک مؤول ہو، اس لئے انہوں نے مخالفت کی ہو، جیسے کہ کسی

مذہب کے مقلدین کا حال ہے کہ جب انہیں اپنے امام کے قول کے مخالف کوئی حدیث مل جائے تو اس پر عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ممکن ہے یہ حدیث ہمارے امام کو پہنچی ہو اور ان کو معلوم ہو کہ یہ منسوخ ہے یا انہوں نے اپنے قول کے مطابق اس کی تاویل کی ہو، اس لئے ہم امام کی روایت پر عمل کرتے ہیں اور حدیث پر عمل نہیں کرتے، اور یہ ظاہر ہے، اسی طرح مولانا محمد حنفی نے خلاصہ کیدانی کی شرح میں اپنے استاذ شیخ الاسلام ہروی سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

مجتہد کے لئے وسیع علم اور ملکۂ استنباط کافی ہے

مخفی نہ رہے کہ اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مجتہد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کسی باب میں وارد تمام احادیث کا عالم اور حافظ ہو، بلکہ اس کے لئے وسیع علم اور نصوص سے احکام کی معرفت اور استنباط کی کامل استعداد کافی ہے، جیسے کہ فقہ کی طے شدہ تعریف سے معلوم ہوتا ہے، جو حضرات بالاتفاق مجتہد ہیں ان سے لاادری (میں نہیں جانتا) کا قول صادر ہونے کا اسی پر مدار ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ سلف میں سے جن حضرات سے ہماری ملاقات ہوئی ہے ہم نے ان میں سے کسی کا یہ قول نہیں پایا کہ صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ جمہور علماء اسے مکروہ قرار دیتے ہیں، اس بارے میں احادیث وارد ہیں اور وہ صحیح بھی ہیں، ممکن ہے یہ احادیث امام مالک کو نہ پہنچی ہوں، جب حدیث کسی عالم کے قول کے مخالف ہو تو عموماً علماء یہ کہہ دیتے ہیں کہ غالباً یہ حدیث اس عالم کو نہیں پہنچی، واللہ تعالیٰ اعلم، ان شاء اللہ العزیز اس کی تحقیق رسالے کے آخر میں آئے گی، ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ صحابۂ کرام میں سے ہر ایک کے پاس وہ علم تھا جو دوسروں کے پاس نہ تھا، ان میں سے کوئی بھی ایسا

نہیں تھا جس کے پاس تمام علم ہو، تابعین کی صحابہ سے ملاقات ہوئی، ہر تابعی نے وہ علم حاصل کیا جو صحابی کے پاس تھا، یہی حال تبع تابعین کا تھا۔ یہ ایک فائدہ ہے جو درمیان میں بیان ہو گیا۔

وصل (۵)

امام ابو حنیفہ اور صحابہ سے سماع حدیث

امام ابو حنیفہ کے جلیل القدر مناقب و فضائل میں سے یہ ہے کہ انہوں نے متعدد صحابۂ کرام کی زیارت کی، ان سے حدیثیں سنیں، اجتہاد کیا، قرن ثانی (دور تابعین) کے آخر اور قرن ثالث (دور تبع تابعین) کی ابتدا میں فتویٰ دیا، وہ قرنِ ثانی میں سے اور تابعی تھے، قرنِ ثالث میں ان کی وفات ہوئی، ان کی ولادت قرن اول (دور صحابہ) کے آخر میں اور نشوونما قرنِ ثانی میں ہوئی، لیکن صحابۂ کرام کی ملاقات اور ان سے حدیث کے سننے میں اختلاف ہے، اس میں اختلاف نہیں کہ وہ صحابۂ کرام کے زمانے میں تھے، اختلاف اس میں ہے کہ ان کی ملاقات صحابۂ کرام سے ہوئی اور ان سے حدیث سنی یا نہیں؟

جامع الاصول میں ہے کہ امام ابو حنیفہ کے زمانے میں چار صحابی اس دنیا میں موجود تھے،

☆ حضرت انس بن مالک، بصرہ میں

☆ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ، کوفہ میں

☆ حضرت سہل بن سعد ساعدی، مدینہ منورہ میں

☆ اور حضرت ابو طفیل عامر بن واثلہ، مکہ مکرمہ میں

امام ابو حنیفہ کی ان میں سے کسی سے ملاقات نہیں ہوئی، ان کے اصحاب (احناف) یہ

کہتے ہیں کہ انہوں نے صحابۂ کرام کی ایک جماعت سے ملاقات کی اور ان سے روایت بھی کی، لیکن اصحابِ نقل (محدثین) کے نزدیک یہ بات ثابت نہیں ہے۔

ہمارے علماء (احناف) صحابہ سے روایت کرنے پر متفق ہیں، البتہ تعداد میں اختلاف ہے، ☆بعض کہتے ہیں کہ چھ مرد صحابہ اور ایک صحابیہ سے ملاقات اور روایت کی، ☆بعض سات صحابہ اور ایک صحابیہ، ☆اور بعض پانچ صحابہ اور ایک صحابیہ کی ملاقات بیان کرتے ہیں، مشہور اور اصح قول کے مطابق امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی، اس قول کے مطابق جن صحابۂ کرام سے ملاقات بیان کی گئی ہے، ان میں سے بعض کی ملاقات میں اشکال ہے، ایک روایت کے مطابق ان کی ولادت ۶۱ھ میں ہے، اس روایت کے مطابق کوئی اشکال نہیں رہتا، لیکن علماء نے بیان کیا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام اعظم نے کن صحابۂ کرام سے حدیث سنی؟

ہم آیندہ سطور میں صاحبِ مُسنَد اور اربابِ طبقات کے حوالے سے ان صحابۂ کرام کے اسماء مبارکہ بیان کریں گے اور ہر جگہ موافق اور مخالف اقوال بیان کریں گے، یہاں تک یہ حق ظاہر ہو جائے، منکرین نے اگرچہ ان کی سندوں میں کلام کیا ہے اور تاریخ سے ان کی موافقت ہوتی ہے تو یہ دوسری بات ہے اور ان کے ذمہ ثابت کرنا ہے۔

○ ہم کہتے ہیں کہ ان صحابۂ کرام میں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں امام ابو یوسف فرماتے ہیں ہمیں امام ابو حنیفہ نے خبر دی کہ میں نے حضرت انس بن مالک کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ

"علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"۔

بعض علماء نے بیان کیا کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا:

"میں نے کئی مرتبہ حضرت انس بن مالک کی زیارت کی، وہ بالوں کو سرخ رنگ دیا کرتے تھے، بصرہ میں ان کی وفات ہوئی، وہ بصرہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں، ان کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی"

بعض علماء نے کہا ۹۲ھ میں اور بعض نے ۹۳ھ میں ان کی وفات بیان کی، اسی طرح جامع الاصول میں ہے، علامہ ذہبی نے کاشف میں ۹۳ھ بیان کیا، اس وقت امام ابو حنیفہ کی عمر گیارہ سال بلکہ اس سے زیادہ تھی، اس کے علاوہ امام اعظم نے ایک دوسری حدیث روایت کی اور وہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلدَّالُّ عَلَی الخَیرِ کَفَاعِلِہٖ ، وَاللّٰہُ یُحِبُّ اِغَاثَۃَ اللَّھفَانِ

"نیکی پر راہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے، اور اللہ تعالیٰ پریشان حال کی امداد کرنے والے کو محبوب رکھتا ہے"۔

○ دوسرے حضرت عبداللہ بن اُنیس ہمزے پر پیش جُھنی، رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، امام اعظم فرماتے ہیں میں نے ان کی زیارت کی انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

حُبُّکَ الشَّیءَ یُعمِی وَیُصِمُّ

"کسی شے سے تیری محبت اندھا اور بہرا کر دیتی ہے"

اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ جُھنی کی وفات ۵۴ھ یا ۵۵ھ میں ہوئی (اس وقت امام ابو حنیفہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس نام کے پانچ صحابی ہیں، ممکن ہے جس صحابی سے امام ابو حنیفہ نے روایت کی ہے وہ

مشہور صحابی جہنی کے علاوہ ہوں، اس جواب پر یہ رد کیا گیا ہے کہ کوفہ میں تشریف لانے والے صرف عبداللہ بن اُنیس ہیں، اور یہ طے شدہ بات ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ کی پیدائش سے پہلے وفات پا گئے تھے، بعض احناف نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا:

میری ولادت سن ۸۰ھ میں ہوئی، اور حضرت عبداللہ بن انیس رسول اللہ ﷺ کے صحابی سن ۹۴ھ میں کوفہ تشریف لائے، میں نے ان کی زیارت کی اور انہیں فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ

اس پر اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اس سند میں کئی مجہول راوی ہیں، اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ کوفہ میں آنے والے ابن اُنیس جُہنی ہیں اور یہ طے شدہ ہے کہ ان کی وفات امام ابو حنیفہ کی پیدائش سے پہلے ہے، یہ تمام گفتگو صاحبِ طبقات نے بیان کی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جامع الاصول میں اس نام کے صرف ایک صحابی کا ذکر کیا گیا ہے، اور وہ ہیں ابو یحییٰ عبداللہ بن اُنیس جہنی انصاری مدنی، انصار کے حلیف تھے، بعض محدثین نے کہا کہ وہ انصار میں سے تھے، علامہ ذہبی نے کاشف میں بیان کیا عبداللہ بن اُنیس جہنی انصار کے حلیف تھے، بیعت عقبہ میں شریک ہوئے، بڑے بہادر اور شجاع تھے، پھر حضرت عبداللہ بن اُنیس انصاری کا ذکر کیا اور فرمایا شاید کہ یہ وہی پہلے ہی ہیں۔

○—— تیسرے صحابی عبداللہ بن حارث ہیں، امام ابو یوسف روایت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ میں سن ۸۰ھ میں پیدا ہوا، سن ۹۶ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کیا، اس وقت میری عمر سولہ سال تھی، جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا

تو میں نے بہت بڑا اجتماع دیکھا، میں نے اپنے والد کو پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء (جیم پر زبر، زا ساکن اور اس کے بعد ہمزہ) زبیدی ہیں، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ تَفَقَّهَ فِي دِينِ اللّٰهِ كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّهُ وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

”جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین کا فہم حاصل کرے، اللہ تعالیٰ اس کے مقاصد پورے فرمائے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا“

اس روایت پر بھی اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حارث سن ۸۵ھ یا ۸۶ھ یا ۸۸ھ میں مصر میں فوت ہوئے، اسی طرح جامع الاصول میں ہے، کاشف (علامہ ذہبی) میں ہے کہ سن ۸۶ھ میں ان کی وفات ہوئی، آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، وہ مصر میں وفات پانے والے آخری صحابی تھے، گویا کہ یہ اس توجیہ کا جواب ہے کہ جب حضرت عبداللہ سن ۸۶ھ یا ۸۸ھ میں فوت ہوئے، اس وقت امام ابو حنیفہ کی عمر چھ یا آٹھ سال تھی، اس عمر کا کوئی شخص سمجھ دار ہو تو محدثین کے نزدیک اس کا حدیث حاصل کرنا جائز ہے، علامہ ذہبی نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ مصر میں سن ۸۶ھ میں فوت ہوئے، وہ نہ تو مکہ مکرمہ گئے اور نہ ہی کوفہ گئے لہٰذا امام ابو حنیفہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ میں نے سن ۹۶ھ میں ان کی زیارت کی، یہی وجہ ہے کہ ہمارے مشائخ متاخرین میں سے مصر کے شیخ ابو القاسم حنفی اور ان کے علاوہ ایک جماعت نے اس واقعہ کا رد کیا ہے، انہوں نے کہا کہ اس واقعہ کی سند میں ردّ و بدل اور تحریف ہے، اور اس میں ایک ایسا راوی بھی ہے جس کے کذاب ہونے پر اتفاق ہے۔

○ —— چوتھے صحابی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ہیں، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا وَلَوْ كَمَفْحَصِ قَطَاةٍ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ

"جس شخص نے مسجد بنائی اگرچہ قطا (پرندے) کے گھونسلے کی مثل ہو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔"

یہ سن ۸۶ھ اور ایک قول کے مطابق ۸۷ھ میں کوفہ میں وفات پانے والے آخری صحابی تھے، اس وقت امام ابو حنیفہ کی عمر چھ یا سات سال تھی (سوال کیا جا سکتا ہے کہ اس عمر میں امام صاحب کا حدیث سننا کس طرح صحیح ہوگا؟ ۱۲ قادری) اس کا جواب یہ ہے کہ بچہ جب سمجھ دار ہو تو اس کا حدیث سننا صحیح ہے، اگرچہ اس کی عمر چھ یا سات سال ہو، یہی صحیح قول ہے، جمہور محدثین اسی کے قائل ہیں، اور اسی پر عمل ہے، جیسے کہ اصول حدیث کی کتب میں بیان کیا گیا ہے، ایک قول یہ ہے کہ حضرت عبداللہ کی وفات سن ۸۰ھ میں ہوئی، اس روایت کے مطابق ان کی زیارت صحیح نہیں ہوگی (کیونکہ اسی سال امام اعظم کی ولادت ہوئی ہے ۱۲ قادری)

○ پانچویں صحابی حضرت واثلہ بن الاسقع ہیں، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں میں نے انہیں فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لِأَخِيْكَ فَيُعَافِيَهُ اللّٰهُ وَيَبْتَلِيْكَ

"اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کر، اللہ تعالیٰ اسے عافیت عطا فرما دے گا اور تجھے مبتلا کر دے گا"۔

ان ہی سے ایک دوسری روایت کی ہے

دَعْ مَا يُرِيبُكَ اِلَى مَا لَا يُرِيبُكَ

"جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر ایسی چیز اختیار کر جو تجھے شک میں نہ ڈالے"

اسی طرح الطبقات میں ہے، صاحب طبقات نے فرمایا: پہلی حدیث امام ترمذی نے سندِ حسن سے روایت کی ہے، دوسری حدیث صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے روایت کی ہے اور آئمہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک سو سال کی عمر میں بیت المقدس میں انتقال ہوا، ایک قول یہ ہے کہ سن ۸۵ھ یا ۸۶ھ میں اٹھانوے سال کی عمر میں دمشق میں فوت ہوئے، اسی طرح جامع الاصول اور کاشف میں ہے، الطبقات میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ کے دورِ امارت میں ان کی وفات ہوئی، اور حضرت امیر معاویہ کا انتقال سن ۶۰ھ میں ہوا، اور یہ غلط ہے، ایک قول یہ ہے کہ حضرت عبداللہ کی خلافت میں فوت ہوئے۔

۵ ـــــ چھٹے صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاری ہیں (امام اعظم ان سے راوی ہیں کہ) ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی اولاد نہیں دی گئی اور نہ ہی میرے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے، آپ نے فرمایا: تم بکثرت استغفار اور صدقہ کا عمل کیوں نہیں اپناتے؟ ان دونوں کی برکت سے تمہیں اولاد دی جائے گی، حضرت جابر فرماتے ہیں کہ وہ صحابی کثرت سے صدقہ دیتے اور استغفار کرتے تھے، ان کے ہاں نو لڑکے پیدا ہوئے، اس روایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات سن ۷۸ھ اور ایک قول کے مطابق سن ۷۹ھ میں ہوئی، یعنی امام ابو حنیفہ کی ولادت سے ایک یا دو سال پہلے، اسی لئے محدثین نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ سے جو حدیث حضرت جابر کے

حوالے سے روایت کی گئی ہے موضوع ہے، علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی کہ حجاج (بن یوسف) ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائے، شیخ (ابن حجر) نے اصابہ میں فرمایا کہ یہ ہیثم بن عدی کے قول کے مطابق ہے کہ حضرت جابر کی وفات مدینہ منورہ میں سن ۷۴ھ اور بعض حضرات نے کہا سن ۷۶ھ میں ہوئی اور ان کی نماز جنازہ امیر مدینہ حضرت ابان بن عثمان نے پڑھائی۔

o—— ساتویں صحابیہ ہیں حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ تعالیٰ عنہا، مروی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے ان سے یہ حدیث روایت کی

اَكْثَرُ جُنْدِ اللّٰهِ اَلْجَرَادُ لَا آكُلُهٗ وَلَا اُحَرِّمُهٗ

"اللہ تعالیٰ کا بڑی تعداد والا لشکر ٹڈی ہے، نہ تو میں اسے کھاتا ہوں اور نہ ہی حرام قرار دیتا ہوں"

ہمیں ان کتابوں میں اس روایت کا ذکر نہیں ملا، صاحب طبقات نے بیان کیا ہے کہ علامہ ذہبی اور شیخ الاسلام ابن حجر کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے، اور معروف بھی نہیں ہے

o—— آٹھویں صحابی حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ (ثاء کے نیچے زیر ہے) ان کی وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں ۱۰۲ھ-۱۰۷ھ-۱۱۰ھ صحابۂ کرام میں سے سب سے آخر میں ان کی وفات ہوئی، ان سے ملاقات کا احتمال سب سے زیادہ ظاہر ہے صاحبِ مسند نے ان کا ذکر نہیں کیا، البتہ صاحبِ طبقات نے ان کا ذکر کیا ہے۔

o—— نویں صحابی حضرت سہیل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کی وفات سن ۸۸ھ میں ہوئی، بعض علماء نے کہا کہ اس کے بعد ہوئی، یہ مدینہ منورہ میں وفات پانے والے آخری صحابی ہیں۔

o — دسویں صحابی حضرت سائب بن خلاد بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کی وفات سن ۹۱ھ یا ۹۶ھ میں ہوئی۔

o — گیارہویں صحابی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ان کی وفات سن ۹۱ھ - ۹۲ھ یا ۹۴ھ میں ہوئی، بعض محدثین نے کہا ۸۲ھ میں ہوئی۔

o — بارہویں صحابی عبداللہ بن بلید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ان کی وفات سن ۹۶ھ میں ہوئی۔

o تیرہویں صحابی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، واقدی نے کہا ان کی وفات سن ۸۰ھ میں ہوئی، یہ مشہور ہے، بعض نے سن وفات ۹۰ھ - ۸۴ھ یا ۸۵ھ بیان کیا، شیخ (ابن حجر) نے فرمایا یہ غلط ہے، خلیفہ نے کہا ۸۲ھ بعض نے ۸۴ھ بعض نے ۸۷ھ بیان کیا، ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو، بعض نے سن ۸۰ھ بعض نے ۸۴ھ، ۸۵ھ بیان کیا۔

آخری سات حضرات کا ذکر صاحب طبقات نے کیا ہے، لیکن ان کی کوئی حدیث بیان نہیں کی، انہوں نے فرمایا کہ بعض محدثین نے امام ابو حنیفہ کے مناقب میں جامع کتاب تصنیف کی، ان کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اکابر تلامذہ اور اپنے دور کے ائمہ مثلاً امام ابو یوسف، امام محمد، عبداللہ بن مبارک اور عبدالرزاق وغیرہم نے امام ابو حنیفہ سے کوئی ایسی حدیث نقل نہیں کی جو انہوں نے کسی صحابی سے روایت کی ہو، اگر ایسی کوئی حدیث ہوتی تو اسے ضرور نقل کرتے، ایسی حدیث میں تو محدثین خاص دلچسپی لیتے ہیں، اور اس پر فخر کرتے ہیں، ہر وہ مسند حدیث جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے صحابی سے سنی، اس کی سند کسی کذاب سے خالی نہیں۔

لیکن امام اعظم کا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث کا روایت کرنا اور سماع کے بغیر صحابۂ کرام کی ایک جماعت کی زیارت کرنا یہ دونوں باتیں کسی شک وشبہہ کے بغیر صحیح ہیں، علامہ بدر الدین عینی نے صحابۂ کرام کی ایک جماعت سے حدیث کا سننا ثابت کیا ہے، لیکن اسے ان کے شاگرد شیخ حافظ قاسم حنفی نے رد کیا ہے، ظاہر یہ ہے کہ امام اعظم کی جن صحابۂ کرام سے ملاقات ہوئی ہے ان سے حدیث نہ سننے کا سبب یہ تھا کہ وہ کاروبار میں مصروف تھے، حتّٰی کہ امام شعبی نے ان میں نجابت اور دانشمندی کے آثار دیکھ کر انہیں علم حاصل کرنے کا مشورہ دیا، جس شخص کو علم حدیث کا تھوڑا سا ذوق بھی حاصل ہے وہ میرے بیان سے اختلاف نہیں کر سکتا (الخ)

صاحب طبقات نے بیان کیا کہ محدثین کا قاعدہ یہ ہے کہ اتصال کا راوی ارسال یا انقطاع کے راوی سے مقدم ہے، کیونکہ اس کے پاس زیادہ علم ہے، یہ بات علامہ عینی کے بیان کی تائید کرتی ہے اسے ذہن نشین کر لیجئے کہ یہ اہم نکتہ ہے۔

امام اعظم کی دور صحابہ میں ولادت اور ان کی زیارت

میں کہتا ہوں کہ امام ابو حنیفہ کی فضیلت کے سلسلے میں یہ امر کافی ہے کہ آپ صحابۂ کرام کے زمانے میں پیدا ہوئے، ان سے حدیث سنی یا نہیں سنی، لیکن ان کی زیارت کا شرف حاصل کیا، اور اس طبقے میں شامل ہوئے جن کے بارے میں (حدیث میں) وارد ہے طُوبٰی لِمَنْ رَآنِی وَلِمَنْ رَآی مَنْ رَآنِی [1]

"خوش خبری ہے اس شخص کے لئے جس نے ہماری زیارت کی اور اس شخص کے لئے جس نے ہماری زیارت کرنے والوں کی زیارت کی"۔

یہ حدیث متعدد سندوں سے نبی اکرم ﷺ سے درجہ صحت کو پہنچی ہوئی ہے، اور یہ

۱۔ ترمذی شریف میں ہے: لا تمسُّ النَّارُ مُسلماً رآنی أو رآی من رآنی ، مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۴، آگ اس مسلمان کو نہیں چھوئے گی جس نے ہماری زیارت کی یا ہماری زیارت کرنے والوں کی زیارت کی۔ ۱۲ قادری

بات بھی امام اعظم کی فضیلت اور انفرادیت کے لئے کافی ہے۔

وصل (۲)

امام اعظم کے مناقب

یہ امام اعظم کے کچھ مناقب ہیں، بڑے بڑے ائمہ اور دنیا بھر کے نامور ارباب علم ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، لیکن بعض لوگ امام اعظم کے مقاصد کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور ان کے قواعد نہیں سمجھ پاتے، اس لئے ان پر اعتراض کرتے ہیں، بعض سمجھتے تو ہیں لیکن ان کے خصوصی علم و فضل پر رشک کرتے ہیں، ممکن ہے بعض اوقات حسد بھی کرنے لگتے ہوں، کیونکہ صاحب فضیلت پر حسد کیا جاتا ہے اور حسد کرنے والا خسارے میں رہتا ہے اور مردود ہوتا ہے، بہت کم لوگ حسد سے محفوظ رہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان طبعی طور پر اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ اس کے معاصرین میں سے کوئی اس پر سبقت لے جائے، لہذا جب انسان دیکھتا ہے کہ کوئی شخص اس پر فوقیت رکھتا ہے تو اس کے دل میں ملال پیدا ہوتا ہے، پھر اگر وہ عقل مند اور متقی ہو تو اپنے نفس پر غلبہ پالیتا ہے اور اپنی زبان کو محفوظ رکھتا ہے، اس کی آرزو یہ ہوتی ہے کہ مجھے بھی ایسی ہی نعمت حاصل ہو جائے، یہ آرزو نہیں کرتا کہ دوسرے کو حاصل ہونے والی نعمت زائل ہو جائے، اسے غبطہ (رشک) کہتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے یہی مراد ہے:

لَا حَسَدَ إِلَّا فِي الِاثْنَيْنِ رَجُلٌ" آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ [1]

"رشک صرف دو آدمیوں کے بارے میں ہے، ایک وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائے اور وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے"۔

اور اگر وہ شخص متقی نہ ہو تو برائی کا حکم دینے والا نفس اس پر غلبہ پالیتا ہے اور اسے حسد

---

[1] بخاری شریف میں یہ کلمات ہیں: لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ ج ۱ ص ۱۷، مشکوٰۃ شریف ص ۳۲

کی حد تک پہنچا دیتا ہے، بعض علماء ایسے ہوتے ہیں کہ کبھی نفس ان پر غالب ہوتا ہے اور کبھی وہ نفس پر غالب آجاتے ہیں، اسی قبیلے کے بعض وہ علماء ہیں جنہوں نے امام ابو حنیفہ پر حسد کیا، کبھی انہوں نے امام اعظم کی تعریف کی اور کبھی ان پر تنقید کی، میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا بے شک نفس برائی کا حکم دینے والا ہے۔ ان ہی میں سے ابن ابی لیلیٰ ہیں، وہ کبھی امام ابو حنیفہ پر طعن کرتے تھے اور کبھی تعریف کرتے تھے، اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا اس جوان پر حسد کیا گیا ہے۔ حضرت سفیانِ ثوری جلیل القدر محدث ہونے کے باوجود بعض اوقات ان کے دل میں امام ابو حنیفہ کے خلاف کوئی بات پیدا ہو جاتی تھی، پھر وہ اس سے رجوع کرتے تھے اور معذرت کرتے تھے اور ابن ابی لیلیٰ والا مقولہ کہتے تھے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ غالباً وہ یہ مقولہ امام اعظم کی مدح میں بطور مبالغہ کہتے تھے، یعنی وہ ایسے مقام پر فائز ہیں کہ ان کے بارے میں بطور حسد اعتراض کیا جا سکتا ہے، اسی طرح امام بخاری اور مسلم کے استاذ حافظ ابو بکر بن ابی شیبہ کا حال تھا، غالباً ان حضرات نے امام اعظم کے قواعد اور اصول کو پیش نظر نہیں رکھا، جیسے کہ حافظ عمرو بن عبدالبر وغیرہ نے کہا ہے کہ جب حدیث متفق علیہ اصول کے خلاف ہو تو اس وقت قیاس کو خبر واحد پر مقدم رکھا جائے گا (الخ)

قیاس کو خبر واحد پر مقدم کرنے کی وجوہ

امام ابو حنیفہ جو قیاس کو خبر واحد پر مقدم رکھتے ہیں تو اس کا عذر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کسی سبب کی بنا پر اس طرح کرتے تھے مثلاً یا تو انہیں حدیث کی اطلاع نہیں تھی، یا ان کے نزدیک حدیث صحیح نہیں تھی، یا وہ غیر فقیہہ کی روایت تھی اور تمام قیاسوں کے مخالف تھی، جیسے کہ اس سے پہلے بیان ہوا، محققین فرماتے ہیں کہ

رائے اور قیاس کو استعمال کیے بغیر حدیث پر عمل درست ہی نہیں ہے، کیونکہ رائے ہی ان معانی کا ادراک کرتی ہے، جن پر احکام کا دارومدار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض محدثین جو غور و فکر سے عاری تھے انہوں نے بکری کا دودھ پینے پر بھی حرمتِ رضاعت کا فتویٰ دے دیا، جیسے کہ بیان کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم - اور یہ بعید ہے محدثین کی شان کے لائق نہیں ہے، بلکہ یہ مجتہدین کے طریقے کے لائق ہے کہ دودھ پلانے کی علتِ مشترکہ کی بنا پر حکم لگایا گیا ہے، جیسے کہ مخفی نہیں ہے - اسی طرح محض رائے پر بھی عمل نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا بھول کر کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جب کہ خود قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، حالانکہ قیاس کہتا ہے کہ پہلی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے اور دوسری صورت میں نہ ٹوٹے، کیونکہ روزہ اس چیز سے ٹوٹتا ہے جو پیٹ میں جائے، نہ کہ اس چیز سے جو پیٹ سے خارج ہو، (اس قیاس پر اشکال یہ ہے کہ بحالتِ مباشرت مادۂ حیات کے خارج ہونے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے حالانکہ کوئی چیز مرد کے پیٹ میں نہیں جاتی، بلکہ خارج ہوتی ہے ۱۲ قادری)

امام اعظم کی توثیق کرنے والے زیادہ، معترضین کم

حافظ ابن عبد البر نے یہ بھی فرمایا کہ جن علماء نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی اور ان کی توثیق کی وہ تعداد میں ان لوگوں سے زیادہ ہیں جنہوں نے ان پر اعتراض کیا ہے، اور جن محدثین نے ان پر اعتراض کیا ہے ان کا بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ رائے اور قیاس میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ عیب نہیں ہے، جب تک کہ حدیث کو بالکل نہ چھوڑ دیا جائے۔

امام سبکی (اکابر علماء شافعیہ میں سے ہیں، ان کی (تصنیف) طبقات میں ہے کہ ہرگز ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ محدثین کا یہ قاعدہ اپنے اطلاق پر ہے کہ جرح

توثیق پر مقدم ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ جس شخصیت کی امامت اور عدالت ثابت ہو، اس کی تعریف اور بلندیٔ مرتبہ بیان کرنے والے زیادہ ہوں، اور قرائن سے معلوم ہو کہ جرح کا سبب مذہبی تعصب یا ایسا ہی کوئی دوسرا امر ہے تو جرح کرنے والے کی جرح کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی، یہاں تک کہ انہوں نے فرمایا: سفیان ثوری وغیرہ نے جو امام ابو حنیفہ کے بارے میں گفتگو کی، ابن ابی ذئب نے امام مالک کے بارے میں اور ابن معین نے امام شافعی کے بارے میں گفتگو کی، وہ لائق توجہ نہیں ہے۔ یہ کلام ان سے اس لئے صادر ہوا کہ انہوں نے ائمہ مذکورین کے اصول و قواعد میں غور نہیں کیا، اگر جرح کو مطلقاً مقدم رکھا جائے تو ائمہ میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہ سکے گا، کیونکہ ہر امام کے بارے میں طعن کرنے والوں نے طعن کیا ہے اور ہلاک ہونے والے ہلاک ہوئے ہیں[1]

ابن عبد البر نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خوشی کی حالت میں کہی ہوئی بات غصے کی حالت میں کہی ہوئی بات سے مختلف ہوتی ہے، جو شخص یہ چاہتا ہے کہ بعض علماء کے بعض دیگر علماء کے خلاف اقوال کو قبول کرے تو اسے چاہیے کہ صحابۂ کرام، تابعین اور ائمہ مسلمین کے ایک دوسرے کے خلاف اقوال کو بھی قبول کرے، اور اگر اس طرح کرے گا تو کھلی گمراہی اور واضح خسارے میں واقع ہوگا۔

مبسوط سے امام مالک کا مذہب منقول ہے کہ قراء یعنی علماء کی گواہی ایک دوسرے کے خلاف مقبول نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ حسد اور بغض میں دوسرے لوگوں سے زیادہ شدید ہوتے ہیں، اور یہ عجیب بات ہے۔

حضرت عبد اللہ بن المبارک کو کہا گیا کہ فلاں شخص امام ابو حنیفہ کے بارے میں کلام کرتا ہے، انہوں نے یہ شعر پڑھا:

---

[1] محمد بن یوسف صالحی، امام: عقود الجمان (حیدر آباد، دکن) ص ۳۹۳

حَسَدُوا الْفَتٰی اِذ لَمْ یَنَالُوا سَعْیَهٗ ۔ فَالْقَوْمُ اَعداءٌ لَّهٗ وَخُصُوْمٌ ۔[1]

"لوگوں نے جوان پر اس لئے حسد کیا کہ اس کی کوشش کو نہیں پا سکے، اسی لئے قوم اس کی دشمن اور مخالف ہے"

-----اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔

خطیب بغدادی نے امام اعظم کی تنقیص کی

پھر ایک شخص پیدا ہوا جسے ابو بکر احمد بن علی بن ثابت، خطیب بغدادی کہا جاتا ہے۔ وہ سن ۳۹۱ھ میں پیدا ہوا اور سن ۴۶۳ھ میں فوت ہوا، اس نے امام ابو حنیفہ کی عجیب انداز میں تنقیص کی، اس نے تاریخ بغداد میں کسی بے وقوفی اور قباحت کو نہیں چھوڑا، اس نے اپنی کتاب میں ایسی باتیں بیان کیں جو امام ابو حنیفہ کے فضائل و مناقب سے متصادم تھیں، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے۔

کہتے ہیں کہ وہ محدث تھا اور اس نے علوم حدیث وغیرہ میں مفید تصانیف لکھیں، یہاں تک کہ شیخ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ خطیب بغدادی کے بعد کے تمام محدثین اس کے محتاج ہیں، علوم حدیث میں کوئی علم ایسا نہیں جس میں اس نے کوئی کتاب نہ لکھی ہو اور مہارت و افادیت کا مظاہرہ نہ کیا ہو، صاحب جامع الاصول نے اس سے بھی زیادہ تعریف کی اور کہا کہ وہ علم حدیث، احوال و تواریخ اور جرح و تعدیل کی معرفت میں فرید عصر اور وحید دہر تھا، عابد و زاہد تھا، پہلے امام احمد بن حنبل کے مذہب پر تھا، پھر اس نے امام شافعی کا مذہب اختیار کر لیا، سفر حج میں ہر دن ترتیل کے ساتھ قرآن پاک ختم کرتا تھا، بغداد میں امام احمد اور بشر حافی کی قبر کے پاس دفن کیا گیا (الخ) واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] محمد بن محمود الخوارزمی، امام: جامع المسانید ج ۱ ص ۶۰۶

خطیب بغدادی، ابن جوزی کے نقش قدم پر

لیکن اس کا علم، تعصب اور نفسانیت کے ترک کرنے اور تہذیب اخلاق کے سلسلے میں فائدہ نہیں دے سکا، اس کا حال مشہور عالم ابن جوزی کی طرح ہے جو خطیب بغدادی سے علم اور تصنیف میں زیادہ، اور فضیلت و شان میں بلند پایہ تھا، لیکن قطب الاولیاء، تاج المفاخر شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز اور مشائخ طریقت صوفیہ کرام پر انکار کرنے میں مبتلا ہوا، بے فائدہ علم اور خشیت الٰہی سے خالی دل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ !

صاحب مسند نے بیان کیا کہ محدثین نے خطیب بغدادی پر طعن کیا ہے اور اس کی ایسی خصلتیں بیان کی ہیں جن کی بنا پر اس کی روایت مردود قرار پاتی ہے، اگر اس سے امام ابو حنیفہ کے بارے میں جو کچھ منقول ہے وہ منقول نہ ہوتا، یہ بھی نہ ہوتا کہ وہ کسی میت کو ایذا اور گالی دیتا تھا، بلکہ اس کا مذہب یہ ہوتا کہ مسلمانوں کے بارے میں اچھے انداز میں گفتگو کی جائے اور یہ قاعدہ نہ ہوتا کہ کوئی ایماندار گناہ کی بنا پر ایمان سے خارج نہیں ہوتا تو ہم اس کے کچھ احوال بیان کرتے، جو شخص خطیب بغدادی کی سیرت سے آگاہی حاصل کرنا چاہے اسے چاہئے کہ حافظ ابو القاسم علی بن حسین بن ھبۃ اللہ شافعی (معروف بہ ابن عساکر) کی تصنیف تاریخ دمشق اور ابن جوزی کے پوتے حافظ یوسف کی کتاب الانتصار میں خطیب کے حالات کا مطالعہ کرے۔ اسے خطیب کی سیرت اور خصلت کے بارے میں تعجب انگیز معلومات حاصل ہوں گی، اور حیرت ہوگی کہ ایسا شخص کس طرح امام ابو حنیفہ ایسی شخصیت کے بارے میں تنقیص آمیز گفتگو کرتا ہے۔

خطیب بغدادی کا امام اعظم پر بڑا اعتراض

خطیب نے امام ابو حنیفہ پر بڑا اعتراض یہ کیا ہے کہ وہ احادیث کی پیروی نہیں کرتے اور صریح حدیثوں کی مخالفت کرتے ہیں، اکثر محدثین، فقہاء مجتہدین کے بارے میں عام طور پر یہی اعتراض کرتے ہیں کہ وہ احادیث کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کی پیروی نہیں کرتے، آثار پر رائے کو مقدم رکھتے ہیں، محدثین کہتے ہیں کہ جب حدیث آجائے تو رائے باطل ہو جاتی ہے، اور بعض تو سرے سے قیاس کا انکار کرتے ہیں، امام شعبی فرماتے ہیں کہ فقہاء تمہیں نبی اکرم ﷺ کی حدیث بیان کریں تو اسے قبول کر لو اور اپنی رائے سے جو کچھ بیان کریں اسے کوڑے کرکٹ میں پھینک دو، اس قسم کی باتیں امام ابو حنیفہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ ۱

لیکن فقہاء نے اس سلسلے میں تفصیلات بیان کی ہیں، احادیث کی کئی قسمیں ہیں، ان کی جانچ پرکھ اور تصحیح ضروری ہے، اسی طرح یہ جاننا ضروری ہے کہ کونسی حدیث ناسخ اور کونسی منسوخ ہے؟ اس سے پہلے اس مسئلے کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے، اس لئے ہم اسے دوبارہ بیان نہیں کرتے۔ متقدمین مثلاً ابراہیم نخعی اور حضرت ابن مسعود کے دوسرے شاگرد اجتہاد کرتے تھے اور قیاس کے قائل تھے، تاہم امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں نے اجتہاد اور قیاس سے زیادہ کام لیا، یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ آپ کو امام ابو حنیفہ پر کیا اعتراض ہے؟ انہوں نے فرمایا: "وہ قیاس سے کام لیتے ہیں" انہیں کہا گیا کہ "کیا امام مالک قیاس نہیں کرتے"؟ انہیں پوچھا گیا کہ "کیا قیاس کرنے والے کا اس سلسلے میں معین حصہ ہے"؟ (یعنی جس قدر امام مالک قیاس کرتے ہیں اس کے مطابق ان پر بھی اعتراض ہونا چاہیے) تو امام احمد خاموش ہو گئے، لیث بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک کے ستر مسئلے

۱۔ (بلکہ دیگر ائمہ مجتہدین کے بارے میں بھی کہی جاتی ہیں ۱۲ قادری)

شمار کیے، جن میں انہوں نے قیاس پر عمل کیا، اور یہ تمام مسائل رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مخالف ہیں، پھر امام لیث نے امام مالک پر رد کیا، یہ سب تکلف اور تعصب ہے، غالباً امام مالک امام لیث سے احادیث کا زیادہ علم رکھتے تھے اور اس فن میں ان سے زیادہ ماہر تھے۔ یہی حال امام ابو حنیفہ کا ہے (کہ وہ لیث سے زیادہ علم رکھتے تھے)

خطیب کا امام اعظم پر بہتان وافتراء

حق یہ ہے کہ خطیب وغیرہ کا یہ کہنا کہ امام ابو حنیفہ احادیث اور اخبار کی بجائے قیاس اور رائے پر عمل کرتے تھے بہتان اور افتراء ہے، امام اعظم اور ان کے شاگرد اس سے بری ہیں، وہ صرف اس وقت قیاس کرتے ہیں جب حدیث موجود نہ ہو، یہی حال تمام مجتہدین کا ہے، البتہ یہ ممکن ہے کہ مجتہد سے خطا واقع ہو جائے، لیکن یہ دوسری بات ہے، خطیب نے بیان کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کی کتابوں کا مطالعہ جائز ہے یا نہیں ؟ تو انہوں نے فرمایا : نہیں، یہ خود خطیب کے اپنے اس بیان کے خلاف ہے کہ ابراہیم حزمی سے مروی ہے کہ ایک دن امام احمد نے چند دقیق مسائل بیان کئے، ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ مسائل کہاں سے لئے ہیں ؟ تو انہوں نے فرمایا : محمد بن حسن (امام ابو حنیفہ کے شاگرد) کی کتابوں سے، جب امام احمد خود ان کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، اور ان سے استفادہ کرتے تھے تو انہوں نے دوسروں کو کیسے منع کیا؟ حالانکہ صاحب مسند کے بیان کے مطابق امام احمد، امام ابو حنیفہ کی مخالفت چند ایسے مسائل میں کرتے ہیں جن میں وہ امام شافعی وغیرہ کی بھی مخالفت کرتے ہیں، خطیب نے امام احمد کے بارے میں اس سے بھی زیادہ طعن کیا ہے، حالانکہ امام احمد کے بارے میں کسی نے بھی طعن نہیں کیا، خطیب نے کئی مقامات پر ان کی تعریف بھی کی ہے۔

۱۔ محمد بن محمود الخوارزمی، الامام : جامع المسانید، ص ۶۳-۶۴

خطیب کی گفتگو میں تناقض ہے

اسی طرح خطیب نے اپنی بعض کتابوں (بلکہ خود تاریخ بغداد) میں امام ابو حنیفہ کی مدح و ثناء بھی کی ہے - اس کے اپنے کلام میں تناقض ہے، غالباً یہ شخص نسیان اور ذہول (بھول جانے) میں مبتلا تھا، یا جنون اور خبط کا مریض تھا، اسے کچھ یاد رہتا تھا اور کچھ بھول جاتا تھا، یا ہر جگہ اپنی اور اپنے پیروکاروں کی خواہشات کے مطابق کلام کرتا تھا، جیسے کہ دنیاداروں کی عادت ہے کہ اپنی نفسانی اغراض اور فاسد نیتوں کے مطابق گفتگو کرتے ہیں، یا امام ابو حنیفہ کی تعریف اس لئے کرتا تھا تاکہ لوگوں کو دکھائے کہ وہ متعصب نہیں ہے، یا ان کی تعریف کرتا تھا اور خیر خواہی کا اظہار اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتا تھا، اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے-

وَلَوْ رَمَا هَا بِاَبَا قُبَيْس پر اعتراض

ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص (خطیب بغدادی) معاند ہے، اس کے نفس نے اسے اس انداز پر ابھارا، یہاں تک کہ وہ انکار کرنے، عیب اور نقصان تلاش کرنے میں اس حد تک پہنچا کہ اس نے بھاری چیز کے ساتھ قتل کرنے کے مسئلے میں امام اعظم کے اس قول پر بھی اعتراض کیا ولو رَمَاهُ بِابَا قُبَيْس، اگرچہ دوسرے شخص کو ابو قبیس (مکہ معظمہ کا پہاڑ) دے مارے - اس نے کہا کہ لغت عربی کے اعتبار سے یہ غلط ہے - صحیح یہ ہے کہ بِاَبِی قُبَيْسٍ کہتے، ایسے کلام پر اعتراض کرنے کا کیا مطلب ہے؟ جس شخص نے امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے وہ ان کے نحو میں تبحر کا اعتراف کرتا ہے، مثلاً ابن جنی، سیرافی اور ابو علی فارسی سب نے ائمہ احناف کی نحو میں دسترس اور بلند مرتبہ پر فائز ہونے کی گواہی دی ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ اہل حرمین کی لغت ہے، ان کے ایک شاعر نے کہا ہے:

اِنَّ اَبَاهَا وَاَبَا اَبَاهَا   قَد بَلَغَا فِی المَجدِ غَایَتَاهَا

"بے شک اس خاتون کا باپ اور دادا، دونوں بزرگی کی دونوں انتہاؤں (یعنی ابتداء سے انتہا) کو پہنچے ہیں"

(عام لغت کے مطابق اَبَا اَبِیہَا اور غَایَتَیہَا ہونا چاہیے ۱۲ قادری)

سیبویہ نے کہا کہ اسی لغت کے مطابق قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّ ھٰذَا نِ لَسَاحِرَانِ یعنی یاء کی جگہ الف لایا گیا ہے (عام لغت کے مطابق اِنَّ ھٰذَینِ ہونا چاہیے ۱۲ قادری) بعض اوقات اس آیت میں ضمیر شان مقدر قرار دی جاتی ہے، (اس اعتبار سے ھٰذَانِ اسم اِنّ نہیں بلکہ مبتدا ہے اور لَسَاحِرَانِ اس کی خبر ہے ۱۲ قادری)

صاحب المسند نے فرمایا: میں نے امام المسلمین والمؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلم کی تحریر مصر کے علاقے میں حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد کے پاس دیکھی، جو انہیں ان کے آباء سے ورثے میں ملی تھی، یہ تحریر انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے حکم پر لکھی تھی، اس میں لکھا ہوا تھا

اِنَّهُ اَقطَعَ النَّبِیُّ صلی اللّٰہ عَلَیهِ وَسَلَّم جیرُونَ کذا و کذا قُرًی مِنَ الشَّامِ مِنهَا قَریَةُ الخَلِیلِ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

"نبی اکرم ﷺ نے جیرون (کے لوگوں) کو شام کے فلاں فلاں گاؤں عنایت فرمائے ان میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا قریہ (گاؤں) بھی ہے"

یعنی تمیم داری اور ان کے بھائیوں کو یہ گاؤں عطا فرمائے

آخر میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قلم سے لکھا

کَتَبَهُ عَلِیُّ بنُ اَبُو طَالِبٍ وَشَهِدَ بِذٰلِكَ اَبُو بَكرِ بنُ اَبُو قُحَافَةَ وَ فُلَانٌ وَ فُلَانٌ

وَمُعَاوِیَۃُ بن ابو سُفیان

"اسے علی بن ابو طالب نے لکھا، اس پر گواہی دی ابو بکر بن ابو قحافہ اور فلاں فلاں اور معاویہ بن ابو سفیان نے"

امیر المؤمنین حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ کے بعد عرب کی فصیح ترین شخصیت ہیں، انہوں نے لکھا ابو طالب ابو قحافہ اور ابو سفیان (واؤ کے ساتھ حالانکہ عام قاعدے کے مطابق ابی طالب ہونا چاہیے تھا ۱۲ قادری) کیونکہ یہ اسماء اسی طرح مشہور تھے، لہذا انہیں تبدیل نہیں کیا، امام ابو حنیفہ پر کیا اعتراض ہے؟ اگر انہوں نے بِاَبَا قُبَیس کہہ دیا، کیونکہ پہاڑ کا نام اسی طرح مشہور تھا اس لئے عامل کی بنا پر اسے تبدیل نہیں کیا، امام حافظ شمس الدین، ابن جوزی کے پوتے نے کہا کہ یہ امام ابو حنیفہ پر افتراء ہے، ان سے بِاَبِی قُبَیس ہی منقول ہے۔ نقل کرنے والے ثقہ حضرات نے اسی طرح کہا ہے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

خطیب کی تحریف

اس سے بھی زیادہ عجیب وہ حکایت ہے جو اس شخص سے نقل کی گئی ہے کہ امام ابو حنیفہ کہا کرتے تھے کہ لو رآنی النَّبیُّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لَاَخَذَ بِکَثِیرٍ مِنْ اَقْوَالِی۔ "اگر نبی اکرم ﷺ مجھے دیکھ لیتے تو میرے بہت سے اقوال کو اختیار کر لیتے" صاحب المسند نے کہا کہ یہ خطیب کا رد و بدل (تحریف) ہے، اس نے غلطی کی اور رسوائی مول لی، امام ابو یوسف کی روایت یہ ہے کہ جب عثمان بتّی (پہلے ایک نقطے والی باء، پھر دو نقطے والی تاء) ظاہر ہوا اور اس نے اصول کے بارے میں اپنا مذہب ظاہر کیا، امام ابو حنیفہ کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے فرمایا: لو کَانَ البَتِّیُّ رَآنِی لَاَخَذَ بِکَثِیرٍ مِنْ اَقْوَالِی "اگر بتّی مجھے دیکھ لیتا تو میرے بہت سے

---

[1] محمد بن محمود الخوارزمی، الامام: جامع المسانید ص ۵۲-۵۳

اقوال کو اپنا لیتا" [1]، اس شخص (خطیب) کو معلوم نہیں کہ کوئی عقل مند ایسی بات کس طرح کہہ سکتا ہے؟ (کہ اگر نبی اکرم ﷺ مجھے دیکھ لیتے تو میرے بہت سے اقوال کو اختیار کر لیتے ۱۲ قادری) حالانکہ اسے اعتراف ہے کہ امام ابو حنیفہ صاحب عقل و دانش تھے، بالفرض اگر یہ قول صحیح ہو تو ممکن ہے ان کی مراد دنیاوی امور ہوں، کیونکہ نبی اکرم ﷺ دنیاوی امور میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا کرتے تھے۔

امام اعظم کا بعض مسائل میں رجوع

خطیب نے یہ بھی کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے بعض حدیثوں پر عمل کیا پھر ان سے رجوع کر لیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ باطل پر ڈٹے رہنے سے حق کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے، جب امام ابو حنیفہ پر ظاہر ہو گیا کہ وہ احادیث منسوخ ہیں یا متروک ہیں یا مرجوح ہیں یا قرآن پاک کے مخالف ہیں تو ان سے رجوع واجب تھا، باطل پر اصرار کرتے ہوئے اور جاہ و منزلت کی حفاظت کی خاطر ان پر قائم رہنا جائز نہ تھا، خطیب بغدادی امام اعظم کی مذمت کرنا چاہتا تھا (اور بے خبری میں) ان کے تقویٰ اور دیانت کی اور باطل پر اصرار نہ کرنے کی صفت بیان کر کے ان کی تعریف کر گیا، پھر اس شخص کو معلوم نہیں ہے کہ اگر امام ابو حنیفہ نے اپنے بعض اقوال سے رجوع کیا ہے تو امام شافعی نے اس سے کہیں زیادہ اپنے قدیم اقوال سے رجوع کیا ہے، اسی طرح امام مالک نے کیا، اور یہ ان کی دیانت، تقویٰ اور حق کے اختیار کرنے کی دلیل ہے رحمہم اللہ تعالیٰ

ایسے اقوال کثیر ہیں جن کا خطیب نے سہارا لیا ہے اور جن کی بنا پر امام ابو حنیفہ پر اعتراض کیا ہے، صاحب مسند نے اس کے اقوال نقل کر کے صحیح جواب دیے ہیں، دیگر علماء نے بھی اس پر رد کیا ہے اور اس سلسلے میں کئی کتابیں لکھی ہیں، اس

---

[1] محمد بن محمود الخوارزمی، الامام: جامع المسانید ص ۶۳-۶۲

نے کچھ بے سروپا باتیں بھی کہی ہیں جن کے بارے میں معاملہ واضح ہے، سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے۔

جامع الاصول اور فضائل امام اعظم

امام اعظم کے مناقب اگرچہ بکثرت بیان کیے گئے ہیں، تاہم ابھی بعض مناقب بیان نہیں کیے جا سکے، جامع الاصول کی عبارت میں امام اعظم کے فضائل اجمالی طور پر بیان کر دیے گئے ہیں، وہ فرماتے ہیں: امام اعظم عالم، عابد، زاہد، صاحب ورع، متقی اور شریعت کے علوم کے امام اور پسندیدہ شخصیت تھے، نیز فرمایا کہ اگر ہم ان کے مناقب کی تفصیل بیان کرنا شروع کریں تو گفتگو طویل ہو جائے گی، پھر بھی ہمارا مقصد پورا نہیں ہو سکے گا، امام ابو حنیفہ کی طرف مختلف اقوال منسوب کیے گئے ہیں جن سے ان کا مقام منزہ اور پاک ہے، ان اقوال سے امام اعظم کے بری ہونے کی دلیل وہ شہرہ ہے جو چار دانگ عالم میں پھیلا ہوا ہے، وہ علم ہے جس نے روئے زمین کا احاطہ کیا ہے، لوگوں کا ان کے مذہب کو اختیار کرنا، ان کے قول اور ان کی فقہ کی طرف رجوع کرنا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا مخفی راز نہ ہوتا تو دنیائے اسلام کے آدھے حصے یا اس کے قریب لوگوں کو ان کی تقلید اور ان کے اجتہاد پر عمل پیرا ہونے پر ہمارے زمانے تک جمع نہ فرماتا۔ ان کے مذہب اور عقیدے کے صحیح ہونے کی یہ قوی ترین دلیل ہے، امام ابو جعفر طحاوی آپ کا مذہب اختیار کرنے والے بڑے علماء میں سے ہیں، انہوں نے ایک کتاب لکھی اور اس کا نام رکھا عقیدۃ ابی حنیفۃ اس میں اہل سنت و جماعت کے عقائد بیان کیے ہیں، اور اس میں کوئی ایسی غلط بات نہیں ہے جو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کی جاتی ہو، جامع الاصول کا کلام ختم ہوا۔

امام اعظم کی طرف ارجاء کی غلط نسبت

امام اعظم کی طرف جو ارجاء کی نسبت کی جاتی ہے، اس کلام میں اس کی نفی کی گئی ہے، یہ نسبت مبنی بر حقیقت نہیں ہے، مُرجئہ کے مذہب کی حقیقت یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا، جیسے کفر کے ساتھ کوئی نیکی نفع نہیں دیتی، مرجئہ ارجاء سے مشتق ہے جس کا معنی تاخیر، ترک اور مہمل چھوڑ دینا ہے، وہ عمل کو مرتبے کے اعتبار سے نیت اور عقیدے سے مؤخر قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نیت اور عقیدہ کافی ہے اگرچہ عمل نہ ہو، بعض اوقات اسے رَجاء (امید) سے مشتق قرار دیا جاتا ہے، کیونکہ وہ عمل کو شرط قرار دئے بغیر لوگوں کو اجر و ثواب کی امید دلاتے ہیں، معتزلہ، اہل سنت و جماعت کی طرف ارجاء کی نسبت کرتے ہیں، کیونکہ اہل سنت و جماعت عمل کو بایں معنی مؤخر قرار دیتے ہیں کہ عمل کو حقیقتِ ایمان میں داخل قرار نہیں دیتے اور کبیرہ گناہوں کے مرتکب کے لئے عمل کے بغیر رحمت اور مغفرت کی امید رکھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ بندۂ مومن (گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہونے کے باوجود) ایمان سے خارج نہیں ہوتا، اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والے ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے، اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا بخش دے گا، لیکن اہل سنت گناہگاروں کے لئے عذاب ثابت کرتے ہیں اور اس کے نقصان سے ڈرتے ہیں، وہ امید اور خوف کے درمیان ہیں، ان کے نزدیک عمل ایمان کی جزء نہیں ہے، جیسے معتزلہ کہتے ہیں، اسی اعتبار سے وہ کہتے ہیں کہ ایمان زائد اور ناقص نہیں ہوتا، یہ بات امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ عمل ایمان کی جزء نہیں ہے، حتّٰی کہ عمل کی زیادتی سے زیادہ اور کمی سے ناقص ہو، ہاں اہل سنت کے نزدیک عمل ایمان کامل میں داخل ہے۔

تفصیل کلام یہ ہے کہ سلف صالحین کے نزدیک یہ امر ثابت ہے کہ ایمان دل کی تصدیق، زبان کے اقرار اور ظاہری اعضاء کے عمل کا نام ہے، بعض اوقات یوں کہا جاتا ہے کہ ایمان قول اور عمل کو کہتے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی، صحیح بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں کہ دیلمی، مسند الفردوس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں، امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو ضعیف سند سے روایت کیا کہ ایمان دل کے عقیدے، زبان کے اقرار اور ظاہری اعضاء کے عمل کا نام ہے۔ امام احمد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث روایت کرتے ہیں کہ ایمان زائد اور ناقص ہوتا ہے، امام طبرانی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ان الفاظ سے روایت کرتے ہیں کہ ایمان دل کی معرفت، زبان کے قول اور ارکان کے عمل کا نام ہے، (الخ) بعض لوگوں نے اسے حدیث (نبی اکرم ﷺ کا فرمان) قرار دیا ہے، حالانکہ محققین کے نزدیک اس طرح نہیں ہے، نبی اکرم ﷺ سے اس سلسلے میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے، یہ صحابۂ کرام اور تابعین کے اقوال ہیں، بعض اوقات یہ قول محدثین کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ ان کا مذہب ہے، جیسے صاحب مواقف نے فرمایا، اور یہ خطا ہے، محدثین کا مذہب وہی ہے جو اہل سنت و جماعت کا ہے

حدیث شریف میں ہے

لَا یَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِی وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ الشَّارِبُ حِیْنَ یَشْرَبُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ

”زنا کرنے والا زنا نہیں کرتا اس حال میں کہ وہ مومن ہو، چوری کرنے والا چوری نہیں کرتا اس حال میں کہ وہ مومن ہو اور شراب پینے والا شراب نہیں پیتا اس حال میں کہ وہ مومن ہو۔

اس حدیث کے بارے میں صاحب مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ (امام بخاری) نے فرمایا کہ یہ شخص کامل مومن نہیں ہوگا اور اس کے لئے ایمان کا نور نہیں ہوگا، یہ امام بخاری کے الفاظ ہیں، صاحب مشکوٰۃ کا کلام ختم ہوا [1]

ہاں بعض اوقات محدثین کے اقوال سے اس بات کا وہم ہوتا ہے (کہ یہ محدثین کا مذہب ہے) مثلاً امام بخاری اپنی صحیح کے ابواب کے عنوانات میں فرماتے ہیں اَلصَّلٰوۃُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالزَّکٰوۃُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْجِھَادُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ

"نماز، زکوٰۃ، جہاد اور حیاء ایمان میں سے ہیں، لیکن ان کی مراد ایمانِ کامل ہے"،

بخاری شریف کے شارحین نے اس کی تصریح کی ہے، شیخ (ابن حجر) فتح الباری میں فرماتے ہیں سلف صالحین نے فرمایا: "ایمان دل کا عقیدہ، زبان کا اقرار اور ظاہری اعضاء کا عمل ہے"، ان کی مراد یہ ہے کہ اعمال ایمان کامل کی شرط ہیں، برخلاف معتزلہ کے کہ ان کے نزدیک اعمال ایمان کے صحیح ہونے کی شرط ہیں، امام ابو حنیفہ گناہوں کے باوجود ایمان ثابت کرتے ہیں، جیسے کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے امام ابو حنیفہ کی طرف ارجاء کی نسبت کی ہے، معتزلہ تمام اہل سنت و جماعت کی طرف ارجاء کی نسبت کرتے ہیں، صاحب کشاف (زمخشری معتزلی) انہیں مرجئہ کا نام دیتے ہیں، یہ امام ابو حنیفہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ابتدائی دور میں ارباب بدعت اپنے مذہب کی ترویج کے لئے اپنے باطل مذاہب کو ائمہ کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ امام ابو حنیفہ کی طرف ارجاء کی نسبت بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

---

[1] محمد بن عبداللہ الخطیب ابو عبداللہ: مشکوٰۃ شریف عربی (کراچی) ص ۱۷

ارجاء کی اقسام

دراصل ارجاء کی دو قسمیں ہیں

(۱) عمل کو معنیٔ ایمان سے خارج کرنا اور یہ کہنا کہ گناہوں پر عذاب مرتب نہیں ہوتا اور عمل کے ترک کرنے سے بالکل نقصان نہیں ہوتا، یہ ارجاء حقیقی اور یہی مُرجیہ کا مذہب ہے

۲- عمل ایمان کی حقیقت سے خارج ہے، یعنی گناہوں کے سبب نفسِ ایمان معدوم نہیں ہو جاتا بلکہ ایمان ناقص ہو جاتا ہے، کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والا کافر اور دائمی جہنمی نہیں ہوگا- ایمان کامل وہ ہے جو اعمال صالحہ کے ساتھ جمع ہو، سلف صالحین جو ایمان کو تین چیزوں ☆ (۱) دل کی تصدیق ☆ (۲) زبان کے اقرار اور ☆ (۳) ظاہری اعضاء کے عمل کا مجموعہ قرار دیتے ہیں، ان کی یہی مراد ہے، ان کا مقصد لوگوں کو ترغیب دینے کے لئے ایمان کامل کا بیان کرنا، عمل اور عمل کے ذریعے ایمان کو مکمل کرنے کی ترغیب ہے، یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے، جیسے کتب عقائد میں ثابت ہو چکا ہے-

قدریہ یعنی معتزلہ کا مذہب

قدریہ (معتزلہ) کا مذہب یہ ہے کہ عمل نفسِ ایمان کی جز ہے، یعنی انسان عمل کے ترک کرنے سے اصلِ ایمان ہی سے نکل جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مومن ہے اور نہ کافر، وہ ایمان اور کفر کے درمیان واسطہ ثابت کرتے ہیں - خوارج اسے کافر قرار دیتے ہیں، اور مُرجیہ کہتے ہیں کہ وہ حقیقۃً مومن ہے، عمل کا اعتبار نہیں ہے نہ تو نفس ایمان کی جز ہے اور نہ ہی ایمان کامل میں داخل ہے- جیسے کہ آپ سمجھتے ہیں یہ ہذیان، زندقہ اور دین میں الحاد ہے - اپنا قول اللہ تعالیٰ کے نیک

بندوں اور اللہ تعالیٰ کے دین کے اماموں کی طرف کیسے منسوب کیا جاسکتا ہے؟ اس کی نسبت تو معمولی عقل اور دین کا معمولی فہم رکھنے والے کی طرف بھی نہیں کی جاسکتی، امام ابو حنیفہ تو عمل میں کما حقہ، مبالغہ کرتے تھے جیسے کہ ان کی عبادت اور تقویٰ سے ثابت ہے، وہ اس کے کس طرح قائل ہو سکتے ہیں؟ ہاں ان کا عقیدہ اور مذہب یہ ہے کہ بے عمل صاحبِ ایمان ہو گا، جیسے کہ تمام اہل سنت کا مذہب ہے۔

کبھی دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ ممکن ہے جنہیں مُرجئہ کہا جاتا ہے، ان کی مراد اور ان کا مقصد بھی تصدیق قلبی کی تعریف میں مبالغہ کرنا ہو، اور وہ یہ کہنا چاہتے ہوں کہ تصدیق قلبی کا یہ مقام ہے کہ اگر اس کے ساتھ عمل نہ بھی ہو تو فائدے سے خالی نہیں ہے، اور انہوں نے اس سلسلے میں شریعت میں عمل کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اصرار اور مبالغہ سے کام لیا ہو ان کا نام مُرجِئہ رکھ دیا گیا ہو، رہی یہ بات کہ عمل کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں ہے، متقی اور گنہگار دونوں برابر ہوں، جیسے کہ (حقیقی) مرجئہ کہتے ہیں تو یہ ہرگز صحیح نہیں ہے، یہ ظاہر و باہر ہے، کسی معمولی سی عقل والے کے لئے لائق نہیں کہ اس کا قائل ہو۔

غسان کا امام اعظم پر افتراء

مواقف میں ہے کہ چوتھا فرقہ مرجئہ ہے، کیونکہ وہ عمل کو نیت سے مؤخر قرار دیتے ہیں، یا اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا جس طرح کفر کے ساتھ کوئی اطاعت فائدہ نہیں دیتی، وہ عام آدمی کو امید کا سہارا دیتے ہیں، غسان یہ عقیدہ امام ابو حنیفہ سے نقل کرتا تھا اور انہیں مرجئہ میں شمار کرتا تھا، یہ امام اعظم پر افتراء ہے غسان ایک بڑے اور مشہور عالم کی موافقت کے حوالے سے اپنے مذہب کو رائج کرنا چاہتا تھا، آمدی نے کہا کہ اس کے باوجود اصحاب

مقالات نے امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کو اہل سنت کے مرجۂ میں سے شمار کیا ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ ابتدائی دور میں اپنے مخالفین کو مرجۂ کے لقب سے یاد کرتے تھے، یا اس لئے کہ جب امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ ایمان تصدیق قلبی ہے، نہ زائد ہوتا ہے اور نہ ہی ناقص ہوتا ہے تو ان کے بارے میں گمان کیا گیا کہ وہ عمل کو ایمان سے مؤخر قرار دیتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے، جب کہ عمل میں مبالغہ اور اس میں ان کی کوشش معلوم ہے، اسی طرح شرح مواقف میں ہے[1]۔ اس سے مقصد پوری طرح واضح ہو جاتا ہے، خوب اچھی طرح غور کیجئے! اس سے زیادہ تفصیل نہیں کی جاسکتی۔

صاحب مسند نے ایک عجیب حکایت ایسی جگہ بیان کی ہے جس سے نظر ظاہر میں امام ابو حنیفہ کی طرف ارجاء کی نسبت کا وہم کیا جاسکتا ہے، حالانکہ معمولی فہم والے انسان کو بھی یہ وہم نہیں ہونا چاہیے، وکیع کا بیان ہے کہ سفیان ثوری، محمد بن عبدالرحمن، ابن ابی لیلیٰ، شریک، حسن بن صالح اور ابو حنیفہ ایک جگہ جمع تھے ان علماء نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا کہ "آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ جس نے اپنے باپ کو قتل کیا، اپنی ماں سے زنا کیا، اور اپنے باپ کی کھوپڑی میں شراب پی، کیا وہ ایمان سے نکل جائے گا"؟ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: "نہیں"، سفیان نے کہا "میں آپ سے کبھی کلام نہیں کروں گا"، ابن ابی لیلیٰ نے کہا "میں کبھی آپ کی شہادت قبول نہیں کروں گا"، شریک نے کہا کہ "اگر مجھے اقتدار مل گیا تو میں آپ کے ساتھ وہ کچھ کروں گا جو کر سکوں گا"، حسن بن صالح نے کہا: "مجھ پر آپ سے بالمشافہ گفتگو حرام ہے"۔ صاحب مسند کہتے ہیں کہ خطیب اس واقعے سے امام ابو حنیفہ پر طعن و تشنیع کرنا چاہتا تھا، لیکن ان کی فضیلت اور حق گوئی کا اظہار کر بیٹھا، اس کے ساتھ

---

[1] علی بن محمد جرجانی، میر سید شریف: شرح مواقف (طبع ایران) ج ۸ ص ۳۹۷

ہی باقی مذکورہ چاروں اماموں کی مذمت کر ڈالی، کیونکہ گناہ کبیرہ کی بنا پر اس کے مرتکب کو ایمان سے خارج قرار دینا معتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے، اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ وہ مطلق ایمان سے خارج اور کافر نہیں ہو جاتا، لہذا امام ابو حنیفہ نے جو کچھ فرمایا وہ حق ہے، اور دوسرے مذکورہ علماء نے جو کچھ کہا وہ معتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے، اس لئے ان کا اعتراض معتبر نہیں ہے، انہوں نے جو کچھ کہا حسد کی بنا پر کہا، امام ابو حنیفہ ان سے بڑے عالم اور فقیہ ہیں۔[1]

میں (شیخ محقق) کہتا ہوں کہ غالباً انہوں نے اس قول کو بعید جانتے ہوئے امام ابو حنیفہ پر اعتراض کیا، ان کا مقصد یہ تھا کہ مطلقاً اس طرح نہیں کہنا چاہیے، کیونکہ یہ قول عوام کو نقصان دے گا، جیسے کہ معتزلہ بھی ہمیں یہی کہتے ہیں کہ تم نے عمل کو بگاڑ دیا اور عوام کو گناہوں پر دلیر کر دیا ہے، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ مذکورہ علماء نے اپنے ابتدائی دور میں اختلاف کو دیکھتے ہوئے یہ گفتگو کی ہو، جب کہ ابھی مذاہب کی تحریر اور تحقیق نہیں ہوئی تھی، تاہم انہیں یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ ایسے کلمات سے امام ابو حنیفہ پر طعن و تشنیع کرتے، امام ابو حنیفہ اپنے زمانے کے امام تھے انہیں حق پہنچتا تھا کہ وہ حق کو برملا بیان کرتے، اس کی تائید کرتے اور اُن علماء کے استبعاد کی پروانہ کرتے، کئی دل ایسے ہوتے ہیں جو مذہب قدریہ کے شائبہ سے خالی نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے، اور راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

وصل (۷)

جامع المسانید

یاد رہے کہ امام ابو حنیفہ کی ایک مسند ہے جو انہوں نے تابعین سے سنی اور ان کے شاگردوں نے ان سے متعدد طریقوں سے روایت کی، ان کی مجموعی تعداد

---

[1] محمد بن محمود الخوارزمی: جامع المسانید ص ۵۷

پندرہ تک پہنچتی ہے، مسند کی سند امام اعظم کے شاگردوں مثلاً ☆امام ابو یوسف، ☆امام محمد، ☆حسن بن زیاد، ☆حماد بن ابی حنیفہ اور دیگر تلامذہ تک پہنچتی ہے، ہمارے پاس جو مسند ہے اس کے مؤلف اپنی سند ان تلامذہ تک چار یا اس سے زیادہ واسطوں سے پہنچاتے ہیں، انہوں نے بعض روایات علامہ ابن جوزی کے پوتے شیخ شمس الدین سے اور بعض (ابن جوزی کے پوتے) شیخ یوسف سے لی ہیں، ابن جوزی کی ولادت پانچ سو دس میں اور وفات پانچ سو ستانوے میں ہے (یعنی وہ چھٹی صدی ہجری کے عالم ہیں) اس سے صاحب مسند کا زمانہ معلوم کیا جا سکتا ہے (وہ ساتویں صدی ہجری کے عالم ہیں) ہمارے پاس مسند کا جو نسخہ ہے، اس کے چند ابتدائی اوراق غائب ہیں، اس لئے مؤلف کا نام و نسب، حال اور ولادت و وفات کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی، جسے یہ معلومات حاصل ہو جائیں وہ اس رسالے میں لکھ دے، اللہ تعالیٰ اسے ہماری طرف سے جزاء خیر عطا فرمائے۔ ۱

یہ اکابر علماء اور فقہاء اس مسند کی روایت کرتے تھے اور اس کی سند بیان کرتے تھے، علامہ ابن جوزی اور ان کے متبعین حنبلی ہیں، شیخ یوسف جن کا ابھی ذکر

ا۔ "جامع المسانید" امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پندرہ مسندوں کا مجموعہ احادیث ہے، اس کے مرتب امام علامہ محمد بن محمود بن محمد بن حسن، امام ابو المؤید خوارزمی خطیب ہیں، سن ۵۹۳ھ میں پیدا ہوئے، امام نجم الدین طاہر بن محمد حفصی سے علم فقہ حاصل کیا اور خوارزم میں علم حدیث حاصل کیا، حج کے لئے جاتے ہوئے بغداد شریف گئے، پھر حج کیا اور حرمین شریفین میں مقیم رہے، مصر کے راستے واپس ہوئے اور دمشق میں قیام کے دوران درس حدیث دیا، پھر بغداد چلے گئے اور درس و تدریس میں مصروف رہے، یہاں تک کہ سن ۶۵۵ھ میں دار فانی سے رحلت فرما گئے، رحمہ اللہ تعالیٰ دیکھئے "جواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ" از امام علامہ محدث ابو محمد عبد القادر القرشی رحمہ اللہ تعالیٰ (طبع حیدرآباد، دکن) ج ۲، ص ۱۳۲۔۔۔۔۔۔ الحمد للہ! جامع المسانید کے مؤلف کا تذکرہ بیان کر کے راقم کو حضرت شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دعا حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ ۱۲ شرف قادری

ہوا ہے، انہوں نے ایک کتاب لکھی اور اس کا نام:

اَلسَّھمُ المُصِیبُ فِی الرَّدِّ عَلَی الخَطِیبِ

(خطیب پر رد کے سلسلے میں نشانے پر بیٹھنے والا تیر)

شام کے ایک سلطان عیسٰی بن الملک العادل ابی بکر بن ایوب نے خطیب پر رد کے سلسلے میں ایک موزوں کتاب لکھی،[1] ابن جوزی فقہ، حدیث، قصص و اخبار (تاریخ) کے بڑے عالم اور کثیر التالیفات مصنف تھے، کاش انہوں نے مشائخ صوفیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم پر انکار اور رد نہ کیا ہوتا، ہم نے علامہ ابن جوزی کے حالات اپنی کتاب اسماء الرجال میں بیان کیے ہیں، اس رسالے کی پہلی قسم، قسم تصوف میں بھی ان کا ذکر کیا جا چکا ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے حالات پر آگاہی کے سبب ان کے مذہب کی طرف مائل تھے، یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ امام اعظم کا مذہب اکثر طور پر امام احمد بن حنبل کے مذہب کے موافق ہے، پندرہویں مسند میں ہے کہ اکثر طور پر ہمیں خبر دی طریقت کے شیخ المشائخ اور اصحاب حقیقت کے امام نجم الدین ابو الجناب احمد بن عمر الخوارزمی، شیخ نجم الدین الکبرٰی کے مرید نے، پھر مسند کو فقہ اور حدیث کے طریقے پر کتب اور ابواب پر مرتب کیا، اور اس میں وہ حدیثیں بیان کیں جو امام ابو حنیفہ نے صحابۂ کرام سے سنیں، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ امام اعظم نے صحابۂ کرام اور تابعین سے سنیں، اسی پر کتاب مکمل ہو گئی۔

---

[1] امام علامہ محمد بن یوسف صالحی، مؤلف سیرۃ شامیہ نے بیان کیا کہ سلطان عیسٰی بن سلطان ابو بکر بن ایوب کردی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے اَلسَّھمُ المُصِیبُ فی الرد علی الخطیب (خطیب کے رد میں نشانے پر بیٹھنے والا تیر) اسی طرح حافظ ابو الفرج ابن جوزی کے پوتے ابو المظفر یوسف بن قزعلی نے اپنی تصنیف "الانتصار لامام ائمۃ الامصار" میں خطیب پر رد کیا ہے ـــــ دیکھئے "عقود الجمان" ص ۴۰۲-۱۲ شرف قادری

وصل (۸)

امام اعظم کی وفات سے متعلق بعض امور کا بیان

امام اعظم کے انفرادی فضائل میں یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے بحیثیت مظلوم وفات پائی یا قید کی حالت میں انہیں زہر دی گئی، عبید بن اسمٰعیل سے روایت ہے کہ (خلیفہ وقت) منصور نے امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری اور شریک بن عبداللہ کو اپنے پاس طلب کیا، جب یہ حضرات ان کے پاس پہنچے تو منصور نے کہا کہ میں تمہیں صرف بھلائی کی دعوت دیتا ہوں، اس سے پہلے اس نے تین فرمان لکھے ہوئے تھے۔

☆ سفیان کو کہا کہ یہ تمہارے لئے فرمان ہے تمہیں بصرہ کا قاضی مقرر کیا گیا ہے، یہ لے لو اور بصرہ چلے جاؤ۔

☆ شریک کو کہا کہ تمہیں کوفہ کا قاضی (جج) بنایا گیا ہے، یہ فرمان لے لو اور کوفہ پہنچ جاؤ،

☆ امام ابو حنیفہ کو کہا کہ تمہیں میں نے اپنے شہر (بغداد) کا قاضی (جج) مقرر کیا ہے، یہ فرمان لے لو اور اپنا منصب سنبھال لو، پھر اپنے دربان کو حکم دیا:

ان کے ساتھ کسی کو بھیج دو، جو انکار کرے اسے سو کوڑے لگاؤ۔

شریک نے اپنے نام کا فرمان لیا اور چلے گئے، سفیان نے فرمان لے لیا اور اسے اپنے ٹھکانے پر چھوڑ کر یمن کی طرف راہِ فرار اختیار کی، امام ابو حنیفہ نے فرمان قبول کرنے سے انکار کر دیا، انہیں سو کوڑے لگائے گئے اور قید کر دیا گیا، قید ہی میں آپ کی وفات ہوئی[1]، بعض حضرات نے بیان کیا کہ امام اعظم نے اپنے آپ کو قضا کی بجائے قلعۂ بغداد کی تعمیر کے لئے لائی جانے والی اینٹوں کی گنتی کی ذمہ داری کے لئے

---

[1] محمد بن محمود الخوارزمی: جامع المسانید ج ۱ ص ۳۸-۳۷

پیش کر دیا[1]، علماء اس بات پر متفق ہیں کہ امام ابو حنیفہ کو منصبِ قضا قبول نہ کرنے پر مارا گیا، آپ نے پھر بھی یہ منصب قبول نہ کیا[2] اور جیل ہی میں آپ کا انتقال ہوا، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ قید میں مارنے سے آپ کی وفات ہوئی یا آپ کو زہر پلائی گئی؟ بعض نے کچھ اور چیزوں کا بھی ذکر کیا ہے، حقیقتِ حال کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

اسی طرح صاحب مسند نے بیان کیا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جعفر دانقی نے آپ کے سامنے منصبِ قضا پیش کیا، جسے قبول کرنے سے آپ نے انکار کر دیا، جعفر نے کہا کہ اگر تم یہ منصب قبول نہیں کرتے تو یہ مشروب (زہر کا پیالہ) پی لو، آپ نے وہ مشروب (بحالتِ مجبوری) پی لیا، لیکن منصب قضا قبول نہ کیا۔

---

[1] حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ابن ہبیرہ نے امام ابو حنیفہ کو کوفہ کا قاضی بنانا چاہا تو آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا: اللہ کی قسم اگر مجھے قتل بھی کر دے تو میں یہ منصب قبول نہیں کروں گا، آپ کو کہا گیا کہ وہ محل تعمیر کرنا چاہتا ہے، آپ اینٹوں کی گنتی قبول کر لیں، امام اعظم نے فرمایا: کہ اگر وہ مجھے کہے کہ میں اس کے لئے مسجد کے دروازے ہی گن دوں تو میں نہیں گنوں گا، دیکھئے ذیل الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۵۰۵-۱۲ اشرف قادری

[2] امام علامہ محمد بن یوسف صالحی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خلیفہ ابو جعفر منصور نے امام ابو حنیفہ کو کوفہ سے بغداد بلایا ہی اس لئے تھا کہ انہیں شہید کر دے، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بصرہ میں ابو جعفر کے خلاف خروج کیا تو اس پر شدید خوف طاری ہو گیا اور اس کا صبر و قرار رخصت ہو گیا، امام ابو حنیفہ کے کچھ دشمنوں نے ابو جعفر منصور کو باور کرایا کہ امام ابو حنیفہ، ابراہیم کی مدد کر رہے ہیں اور انہوں نے انہیں بہت سا مال دیا ہے، امام ابو حنیفہ لوگوں میں بہت معزز تھے اور ان کی بات سنی جاتی تھی، ان کے پاس مال تجارت کی بھی فراوانی تھی، ابو جعفر کو سید ابراہیم کی طرف ان کے میلان سے خوف محسوس ہوا، چنانچہ اس نے امام ابو حنیفہ کو کوفہ سے بغداد طلب کیا، بلاوجہ انہیں قتل کرنے کی جرأت تو نہ کر سکا، البتہ انہیں قاضی بننے کی پیشکش کی، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ امام ابو حنیفہ یہ منصب قبول نہیں کریں گے، آپ نے انکار کیا تو اس نے بہانے سے انہیں شہید کر دیا، امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پندرہ دن قید میں رہے، دیکھئے عقود الجمان ص ۳۵۹-۱۲ شرف قادری

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ہبیرہ کو خواب میں تنبیہ فرمائی

قاضی ابو عبداللہ صیمری نے بیان کیا کہ مروان بن محمد اُموی کے دور میں ابن ہبیرہ نے امام ابو حنیفہ کو کوفہ کا قاضی مقرر کرنا چاہا، آپ نے انکار کر دیا اور یہ منصب مسترد کر دیا، ابن ہبیرہ نے قسم کھائی کہ اگر انہوں نے منصبِ قضا قبول نہ کیا تو ہم ان کے سر پر کوڑے ماریں گے، امام ابو حنیفہ سے اس سلسلے میں بات کی گئی تو انہوں نے فرمایا:

"میرے نزدیک اس کا مجھے دنیا میں مارنا (آخرت میں) لوہے کے گرزوں کی بہ نسبت آسان ہے، اللہ کی قسم! میں یہ منصب قبول نہیں کروں گا اگرچہ مجھے قتل کر دے"۔

ان کی یہ بات ابن ہبیرہ کو پہنچی تو اس نے کہا ان کی تقدیر ہی یہ ہے کہ ان کی آرزو ان کے مقصد کا سامنا کرے (یعنی اگر وہ زندہ رہنا نہیں چاہتے تو یونہی سہی ۱۲ قادری) چنانچہ امام ابو حنیفہ کو بلایا اور براہِ راست ان سے گفتگو کی اور قسم کھا کر کہا کہ اگر انہوں نے منصبِ قضا قبول نہ کیا تو ہم ان کے سر پر اتنے کوڑے ماریں گے کہ وہ فوت ہو جائیں، امام نے اسے کہا کہ مرنا تو ایک دفعہ ہی ہے (کونسا بار بار مرنا ہے؟ یعنی تم ایک دفعہ ہی مار سکتے ہو، ایک دفعہ سے زیادہ موت سے ہمکنار کرنا تمہارے بس میں نہیں ہے ۱۲ قادری) اس نے حکم دیا تو امام اعظم کے سر پر بیس کوڑے مارے گئے، امام اعظم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑے ہونے کا تصور کر، میں جو تیرے سامنے کھڑا ہوں، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تیرا قیام اس سے زیادہ ذلت آمیز ہوگا، مجھے دھمکی نہ دے کیونکہ میں کہتا ہوں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ، اللہ تعالیٰ میرے

بارے میں تجھ سے پوچھے گا اور تیرا وہی جواب قبول کرے گا جو حق ہوگا"

ابن ہبیرہ نے جلاد کو اشارے سے روک دیا، صبح ہوئی تو ضربِ شدید کی بنا پر امام ابو حنیفہ کا چہرہ اور سر سوجا ہوا تھا، ابن ہبیرہ نے کہا کہ مجھے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا:

"کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا؟ تو ہماری امت کے ایک شخص کو بغیر کسی جرم کے مارتا اور اسے دھمکی دیتا ہے"

چنانچہ اس نے امام کو رہا کر دیا اور ان سے معافی مانگی [۱]

پھر منصور عباسی کے دورِ حکومت میں امام اعظم امتحان سے دوچار ہوئے انہیں اسی وقت قید کیا، اور مار آگیا، چنانچہ امام قید ہی میں سجدے کی حالت میں انتقال کر گئے، یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب امام اعظم نے منصبِ قضا کے قبول کرنے سے انکار کیا تو منصور نے ستو منگوائے اور انہیں کہا پیو، امام نے انکار کیا تو اس نے کہا تمہیں پینے پڑیں گے اور پینے پر مجبور کیا، آپ نے پی لئے، پھر جلد ہی اٹھ کھڑے ہوئے، منصور نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ فرمایا: اس محبوب کے پاس جس کے پاس تو نے مجھے بھیجا ہے، یعنی موت کے پاس، کیونکہ آپ نے محسوس کر لیا کہ آپ کو زہر دی گئی ہے، چنانچہ اسی زہر کے اثر سے جیل میں حالتِ سجدہ میں جام شہادت نوش کیا

مروی ہے کہ منصور نے امام ابو حنیفہ کو قاضی بنانے کی پیشکش کی، آپ نے فرمایا: میں اس کے لائق نہیں ہوں، پوچھا کیوں؟ تو آپ نے فرمایا: اگر میں سچا ہوں تو واقعی قاضی بننے کے لائق نہیں ہوں، اور اگر جھوٹا ہوں تو جھوٹا آدمی قاضی بننے کے لائق نہیں ہے، یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو حکم دیا گیا کہ منصبِ قضا قبول کر لیں، آپ نے انکار کیا تو آپ کو نوے کوڑے مارے گئے، جب انہوں نے اپنے

---

[۱] محمد بن یوسف صالحی، امام: عقود الجمان ص ۲۱۳-۲۱۲

زخموں کو دیکھا تو اپنے شاگردوں سے مشورہ کیا، امام ابو یوسف نے مشورہ دیا کہ آپ کو یہ منصب قبول کر لینا چاہیے، اگر آپ قاضی (جج) بن جائیں تو لوگوں کو فائدہ پہنچے گا، امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ اگر مجھے حکم دیا جائے کہ سمندر کو خشک زمین میں تبدیل کر دوں تو قاضی بننے کی نسبت میں اپنے آپ کو اس پر زیادہ قدرت والا پاؤں گا، اور میرا گمان ہے کہ تم قاضی ہو گے (چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا ۱۲ قادری) پھر آپ نے سر جھکا لیا اور شاگردوں کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

ایک روایت میں ہے کہ امام ابو حنیفہ کو تین مرتبہ منصب قضا پیش کیا گیا، آپ نے ہر دفعہ انکار کر دیا، اور ہر دفعہ آپ کو تیس کوڑے مارے گئے، تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے شاگردوں سے مشورہ کروں گا، چنانچہ آپ نے اپنے شاگردوں (امام ابو یوسف اور امام محمد) سے مشورہ کیا، ان دونوں نے تائید کی، لیکن آپ نے ان کا مشورہ پسند نہیں فرمایا، اور انکار کر دیا، یہاں تک کہ آپ کو قید و بند میں ڈال دیا گیا، آپ نے امام ابو یوسف کو فرمایا:

"تم اس وقت تک دنیا سے رخصت نہیں ہو گے جب تک حکومت اور قضا میں مبتلا نہیں ہو گے، اسی طرح امام محمد بن الحسن کو فرمایا۔"

چنانچہ امام ابو یوسف، ہارون الرشید کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بنائے گئے، اور امام محمد کوفہ کے والی بنائے گئے۔

محدث ابن جریج کو امام ابو حنیفہ کی وفات کی اطلاع ملی تو انہوں نے کہا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اور صدمے کا اظہار کیا، یہ بھی فرمایا: "کتنا بڑا علم چلا گیا"؟

امام ابو یوسف انہیں یاد کر کے رویا کرتے تھے، اور کہتے تھے اے ابو حنیفہ! آپ سیم و زر کا بدل تھے، باقی رہنے والوں میں کوئی آپ کا بدل نہیں ہے۔

امام اعظم کی وفات حسرت آیات

امام ابو حنیفہ کی وفات ستر سال کی عمر سن ۱۵۰ھ میں ہوئی، بعض نے کہا رجب میں بعض نے کہا شعبان میں، ایک قول کے مطابق نصف شوال میں وفات ہوئی ایک بیٹے حماد کے علاوہ کوئی اولاد نہیں چھوڑی، بغداد کے قاضی حسن بن عمارہ نے انہیں غسل دیا، عبداللہ بن واقد ہروی نے پانی ڈالا، نماز جنازہ میں لوگوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی، کہا گیا ہے کہ پچاس ہزار افراد نے شرکت کی، ایک قول یہ ہے کہ اس سے بھی زیادہ تعداد تھی، چھ دفعہ نماز جنازہ پڑھی گئی، بعض حضرات نے کہا کہ لوگ بیس دن تک آپ کی قبر پر نماز جنازہ پڑھتے رہے، آپ نے وصیت کی تھی کہ مجھے خیزران کے قبرستان کی مشرقی جانب دفن کیا جائے، کیونکہ یہ پاکیزہ زمین تھی، نہ تو غصب کی ہوئی تھی اور نہ ہی صدقہ کی زمین تھی۔

امام اعظم قول کے سچے اور مقبول دعا والے تھے، ان کی تدفین کے بعد تین راتیں یہ آواز سنی گئی:

ذَهَبَ الْمَقْصُوْدُ فَلَا فِقْهَ لَكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا خُلَفَاءَ

"مقصود چلا گیا، اب تمہارے لئے فقہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور خلیفے ہو"

امام شافعی کا امام اعظم کو وسیلہ بنانا

اصحاب حاجات آپ کی قبر انور کی زیارت کرتے تھے اور اپنی حاجتوں کے پورا ہونے کے لئے آپ کے وسیلے سے دعائیں مانگتے تھے، امام شافعی سے مروی ہے کہ میں امام ابو حنیفہ کے ذریعے سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کے مزار پر حاضری دیتا ہوں، جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں دو رکعت نماز ادا کرتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس آکر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں تو میری حاجت جلد پوری کر دی جاتی ہے۔

یہ بھی ان سے منقول ہے کہ انہوں نے امام اعظمؒ کے مزار کے پاس صبح کی نماز پڑھی تو (اپنے مذہب کے برخلاف) دعائے قنوت نہیں پڑھی، ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو انہوں نے فرمایا: اس قبر والے کے ادب کے پیش نظر ایسا کیا ہے ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ انہوں نے بسم اللہ شریف اونچی آواز سے نہیں پڑھی

ؒ ہو سکتا ہے کہ اس وقت ان کی نظر ان دلائل کی طرف چلی گئی ہو جو دوسری جانب پر دلالت کرتے تھے، اور مسئلہ بھی قطعی نہیں تھا بلکہ قیاسی تھا، جیسے کہ مسائل فقہیہ کی شان ہے۔

امام اعظمؒ کی میت پر آیات بشارت

سماک سے منقول ہے غسل دیتے وقت جب میں نے امام ابو حنیفہؒ کو دیکھا تو میں نے ان کی پیشانی پر ایک سطر لکھی ہوئی دیکھی

یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ (۸۹/۲۸)

اے اطمینان والی جان تو اپنے رب کی طرف لوٹ، تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ان کے دائیں ہاتھ پر ایک سطر لکھی ہوئی دیکھی

ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون (۱۶/۳۲)

"تم جنت میں داخل ہو جاؤ ان اعمال کے سبب جو تم کیا کرتے تھے"۔

اور بائیں ہاتھ پر ایک سطر لکھی ہوئی تھی:

یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان وجنت لھم فیھا نعیم مقیم، خالدین فیھا ابدا ان اللہ عندہ اجر عظیم (۹/۲۱-۲۲)

"ان کا رب انہیں خوشخبری دیتا ہے اپنی رحمت اور رضا کی اور جنتوں کی جن میں ان کے لیے دائمی نعمت ہے، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

ؒ محمد بن یوسف صالحی، امام: عقود الجمان ص ۳۶۳

بے شک اللہ کے پاس ہی عظیم اجر ہے"۔

جب انہیں چارپائی پر لٹایا تو ہاتف نے آواز دی :

یَاقَائِمَ اللَّیْلِ طَوِیْلَ القِیام – یَا صَائِمَ النَّھَارِ خَطِیْرَ الصِّیَامِ

اَبَاحَ لَکَ مَا تَشْرَبُ مِن – جَنَّةِ الخُلدِ وَ دَارِ السَّلَامِ

○—— اے رات کو طویل قیام کرنے والے! اے دن کے وقت کثرت سے روزے رکھنے والے!

○—— تمہارے لئے مباح کردیا ہے تم جنت الخلد اور دار السلام سے جو چاہو پیو!

امام اعظم کی کرامتوں اور فراستوں کے سلسلے میں بہت سی اشیاء بیان کی جاتی ہیں جو ان کے فضل و کمال پر دلالت کرتی ہیں

اسمٰعیل بن ابی رجاء سے مروی ہے کہ میں نے امام محمد بن حسن کو خواب میں دیکھا میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا : مجھے بخش دیا اور فرمایا : اگر میر اارادہ تمہیں عذاب دینے کا ہوتا تو یہ علم تمہارے سینے میں نہ رکھتا، میں نے پوچھا کہ امام ابو یوسف کہاں ہیں انہوں نے فرمایا : "میرے اور ان کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہے" میں نے پوچھا کہ "امام ابو حنیفہ کہاں ہیں"؟ انہوں نے فرمایا : "دور بہت دور، اعلیٰ علیین میں ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے، ان کے شاگردوں اور تبعین سب سے راضی ہو۔"

وصل (۹)

ائمہ ثلاثہ کے مناقب

یہ امام اعظم کے مناقب تھے جو ضبطِ تحریر میں آئے، ائمہ ثلاثہ کے فضائل بھی بکثرت ہیں، وہ سب ہدایت کے مینار تھے، اصحاب علم اور ارباب ورع و تقویٰ تھے،

دین کے راستوں پر چلنے میں بھرپور کوشش کرنے والے، حق کے طلب کرنے میں اپنی جدو جہد صرف کرنے والے، امن والے اور محفوظ تھے، مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے امین تھے، اگرچہ ان کے درجات اور مراتب میں فرق تھا، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور مسلمانوں کی طرف سے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، جب امام اعظم کے مناقب میں گفتگو چل نکلی، کلام طویل ہو گیا اور مقصد (اختصار) دور ہو گیا اس رسالے میں محض ائمہ کرام کا ذکر مقصد بھی نہ تھا، البتہ امام اجل واکرم امام احمد بن حنبل کے مناقب کے بیان کرنے سے ایک صحیح غرض متعلق ہے اور وہ یہ کہ سیدناو شیخناو مولانا قطب ربانی، غوث صمدانی شیخ محی الدین ابو محمد عبدالقادر حسنی جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز ان کے مذہب پر تھے، اس لئے ہم نے ان کے کچھ فضائل برکت حاصل کرنے، امانت کا حق ادا کرنے، اور محفوظ کرنے کے لئے بیان کیے ہیں، کیونکہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے، اور محبوب کی رضا ہمیں اور حق کے تمام طلبگاروں کو اس چیز کی اجازت دیتی ہے جو مطلوب اور مرغوب ہے، اسلئے ہم کہتے ہیں

وصل (۱۰)

امام احمد بن حنبل کے حالات و مناقب

وہ امام مقتدیٰ ابو عبداللہ احمد بن حنبل بن ہلال بن اسد شیبانی بغدادی ہیں ان کا نسب ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان سے ہوتا ہوا حضرت اسمٰعیل بن ابراہیم علیہما السلام تک پہنچتا ہے، امام احمد کا قد لمبا اور رنگ گہرا گندم گون تھا، ماہ ربیع الاول سن ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے، اور (بغداد شریف) میں سن ۲۴۱ھ میں جمعہ کے دن صبح کے وقت فوت ہوئے، عصر کے بعد انہیں سپرد لحد کیا گیا، اس وقت ان کی عمر ۷۷ سال تھی، وہ فقہ، حدیث، زہد و تقویٰ، عبادت اور علم و معرفت کے امام تھے،

ان ہی کے ذریعے صحیح اور ضعیف حدیث، مجروح اور ثقہ راویوں کی پہچان ہوئی، ان کے فضائل ومناقب کثیر ہیں، اسلام میں ان کے آثار مشہور ہیں اور دین میں ان کے مقامات کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ بغداد میں نشوونماپائی، علم حاصل کیا اور وہاں کے مشائخ سے حدیث سنی، جب اس علاقے کے مشائخ سے حدیث سننے سے فارغ ہو گئے تو کوفہ، بصرہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، یمن، شام اور جزیرہ کا سفر کیا، ائمہ عصر اور اپنے زمانے کے اکابر سے حدیث سنی، حدیث میں آپ کے اساتذہ میں ☆امام محمد بن ادریس شافعی، ☆سفیان بن عیینہ، ☆عبدالرزاق بن ہمام المہدی اور ☆یحییٰ بن سعید القطان ہیں

ان کے شاگردوں میں ان کے دو صاحبزادے امام صالح اور عبداللہ ہیں، ان کے علاوہ امام محمد بن اسمٰعیل بخاری، مسلم بن الحجاج القشیری یہ قشیر بن کعب نیشا پوری کی طرف نسبت ہے امام ابوزرعہ، امام ابو حاتم، امام ابوداؤد سجستانی اور کثیر مخلوق ہے، ان کا تذکرہ شہرۂ آفاق ہوا، ان کی مدح وستائش کا ڈنکا شہر شہر بجا، وہ ان ائمہ مجتہدین میں سے ہیں جن کے قول اور فتووں پر بہت سے ملکوں میں اعتماد کیا گیا ہے، ان کے بہت سے اساتذہ نے ان کی تعریف کی،

☆امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا:

احمد بن حنبل اللہ تعالیٰ کی زمین میں اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان حجت ہیں

☆امام شافعی نے فرمایا:

جب میں بغداد سے نکلا تو میں نے وہاں کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا جو ورع و تقویٰ اور فقہ و عمل میں احمد بن حنبل سے زیادہ ہو، قاضی عیاض نے "باب اتباع السنۃ میں بیان کیا کہ امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ میں ایک دن ایک جماعت کے ساتھ تھا، انہوں نے کپڑے اتارے اور پانی میں داخل ہو گئے، میں نے اس حدیث

پر عمل کیا:

مَن کَانَ یُومِنُ بِاللّٰہِ وَالیَومِ الآخِرِ فَلَا یَدخُلِ الحَمَامَ اِلَّا بِمِئزَرٍ۔"

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ تہبند کے بغیر حمام میں داخل نہ ہو"۔

چنانچہ میں نے کپڑے نہیں اتارے، اس رات میں نے ایک شخص کو دیکھا جو کہہ رہا تھا:

"احمد! تمہیں بشارت ہو، کیونکہ سنت پر عمل کرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا ہے، اور تمہیں امامِ مقتدا بنا دیا ہے"

"میں نے پوچھا" آپ کون ہیں"؟ فرمایا: میں جبرائیل ہوں[1]

امام احمد بن سعید فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو عبداللہ احمد بن حنبل سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا حافظ، فقہ اور اس کے معانی کا عالم نہیں دیکھا،

☆حضرت سعید بن القطان نے فرمایا: میرے پاس احمد بن حنبل ایسا کوئی شخص نہیں آیا۔

☆امام وکیع فرماتے ہیں احمد بن حنبل ایسا کوئی شخص کوفہ میں نہیں آیا۔

☆ابو عُلَیَّہ سے منقول ہے کہ وہ حاضرین پر ناراض ہوئے کہ تم ہنس رہے ہو جب کہ میرے پاس احمد بن حنبل تشریف فرما ہیں۔

☆احمد بن سنان کہتے ہیں کہ میں نے یزید بن ہارون کو امام احمد بن حنبل سے زیادہ کسی کی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا، وہ انہیں اپنے پہلو میں بٹھایا کرتے تھے۔

☆امام عبدالرزاق کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے بڑا فقیہ اور ان سے زیادہ متقی کوئی نہیں دیکھا۔

---

[1] عیاض بن موسیٰ یحصبی، امام:

☆ ابن قتیبہ فرماتے ہیں اگر امام احمد بن حنبل نہ ہوتے تو لوگ دین کے بارے میں گفتگو ہی نہ کرتے، یہ بھی فرمایا کہ وہ دین کے امام تھے۔

☆ نصیر بن علی حمصی فرماتے ہیں احمد بن حنبل اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے افضل ہیں۔

☆ ہلال بن العلاء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امام احمد کے ذریعے لوگوں پر احسان فرمایا، وہ امتحان میں ثابت قدم رہے، اگر وہ نہ ہوتے تو لوگ کافر ہو جاتے۔

☆ کریمی کا بیان ہے کہ میں نے امام ابو عاصم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بغداد میں صرف وہی شخص ہے یعنی امام احمد بن حنبل۔

☆ ابن راہویہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن آدم کو فرماتے ہوئے سنا کہ احمد بن حنبل ہمارے امام ہیں۔

☆ حضرت حسن بن ربیع فرماتے ہیں کہ میں وضع قطع، طرز زندگی اور شکل و صورت میں امام احمد کو صرف عبداللہ بن المبارک سے تشبیہ دیتا ہوں۔

☆ ابن راہویہ فرماتے ہیں کہ کیا میں اس شخص کی تعریف نہ کروں جس نے دین اسلام کے لئے جان کی بازی لگا دی۔

☆ امام ابن المدینی فرماتے ہیں ہمارے شاگردوں میں احمد بن حنبل سے بڑا حافظ الحدیث کوئی نہیں ہے۔

☆ میمونی کا بیان ہے کہ امام احمد کے ابتلا کے بعد امام ابن المدینی نے بصرہ میں فرمایا:

تاریخ اسلام میں امام احمد کی طرح کسی نے ثابت قدمی کا مظاہرہ نہیں کیا، مجھے ان کی اس بات پر تعجب ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مختلف قبائل کے مرتد ہونے کے موقع پر بے مثل استقامت کا مظاہرہ کر چکے ہیں، اسی

حوالے سے میں نے پوچھا کہ امام احمد کی استقامت کی کیا خصوصیت ہے؟ فرمایا:
حضرت ابو بکر کے مددگار تمام صحابۂ کرام تھے، جب کہ امام احمد کا (اللہ تعالیٰ کے سوا) کوئی مددگار نہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو حضرات کے ذریعے اس دین کو عزت بخشی، کوئی تیسرا ان کے ساتھ شریک نہیں [1]

(۱) حضرت ابو بکر صدیق، قبائل کے ارتداد کے وقت اور، (۲) احمد بن حنبل ابتلاء کے موقع پر۔ ہلال بن العلاء فرماتے ہیں اگر امام احمد بن حنبل کی ابتلاء میں ثابت قدمی نہ ہوتی تو لوگ چوپائے بن جاتے (یعنی انسانیت ختم ہو جاتی ۱۲ قادری)

☆ امام ابن معین فرماتے ہیں کہ لوگ ہم سے توقع رکھتے ہیں کہ ہم امام احمد جیسے ہو جائیں، اللہ کی قسم! ہم ان کے راستے پر چلنے کی طاقت نہیں رکھتے،

☆ حارث بن عباس کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو مسہر سے پوچھا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں؟ جو اس امت کے لئے اس کے دین کے معاملے کی حفاظت کر سکتا ہو، انہوں نے فرمایا: میں فقط مشرق کے ایک جوان یعنی امام احمد بن حنبل کو جانتا ہوں،

☆ اثرم کہتے ہیں کہ ہم ایک دن حضرت ابو عبید کی خدمت میں حاضر تھے، میں نے ایک مسئلہ بیان کیا، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ یہ کس کا قول ہے؟ میں نے کہا یہ اس شخص (امام احمد) کا قول ہے جس سے زیادہ سچا روئے زمین کے مشرق میں ہے اور نہ مغرب میں۔

☆ امام ابو داؤد سجستانی (صاحب سنن ابی داؤد) فرماتے ہیں کہ میں نے دو سو اکابر مشائخ حدیث سے ملاقات کی، لیکن میں نے امام احمد بن حنبل جیسا کوئی نہیں دیکھا، یہ بھی فرمایا کہ امام احمد کی مجلس، آخرت کی مجلس ہے، ان کی مجلس میں کبھی دنیا کا تذکرہ نہیں ہوتا تھا۔

---

[1] یہ امام ابن المدینی کا مبالغہ ہے، ورنہ تاریخ اسلام میں حضرت عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، حضرت بلال، امام حسین، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی ایسے بڑے بڑے ارباب استقامت گزرے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۱۲ شرف قادری

☆ امام ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں نے امام احمد ایسا کوئی نہیں دیکھا، حاضرین نے کہا علم میں؟ فرمایا: نہ صرف علم میں بلکہ زہد، فقہ اور ہر خیر میں۔

☆ اسمٰعیل بن خلیل کہتے ہیں کہا اگر امام احمد بن حنبل، بنی اسرائیل میں ہوتے تو انہیں آیۃٌ مِّن آیات اللہ تعالیٰ شمار کیا جاتا۔

☆ ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کی زیارت کی، یوں معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اولین اور آخرین کا علم جمع کر دیا ہے، جس طرح چاہتے اس میں تصرف فرماتے اور جس دلیل سے چاہتے استدلال کرتے تھے،

☆ ذورقی فرماتے ہیں کہ تم جس شخص کو دیکھو کہ امام احمد بن حنبل کا برائی کے ساتھ ذکر کرتا ہو تو تم اس کے اسلام پر تہمت لگاؤ (یعنی اس کا اسلام مشکوک سمجھو ۱۲ قادری)

☆ محمد بن یحییٰ ذہلی کہا کرتے تھے کہ میں نے امام احمد کو اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان امام بنایا ہے۔

☆ حضرت بشر حافی نے فرمایا: کہ احمد کیر (امام احمد بن حنبل) اس حال میں دنیا میں آئے اور گئے کہ خالص سونا تھے۔

☆ حضرت بشر حافی، ان کے ہم عصر تھے، کوئی شخص امام احمد کے پاس آکر اللہ تعالیٰ کی محبت، اسرار اور کیفیاتِ باطنیہ کے بارے میں سوال کرتا تو اسے حضرت بشر حافی کے پاس بھیج دیتے، انہوں نے فقر اختیار کیا اور اس پر ستر سال صبر کیا، نہ تو کسی سے سوال کیا، اور نہ ہی کسی سے صدقہ اور ہدیہ قبول کیا، زہد، ورع اور تقویٰ کے سلسلے میں امام احمد کے صبر، توکل اور پاکدامنی کے حیرت انگیز واقعات ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان امور میں بلند درجے اور عالی شان مرتبے پر فائز تھے، ان کے مقلدین کو حنابلہ کہا جاتا ہے، حنابلہ میں کثیر تعداد میں بڑے بڑے لوگ، ائمہ فقہاء

اور علماء ہوئے ہیں، بغداد کے امام احمد ان کے مذہب پر تھے، امام احمد بن حنبل کا
مذہب بڑا وسیع ہے، اس میں بکثرت علماء اور فقہاء ہوئے ہیں۔

مذہب حنفی کی طرح امام احمد کے شاگردوں میں اور ان کے بعد صدر
شہید اور شمس الائمہ کے القاب سے ملقب مجتہدین فی المذہب ہوئے ہیں۔ائمہ
حنابلہ کی جامع صغیر، جامع کبیر اور مبسوط وغیرہ تصانیف ہیں، ان کے ہاں مختلف
روایات اور اقوال بھی ہیں جن کی بنیاد احادیث، اخبار اور آثار پر ہے، اس امام اجل کا
مذہب، امام شافعی کے مذہب کی نسبت احادیث سے زیادہ ثابت ہے اور امام ابو حنیفہ
کے مذہب کے موافق ہے۔

سیدنا غوث اعظم کا تذکرہ

امام احمد بن حنبل کی عظمت و جلالت جاننے کیلئے یہ کافی ہے کہ قطب
الاولیاء، غوث الثقلین شیخ محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی، صاحب فضائل و
مناقب ان کے مذہب پر ہیں۔

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سن ۴۸۸ھ میں اس علاقے سے بغداد
تشریف لائے جسے جیلان اور گیلان کہا جاتا ہے۔اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھارہ
سال تھی، آپ کی ولادت سن چار سو ساٹھ یا اکسٹھ (۴۶۰-۶۱ھ) میں اور وفات سن
پانچ سو ستر یا اکہتر (۵۷۰-۷۱ھ) میں ہوئی، آپ نے بڑی محنت سے علوم کے
اصول اور فروع کی تحصیل شروع کی، ایسے اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو اپنے
وقت کے امام، ہدایت کے مینار اور ملت اسلامیہ کے نامور علماء تھے، ابتداءً قرآن پاک
پڑھنا شروع کیا، یہاں تک کہ اسے اچھی طرح محفوظ کیا، سراً اور جہراً قراءت حاصل
کی، قرآن پاک کے مطالب سمجھے، فقہ کے اصول و فروع پڑھے، اختلاف مذاہب کا

مطالعہ کیا، اکابرین محدثین کی ایک جماعت سے حدیث شریف سنی، اس کے علاوہ اس وقت کے مروّج تمام علوم حاصل کئے اور علوم معارف میں مسلم الثبوت مقام حاصل کیا، یہاں تک کہ تمام علوم ظاہرہ وباطنہ میں سب پر فوقیت لے گئے، اس وقت جو مدرسہ (مدرسہ قادریہ) آپ کی طرف منسوب ہے اُس میں تدریس، فتویٰ اور وعظ کی مسند پر جلوہ گر ہوئے، علماء، فقہاء اور اولیاء کرام کی بڑی جماعت آپ کے گرد جمع ہو گئی، جو آپ کے کلام اور صحبت سے مستفید ہوتی تھی۔

اطرافِ عالم سے علم کے پیاسے باب العراق (بغداد شریف) آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، چونکہ آپ جامع العلوم تھے اس لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے طلبہ کو کسی دوسرے عالم کے پاس جانے کی حاجت نہیں رہتی تھی، آپ کے پاس صبح وشام تفسیر، حدیث، فقہ حنبلی، اختلاف فقہاء، اصول وفروع اور نحو وغیرہ علوم پڑھے جاتے تھے، ظہر کے بعد اپنی قراءات اور روایات کے ساتھ قرآن پاک پڑھتے تھے، آپ ولایت کبرٰی اور قطبیتِ عظمٰی کے مقام پر فائز ہوئے، عراق میں مریدین کے آخری مرجع وملاذ آپ ہی تھے، علم وعمل اور روحانیت کی سروری کی انتہاء آپ ہی کی ذاتِ کریم پر تھی، یہاں تک کہ آپ محیر العقول مقام رفیع تک پہنچے۔

امام یافعی فرماتے ہیں کہ آپ کی کرامات حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور بالاتفاق معلوم ہیں، دنیا بھر کے مشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی کی کرامات اس حد تک نہیں پہنچیں، سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام احمد کا مذہب اختیار کیا جو فقہ اور تصوف کا جامع ہے اس لئے ہمارے شیخ، سیدنا عبد القادر جیلانی حنبلی مذہب رکھتے ہیں، ہمیں معلوم نہیں کہ جب آپ عجم میں اپنے وطن میں تھے اس وقت حنبلی تھے یا شافعی؟

شیخ نورالدین ابو الحسن علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی، مصر کے

علاقے میں یکتائے زمانہ امام اور شیخ القراء تھے، وہ قاہرہ میں سن ۶۴۴ھ میں پیدا ہوئے، ان کے اور سیدنا غوث اعظم کے درمیان دو واسطے ہیں، وہ امام عبداللہ یافعی سے پہلے گزرے ہیں، انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام بھجۃ الاسرار ہے، یہ مشہور اور معتبر کتاب ہے، اس میں انہوں نے سیدنا غوث اعظم اور دیگر مشائخ کے مناقب جمع کئے ہیں، اس میں فرماتے ہیں کہ شیخ، امام شافعی اور امام احمد کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے، آپ کے فتاویٰ علماء عراق کے سامنے پیش کئے جاتے تو انہیں ان کی درستی پر اتنا زیادہ تعجب نہیں ہوتا تھا جتنا کہ جلد جواب دینے پر ہوتا تھا، آپ کے دور میں فتاویٰ کا قلم آپ کے سپرد کر دیا گیا تھا۔

بارگاہِ غوثیت سے عجیب استفتاء کا جواب

اس جگہ ایک عجیب واقعہ بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ عجم سے ایک استفتاء آیا، عرب و عجم کے عراق (عراق دو ہیں) کے علماء اس کا جواب نہ دے سکے، کسی کے ذہن میں بھی اس کا شافی جواب نہ آیا، تب وہ سوال بغداد شریف آیا، اس کی صورت یہ تھی کہ اکابر علماء اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ جس نے تین طلاقوں کی قسم کھائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ضرور ایسی عبادت کرے گا جسے ادا کرتے وقت کوئی شخص بھی اس کے ساتھ شریک نہیں ہوگا، وہ کونسی عبادت کرے؟ کہ اس کی قسم پوری ہو جائے، یہ سوال حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے قلم برداشتہ جواب تحریر فرمایا کہ وہ شخص مکہ مکرمہ جائے، اس کے لئے مطاف (طواف کرنے کی جگہ) خالی کرا دیا جائے، وہ شخص تنہا سات چکر لگائے، اس کی قسم پوری ہو جائے گی، اس شخص نے بغداد میں رات بھی نہ گزاری (اور اسی وقت روانہ ہو گیا)۔

بھجۃ الاسرار میں یہ بھی فرمایا کہ ہمیں شیخ مقتدیٰ ابو الحسن علی بن الھیئتی نے خبر دی کہ میں نے سیدی شیخ محیی الدین عبدالقادر جیلانی اور شیخ بقا ابن بطو کے ہمراہ امام احمد بن حنبل کے مزار کی زیارت کی تو میں نے دیکھا کہ امام احمد اپنی قبر سے نکلے، شیخ عبدالقادر کو سینے سے لگایا، انہیں خلعت پہنائی اور فرمایا: اے شیخ عبدالقادر ! مخلوقِ خدا علم شریعت و طریقت اور حال کے علم و عمل میں تمہاری طرف محتاج ہے (الخ)

یاد رہے کہ میں جب مکہ معظمہ میں تھا، اس وقت میں نے امام احمد کے مذہب کی ایک کتاب خریدی، اس کے حاشیہ پر مذہب حنبلی کے ایک عالم علامہ زرکشی کی شرح کتاب الحرقی و الخرقی تھی، یہ عظیم اور مبسوط کتاب تین ضخیم جلدوں میں تھی، اس کے خریدنے کا مقصد یہ تھا کہ جہاں تک ممکن ہو ان کے مذہب کی پیروی کروں گا، اس امید پر کہ میرا عمل میرے شیخ، غوث اعظم، قطب اکرم والخم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل کے موافق ہو گا، وجہ یہ تھی کہ میں نے اکثر و بیشتر مسائل میں امام احمد کے اقوال امام ابو حنیفہ کے مذہب کے موافق پائے تھے، اگرچہ ایسی روایت میں ہو جو اصلِ مذہب کے مخالف ہی ہو، اس بنا پر میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میں اپنے شیخ کی مخالفت کر کے حرج میں واقع نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ نے چاہا تو جن مسائل میں (مذہب حنفی اور حنبلی کی) موافقت پائی جاتی ہے ان پر الگ ایک رسالہ لکھوں گا۔

یہ امام ابو حنیفہ کے مذہب کے موافقِ احادیث اور ان پر مبنی ہونے کی ایک دلیل ہے کیونکہ امام احمد کے مذہب کی بنیاد احادیث پر ہے، باوجودیکہ اس سلسلے میں اس مذہب کے مطابق کوئی تنگی نہیں ہے جس کی رُو سے تمام مجتہدین صواب پر ہیں اور تمام مذاہب عمل کے اعتبار سے حق ہیں، جیسے کہ ہر مجتہد مصیب ہے اور اپنے

اجتہاد کے فیصلے پر عمل کرنے کا پابند ہے، یہی ہر مجتہد کے مقلدین کا حال ہے۔

یہ حکم مسائل فرعیہ (نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل) میں ہے، جہاں تک اصول اعتقادیہ کا تعلق ہے ان پر چاروں امام متفق ہیں، فَلِلّٰہِ الْحَمد۔ نظر انصاف میں چاروں مذہبوں کی مثال ایک گھر کے چار دروازوں کی ہے، انسان جس دروازے سے داخل ہو گھر تک پہنچ جائے گا۔ اگر مجتہد سے خطا بھی واقع ہو تو حکم شریعت کی بنا پر مستحق اجر و مغفرت ہے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہر مذہب والے کو عقیدہ رکھنا چاہے کہ اس کا مذہب حق ہے اور باطل ہونے کا احتمال رکھتا ہے اور دوسرا مذہب باطل ہے اور حق ہونے کا احتمال رکھتا ہے تو یہ کلام بعید اور ناپسندیدہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ ہمارا مذہب راجح ہے (اور دوسرا مذہب مرجوح) علاوہ ازیں بعض مشائخ ایک مذہب سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے مرید دوسرے مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ مرشد انہیں اس بات کا حکم نہیں دیتے تھے کہ اپنے مذہب کو چھوڑ دیں۔ اسی سلسلے میں بیان کیا گیا ہے کہ عارف باللہ مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ حنفی تھے اور شیخ حسام الدین ان کے مرید، صاحب اور ان کے مخلص تھے، اور مولانا رومی کے ساتھ موافقت کرتے تھے، مولانا نے انہیں منع کیا اور فرمایا ارادت کا تعلق باطن، محبت اور دلی عقیدت سے ہے، مذہب فقہی کا معاملہ ظاہر سے متعلق ہے اور یہ ایسا امر ہے جو مقصد سے خارج ہے، اسی طرح شیخ شہاب الدین سہروردی شافعی تھے اور شیخ بہاء الدین بن زکریا (جو مشرباً سہروردی تھے) وہ مذہباً حنفی تھے۔ ایسی مثالیں دوسری جگہ بھی سنی جا سکتی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

نکتہ لطیفہ

کہا جاتا ہے کہ صاحبِ کشاف (جار اللہ زمخشری) فقہ میں حنفی اور عقائد میں معتزلی تھے۔ اسی لئے انہیں حنفزلی کہا جاتا ہے، ہم بھی اس لائق ہیں کہ ہمیں حنفنبلی کہا جائے، کیونکہ ہم بھی مذہب حنفی اور حنبلی کے جامع ہیں۔

وصل (۱۱)

مجتہدین کی اقتداء اور اتباع لازم ہے

اس سلسلے میں دو طریقے ہیں، متقدمین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ معین مذہب اور ایک مجتہد کی اتباع کا التزام نہیں کرتے تھے، بلکہ مجتہدین اپنے اجتہاد پر عمل کرتے تھے اور عوام، فقہاء کرام سے استفتاء کرتے تھے اور کسی ایک کی پیروی کا التزام کئے بغیر ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

حافظ محمد بن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ پہلے تین ادوار بہترین دور تھے، ہمیں معلوم نہیں کہ ان ادوار میں کسی نے کسی معین عالم کا قول اختیار کیا ہو اور اس کی تقلید کی ہو، مذہب معین کا التزام قرونِ ثلاثہ (صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے ادوار) کے بعد پیدا ہوا اور کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، گویا امت مسلمہ کا اجماع ہو گیا اس پر متقدمین کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (۱۶/ ۴۳)

"اہل ذکر سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے"

ان کا کہنا ہے کہ لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کتاب و سنت اور اجماع پر عمل کریں اور علماء کے فتوے کی پیروی کریں، تعیین اور تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

اَصحَابِی کَالنُّجُومِ بِاَیِّهِم اِقتَدَیتُم اِهتَدَیتُم (الحدیث)

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے"۔

اس فرمان کا اسی طرف اشارہ ہے، یہ قول زیادہ ظاہر اور انصاف کے زیادہ قریب ہے۔

گجرات (ہند) کے بعض متاخرین فضلاء نے اس موضوع پر اپنی تصنیف میں بیان کیا کہ ذخیرہ اور محیط میں نوادر ابن رستم کے حوالے سے امام محمد سے منقول ہے کہ ایک شخص جو فقیہ (مجتہد) نہیں ہے اسے ایک عورت کے بارے میں ایک مسئلہ پیش آگیا، اس نے ایک فقیہ سے سوال کیا، اس فقیہ نے اسے حلال یا حرام ہونے کا فتویٰ دیا، اس شخص نے اس فتوے پر عمل کیا اور اسے مان لیا، پھر اسے اسی فقیہ یا دوسرے فقیہ نے دوسری عورت کے بارے میں بعینہ اسی مسئلے کے بارے میں پہلے فتوے کے برعکس فتویٰ دیا، اس شخص کے لئے دونوں فتووں میں سے کسی ایک پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، اور اگر اس شخص نے ایک فقیہ سے کسی درپیش مسئلے کے بارے میں سوال کیا، اس فقیہ نے اسے حلال یا حرام ہونے کا فتویٰ دیا، اس شخص نے اپنی بیوی کے بارے میں اس فتوے پر عمل نہیں کیا، بلکہ ایک دوسرے فقیہ سے سوال کیا، جس نے اسے پہلے مفتی کے فتوے کے خلاف فتویٰ دیا، اس شخص نے دوسرا فتویٰ اپنی بیوی پر نافذ کر دیا اور پہلے مفتی کا فتویٰ چھوڑ دیا تو اسے اس کی گنجائش ہے، امام محمد نے فرمایا: یہ سب امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول ہے۔

فتاویٰ خانیہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے، اس مسئلے کے بارے میں اصحاب نے کہا کہ وہ شخص جب کسی عادل مفتی سے فتویٰ طلب کرے اور مفتی اسے فتویٰ دے کہ یہ یمین باطل ہے، اس شخص کے لئے گنجائش ہے کہ اس کے فتوے پر عمل کرے اور عوت کو اپنے

پاس رکھے، اگر اس عوت کے بعد دوسری عورت سے نکاح کرے اور اس نے قسم کھائی تھی کہ جس عورت سے بھی میں نکاح کروں گا اسے طلاق ہے، پھر اس نے دوسرے عادل مفتی سے فتویٰ طلب کیا، اس نے فتویٰ دیا کہ یہ قسم صحیح ہے اور نکاح کرنے سے طلاق واقع ہو جائے گی، تو وہ شخص پہلی عورت کو اپنے پاس رکھے اور دوسری سے جدائی اختیار کرلے ------ یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ ایک فقیہ کے بعد دوسرے فقیہ کی طرف رجوع کرنا جائز ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک شخص ایک مسئلے میں حنفی مذہب اختیار کرے اور دوسرے مسئلے میں شافعی یا اور کوئی مذہب اختیار کرلے۔ اور ایک معین امام کی تقلید اس طرح واجب نہیں ہے کہ دوسرے امام کی طرف رجوع نہ کر سکے، یہ امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کے نزدیک ہے۔ جیسے کہ ہم نے ذخیرہ کے حوالے سے بیان کیا، ابن حاجب نے مختصر الاصول میں فرمایا کہ جب ایک عام آدمی کسی مسئلے کے حکم میں ایک مجتہد کے فتوے پر عمل کرلے تو اس امر پر اتفاق ہے کہ اس مسئلے میں دوسرے مجتہد کے فتوے کی طرف رجوع نہیں کر سکتا، لیکن کسی دوسرے مسئلے کے حکم میں دوسرے مجتہد کی طرف رجوع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو مختار یہ ہے کہ جائز ہے، کیونکہ ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ صحابۂ کرام اور تابعین کے زمانے میں ایسا واقع ہوا، اس لئے کہ لوگ ہر زمانے میں مفتیانِ کرام سے فتویٰ طلب کرتے تھے، جو بھی مفتی مل جائے، اس بات کا التزام نہیں کرتے تھے کہ کسی معین مفتی سے ہی فتویٰ طلب کیا جائے۔ یہ بات عام تھی اور بار بار پائی گئی، اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔

فاضل گجراتی نے فرمایا کہ ایک مسئلے میں بھی ایک مجتہد سے دوسرے مجتہد کی طرف رجوع جائز ہے، کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں نے اسے جائز قرار دیا ہے، ممکن ہے ابن حاجب کی مراد بعض علماء کا اتفاق

ہو، یہ مقصد نہ ہو کہ تمام علماء کا اجماع ہے، یا ان کا قول بعض صورتوں پر محمول کیا جائے، مثلاً فقہاء ایک معین عورت کے بارے میں فتویٰ دیں، نہ کہ دو عورتوں کے بارے میں، جیسے کہ ہم نے بیان کیا، مختصر یہ کہ غیر فقیہ کے لئے فتویٰ وہی حیثیت رکھتا ہے جو مجتہد کے لئے اس کی رائے کی حیثیت ہے، کیونکہ غیر مجتہد فتویٰ پر عمل کرنے کا پابند ہے، جیسے مجتہد اپنے اجتہاد پر عمل کرنے کا پابند ہے، مجتہد کا اجتہاد بدل جائے تو اس کا حکم ہم نے بیان کر دیا ہے (کہ وہ دوسرے اجتہاد پر عمل کرے۔ ۱۲ قادری) یہی حکم مقلد کے بارے میں ہے جب فتویٰ بدل جائے۔

بعض حضرات نے ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے کے جائز ہونے کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ یہ خواہش نفس کی پیروی اور رخصتوں کی تلاش کی بنا پر نہ ہو، خواہش نفس کی پیروی نہ کرنے کی قید لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم جب فریقین کے دلائل میں غور کرے اور اسے غالب گمان حاصل ہو جائے کہ اس مسئلے میں حق اور بہتر وہ ہے جو میرے امام کے مخالف نے کہا ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس مسئلے میں مخالف کا مذہب اختیار کر لے، کیونکہ یہ خواہش نفس پر مبنی نہیں ہوگا، یہ بھی معلوم ہوا کہ شرعی مصلحت کے تحت مخالف کا مذہب اختیار کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ نفسانی خواہش پر مبنی نہیں ہوگا، بلکہ غالب ظن کے مقتضا اور مصلحتِ شرعیہ کے پیش نظر ہوگا، بلکہ امید کی جا سکتی ہے کہ اس سلسلے میں اسے اجر و ثواب بھی ملے۔

اکابر ائمہ حنفیہ میں سے قاضی ابو زید دبوسی نے میزان الاصول میں فرمایا "مجتہد پر لازم ہے کہ دوسرے شخص کو اپنے مذہب کی طرف بلائے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور دوسرا خطا پر ہے، اس پر لازم ہے کہ دوسرے کو اس چیز سے منع کرے جس پر وہ کار بند ہے"، مگر یہ کہ دعوت اسے دے گا جو اس کی طرح

مجتہد نہیں ہے، اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ اپنے مذہب کی خوبیاں اور دوسرے مذہب کی خرابیاں بیان کرے گا اور واضح دلائل قائم کرے گا، اس پر یہ لازم نہیں کہ مخالف کے اشکالات کا اظہار بھی کرے (الخ) فاضل گجراتی فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقلد کے لئے جائز ہے کہ کسی مسئلے میں مخالف کے مذہب کی طرف رجوع کرے، جب اس کے نزدیک بعض واضح دلائل سے اس مذہب کا راجح ہونا ظاہر ہو، اگر ایسا نہ ہو تو مجتہد کے نزدیک جو حق مسئلہ ہے اس کی طرف دلائل بیان کر کے دعوت دینے کا فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ اس مجتہد کا گمان ہے کہ اگر وہ دلائل بیان نہیں کرے گا تو ہو سکتا ہے کہ مقلد کے سامنے وہ دلائل آجائیں جن سے غیر کے مذہب کی ترجیح ثابت ہوتی ہو اور وہ اس مذہب کی طرف مائل ہو جائے، اور (جب اس مجتہد کے دلائل سے ثابت ہو جائے گا کہ) اس کا مذہب حق ہے تو وہ اس طرف رجوع کرے گا

لیکن میں کہتا ہوں کہ مخالف کے اشکالات کے اظہار اور ان کے رد میں مشغول نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ یہ بھی تو اس مجتہد کے مذہب کے ثابت کرنے میں داخل ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مجتہد کی غرض اپنے مذہب کو ثابت کرنا اور اس کے دلائل کا بیان کرنا ہے، دعوت دینے کے لئے اتنا ہی کافی ہے، اس سلسلے میں مخالف کے اشکالات کا ذکر اور ان کا رد کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ اگر اشکال واضح طور پر سامنے آجائے تو اسے رد کرے گا، اس توجیہ میں اشکال ہے۔

فاضل گجراتی نے کہا کہ بعض مجتہدین نے بعض مسائل میں مصلحت دیکھ کر مخالف کے قول پر عمل کیا ہے، جب مجتہد کے لئے یہ جائز ہے، حالانکہ اس کا اجتہاد اس پر زیادہ لازم ہے تو مقلد بطریق اولیٰ اس کا حق رکھتا ہے، خصوصاً جب غیر کے مذہب کو راجح دیکھے اور اس میں مصلحت بھی پائے۔

شیخ الاسلام کی مبسوط سے منقول ہے کہ امام شافعی نے سر منڈوایا، بال ان

کے کپڑوں اور بدن پر گر گئے، اس کے باوجود انہوں نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، حالانکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، جب ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: جب ہم مجبور ہوتے ہیں تو عراقیوں (حنفیوں) کے مذہب پر عمل کر لیتے ہیں، ظاہر یہ ہے کہ مصلحت سوائے دفعِ حرج کے اور کوئی نہیں ہے۔

ذخیرہ سے منقول ہے کہ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی، بعد میں انہیں بتایا گیا کہ حمام کے کنوئیں میں چوہا تھا، امام ابو یوسف نے حمام سے غسل کیا تھا، یہ اطلاع اس وقت دی گئی جب لوگ جا چکے تھے، انہوں نے فرمایا: ہم اپنے مدنی بھائیوں (مالکیہ) کے مذہب پر عمل کرتے ہیں کہ جب پانی دو مٹکوں کی مقدار کو پہنچ جائے تو پلید نہیں ہوتا، حالانکہ یہ ان کا اپنا مذہب نہیں تھا۔

فاضل گجراتی فرماتے ہیں کہ یاد رہے یہ ضروری نہیں کہ ہر صورت میں آسان امر کو اختیار کرنے میں خواہش نفس کی پیروی ہی ہو، جیسے کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں، بلکہ بعض اوقات آسان حکم کے اختیار کرنے میں احتیاط ہوتی ہے، حرج سے چھٹکارا پانا اور عمومِ بلوی کی صورت میں مسلمانوں کے معاملات کو صحیح قرار دینا ہوتا ہے، اور ان صورتوں میں سے کسی میں بھی ملامت نہیں ہے، اسی طرف اشارہ ہے، نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان میں کہ بُعِثْتُ بِالْحَنِيفَةِ السَّهْلَةِ ہمیں ایسی ملت کے ساتھ بھیجا گیا جو باطل سے دور اور آسان ہے، اور اس فرمان میں يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا سہولت فراہم کرو اور تنگی میں نہ ڈالو، بلکہ بعض اوقات یہ مستحب ہے اور بعض صورتوں میں بتقاضائے مقام متعین ہے۔

پہلی صورت یعنی احتیاط تو اس کی مثال جمعہ کے بعض مسائل مثلاً متعدد

جماعتوں کے بارے میں امام ابو حنیفہ کا قول اختیار کرنا (امام ابو یوسف کے نزدیک ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ کی جماعت ہوئی تو صرف ان لوگوں کی نماز صحیح ہو گی جنہوں نے پہلی جماعت میں شرکت کی، جب کہ امام اعظم کے نزدیک سب کی نماز صحیح ہے ۱۲ قادری) اور جمعہ کے بعض مسائل میں امام شافعی کا قول اختیار کرنا مثلاً جمعہ کے لئے امام (یعنی سلطان) مصر اور احکام اسلام کا نفاذ شرط نہیں ہے، کیونکہ اس میں احتیاط ہے، جو شخص ان دونوں اماموں کے اقوال کو جمع کرے (اور دونوں کی شرائط ملحوظ رکھے) وہ نماز جمعہ کے ادا کرنے سے محروم رہ جائے گا، اور تارکِ جمعہ کی وعید میں داخل ہو جائیگا، اور اس میں شک نہیں کہ وعید کے نیچے داخل ہونے کے شائبہ سے بچنے میں احتیاط ہے، اور اگر جمعہ کے صحیح ہونے میں تردد پیدا ہو جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعتیں بہ نیت ظہر ادا کرلی جائیں (نیت یہ کرے کہ میں وہ آخری ظہر پڑھتا ہوں جس کا وقت میں نے پایا اور ادا نہیں کی، اس طرح اگر جمعہ صحیح نہیں ہوا تو ظہر ادا ہو جائے گی، اگر جمعہ صحیح ہے تو سابقہ ظہر کی قضا ہو جائے گی اور اگر اس کے ذمہ کوئی ظہر نہیں تو یہ نفل ہو جائیں گے ۱۲ قادری)، جیسے کہ محیط اور کافی میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

دوسری صورت حرج سے نکلنے کی مثال پانی کا مسئلہ ہے اس میں امام مالک اور امام شافعی کا قول (کہ دو گھڑوں کی مقدار کو پہنچ جائے تو پلید نہیں ہوتا ۱۲ قادری) اختیار کرنے میں دفع حرج ہے تو بعض مواقع پر ضروری ہوتا ہے اور اسے ترک نہیں کیا جا سکتا، جیسے کہ بعض جگہوں پر یہ بات مشاہدہ میں آگئی ہے، خصوصاً گاؤں اور سفروں میں، نیز اس سے عامۃ المسلمین کے معاملات کو صحت پر محمول کرنے کی صورت بھی پائی جاتی ہے، کھانے، پینے اور لباس وغیرہ کے معاملات میں اس کی مثالیں بہت ہیں، ان امور میں عامۃ المسلمین کے عمل کو صحت پر محمول کرنا فساد پر محمول کرنے سے

بہتر ہے، یہ گفتگو فروع میں ہے، اصول (عقائد) میں یہ ہے کہ جب کسی مسلمان سے ایسا کلمہ صادر ہو جو کئی وجوہ سے موجب کفر ہو، اور اس کلمہ میں ایک وجہ ایسی ہو جو کفر کی نفی کرتی ہو تو اس کلمہ کو اس ایک وجہ پر محمول کیا جائے گا اور کہنے والے سے کفر کی نفی کی جائے گی۔

اہل اہواء جنہیں اہل قبلہ کہا جاتا ہے انہیں کافر قرار نہ دینے کی بناء پر اسی قاعدے پر ہے، نبی اکرم ﷺ نے خوارج کے بارے میں توقف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یَتَمَارٰی فِی الفُوقِ (طویل حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ خوارج دین سے اس طرح نکل جائیں جیسے تیر نشانے سے نکل جاتا ہے، تیر کے پھل اور لکڑی کے جوڑ کے بارے شک واقع ہو جاتی ہے کہ اسے کوئی چیز لگی ہے یا نہیں؟ ۱۲ قادری) یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ اصول و فروع میں مسلمان کے معاملہ کو جہاں تک ممکن ہو صحت پر محمول کیا جائے گا ان "صحیح اغراض" میں سے ہے جو تمام ائمہ کے نزدیک شریعت میں معتبر ہیں، اور احناف کی کتابوں میں صرف مذکور ہی نہیں بلکہ ان کی کتابیں ان اغراض صحیحہ سے بھری ہوئی ہیں، جب معاملہ مشکل ہو اور نیت صحیح ہو تو حیلہ (شرعی تدبیر) کا جائز قرار دینا بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے

امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ طریقہ جس پر ہم پیرا ہیں رائے ہے ہم کسی کو اس پر مجبور نہیں کرتے، اور نہ ہی یہ کہتے ہیں کہ کسی پر اس کا قبول کرنا واجب ہے، جس کے پاس زیادہ اچھی بات ہو وہ اسے لائے تاکہ ہم اسے قبول کر لیں، الانوار (کتاب کا نام) سے منقول ہے کہ حنفی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ گوہ اور جو کے کھانے پر شافعی پر انکار کرے، اور شافعی کو نہیں چاہیے کہ وہ نبیذ (وہ پانی جس میں کھجوریں ڈالی گئی ہوں اور ان کی مٹھاس پانی میں منتقل ہو گئی ہو۔ ۱۲ قادری) کے پینے اور اس کے ساتھ وضو کرنے اور اس جیسے دیگر معاملات کی بنا پر

حنفی پر اعتراض کرے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ "میری امت کا اختلاف رحمت ہے"۔

یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص نے کسی امام کی تقلید اختیار کی اس کے لئے بعض مسائل میں اس امام کے مذہب سے دوسرے مجتہد کے مذہب کی طرف طلبِ حق اور مصلحت کی رعایت کے لئے رجوع کرنا درست ہے لیکن اگر اسے قرآنِ پاک کی کوئی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی حدیث یا صحابہ و تابعین کے آثار (اقوال) مل جائیں تو اس کے بارے میں اتنی گفتگو گزر چکی ہے جس پر اضافے کی گنجائش نہیں ہے، امام ابو حنیفہ کا یہ فرمان اس گفتگو کا جامع ہے کہ ☆ جب رسول اللہ ﷺ کی حدیث آجائے تو سر آنکھوں پر، ☆ جب صحابہ کرام کے آثار آجائیں تو وہ بھی سر آنکھوں پر، (تاہم اگر وہ آثار مختلف ہوں تو) ہم ان میں سے بعض کو اختیار کر لیں گے، لیکن تمام آثار کی خلاف ورزی نہیں کریں گے، ☆ اور اگر تابعین کے آثار ہوں تو ہم حق کی تحقیق اور اس کی جستجو کے سلسلے میں ان کی مزاحمت کریں گے

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ متعدد سندوں سے مروی ہے کہ امام ابو حنیفہ قرآن سے استدلال کرتے تھے، اگر قرآنی دلیل نہ ملتی تو حدیث سے اور اگر حدیث بھی نہ ملتی تو صحابہ کے قول سے استدلال کرتے، اگر صحابہ کرام کے اقوال میں اختلاف ہوتا تو جو قول کتاب و سنت کے زیادہ قریب ہوتا اسے اختیار کر لیتے، صحابہ کرام کے تمام اقوال کو ترک نہیں کرتے تھے، اگر کسی صحابی کا قول نہ ملتا تو تابعین کا قول اختیار نہیں کرتے تھے، بلکہ تابعین کی طرح خود اجتہاد کرتے تھے (کیونکہ وہ خود بھی تابعی تھے ۱۲ قادری) یہی مجتہد کی شان ہے۔

لیکن غیر مجتہد جو کسی مجتہد کے مذہب کا مقلد ہے وہ اپنے امام کا قول اختیار کرے گا، اور اگر کسی شخص کو علم اور اصول دین میں بصیرت حاصل ہے، وہ مخالف

مذہب کے کسی مسئلے کے اختیار کرنے کی ضرورت یا مصلحت محسوس کرتا ہے تو اس کے لئے اس کا اختیار کرنا جائز ہے، اور اگر وہ عوام میں سے ہے تو اس کے لئے صبر اور امام کا قولِ مختار اختیار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، یہ وہ ہے جو امام ابو حنیفہ سے منقول ہے، اسی طرح امام مالک سے منقول ہے، انہوں نے فرمایا: ہر شخص کے کلام سے کچھ اختیار کیا جاتا ہے اور کچھ ترک کر دیا جاتا ہے سوائے اس قبر والے کے، یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ تھا۔ امام شافعی فرماتے ہیں جب حدیث صحیح میرے مذہب کے مخالف ہو تو اس کی پیروی کرو اور جان لو کہ وہی میرا مذہب ہے [1]، یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔

شیخ تقی الدین بن الصلاح نے فرمایا: جب حدیث امام کے قول کے مخالف ثابت ہو جائے، اور تفتیش کے باوجود اس حدیث کے معارض حدیث نہ ملے، اور صاحبِ علم تفتیش کرنے کی اہلیت بھی رکھتا ہو، تو امام کا قول چھوڑ دے اور حدیث کو اختیار کرے، مقلد کے لئے امام کا مذہب ترک کرنے کے لئے وہ حدیث دلیل ہوگی، امام نووی (شارح مسلم) نے بھی ان کی موافقت کی ہے، شیخ رافعی فرماتے ہیں:

کیا عام آدمی کے لئے جائز ہے کہ وہ چند مسائل میں ایک عالم کی تقلید کرے اور چند

---

[1] یہی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر ائمہ کا فرمان ہے، مگر یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں کہ حدیث کو دیکھ کر امام کا فتویٰ ترک کر دے، امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں کہ یہ اس متبحر عالم مجتہد کا کام ہے جو چار منزلیں طے کر چکا ہو، تفصیل کے لئے دیکھئے رسالہ مبارکہ الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فہو مذہبی (اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا فضل اس قول کے مطلب میں کہ جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے) اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جو شخص ان چاروں منزلوں کو طے کر جائے وہ مجتہد فی المذہب ہے جیسے مذہب حنفی میں امام ابو یوسف و امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایسے ائمہ کو اس حکم و دعویٰ کا منصب حاصل ہے (کہ مذہب امام کے خلاف حدیث دیکھ کر اس پر فتویٰ دے دیں) اور وہ اس کے باعث اتباع امام سے خارج نہ ہوئے، دیکھئے الفضل الموہبی ص ۱۲-۱۲ اشرف قادری

دیگر مسائل میں دوسرے عالم کی تقلید کرے؟ متقدمین کے طرز عمل سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، صحابہ کرام کے زمانے میں وہ لوگ جو صحابی مل جاتا اس سے استفتاء کرتے تھے اور جس سے ملاقات ہو جاتی اس سے مسئلہ پوچھ لیتے تھے، یہ قید نہیں تھی کہ فلاں صحابی سے ہی سوال کریں گے، جس پر عقیدہ رکھنا واجب ہے وہ حق یہ ہے کہ جب کسی حکم کی دلیل کا کمزور ہونا ثابت ہو جائے تو اس حکم کو اختیار کیا جائے گا جس پر (قوی) دلیل دلالت کرتی ہو، اسے چھوڑ کر ضعیف دلیل والے قول کو اختیار کرنا مشکل ہے۔

خطیب نے اپنی سند سے بیان کیا کہ اکابر شافعیہ میں سے امام دارکی سے بعض اوقات استفتاء کیا جاتا تو وہ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے مذہب کے خلاف فتویٰ دیتے تھے، انہیں کہا جاتا کہ یہ فتویٰ تو ان دونوں اماموں کے خلاف ہے تو وہ فرماتے: تمہارا برا ہو! فلاں نے فلاں سے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے اس طرح حدیث بیان کی ہے، وہ دو امام اگر حدیث کے مخالف ہوں تو ان کی بجائے حدیث کو اختیار کرنا بہتر ہے۔ امام احمد حدیث کو اختیار کرنے اور جہاں تک ممکن ہو ظاہر حدیث پر عمل کرنے میں بہت سخت ہیں۔ رہے اصحاب ظواہر تو وہ قیاس اور اجتہاد کے منکر ہیں، وہ صرف احادیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی امام نے اپنے مقلدین کو بعض جزئیات میں دوسرے امام کی پیروی سے منع نہیں کیا، خصوصاً جب مخالف مذہب کا احادیث سے راجح ہونا ثابت ہو جائے، بلکہ انہوں نے اس وقت صراحۃً حدیث کی پیروی کا حکم دیا ہے۔

یہ فروع میں ہے، لیکن اصول دین اور سنت سے ثابت ہونے والے عقائد کی مخالفت کرنے والا بدعتی اور گمراہ ہے، اس پر انکار کرنا، زجر و توبیخ کرنا، اسے چھوڑ دینا اور اس سے گفتگو کا ترک کرنا واجب ہے، اللہ تعالیٰ ہی حق فرماتا ہے اور وہی راہِ

راست کی ہدایت دیتا ہے۔

قاضی طبری اپنی کتاب "السیر فی النھی عن المنکر" میں فرماتے ہیں کہ انکار صرف اس کام پر کیا جائے گا جو بالاتفاق ممنوع ہو۔ الروضۃ میں ہے کہ علماء صرف اس چیز کا انکار کرتے ہیں جس کے انکار (اور ردّ) پر اجماع ہو، اور جس میں اختلاف ہو اس پر انکار نہیں ہے، یہ حکم (یعنی جس کی ممانعت پر اجماع نہ ہو اس پر انکار کا ممنوع ہونا) احناف کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے اور ان کے اکثر علماء اسی کے قائل ہیں، اگر بعض کتابوں میں انکار کی رخصت بیان کی گئی ہے تو وہ اکثر علماء کے قول کے معارض اور سلف صالحین کے قول کے مخالف ہے جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے خیر القرون ہونیکی بشارت دی ہے، اسی طرح فاضل گجراتی نے کہا اور اس پر بہت زور دیا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اس فاضل کی مراد یہ ہے کہ مختلف فیہ امر میں ممانعت اور انکار بالکل جائز نہیں ہے تو یہ سینہ زوری ہے، کیونکہ اس میں شبہ نہیں ہے کہ مثلاً حنفی کے نزدیک امام ابو حنیفہ کے مذہب کا حق ہونا راجح اور مختار ہے، اس نے اس مذہب کی پیروی کا التزام کیا ہے، اس کے لئے جائز ہے کہ امام اعظم کے مذہب کی مخالفت کرنیوالے پر انکار کرے، اسے الزام دے اور اس کی تردید کرے۔ ہاں اسے مطلقاً باطل اور مردود قرار نہ دے، بلکہ مخالف کو معذور قرار دے اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دے، اور یہ ظاہر ہے۔

اجماعی مسئلہ کونسا ہے؟

فاضل مذکور نے یہ بھی کہا کہ اگر چاروں امام اور تمام مفتیان گرامی قدر کسی مسئلے پر متفق ہوں، بعض صحابہ کرام یا تابعین یا بعض ان علماء کا اس مسئلے میں اختلاف ہو

جو اگرچہ مجتہد ہوں لیکن انہیں فقہاء نہیں کہا جاتا، مثلاً حضرت جنید بغدادی اور ان جیسے دوسرے اہل علم، تو وہ مسئلہ اجماعی نہیں ہوگا اور (بحیثیت اجماع کے) حجت نہیں ہوگا، جب تک کہ کسی زمانے کے تمام مجتہدین ایک قول پر جمع نہیں ہو جائیں گے۔

متاخرین کے نزدیک مذہب معین اختیار کرنے میں مصلحت ہے

یہ ان حضرات کے اقوال ہیں جو مذہب معین کی تخصیص کے قائل نہیں ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ متقدمین کا طریقہ ہے، لیکن متاخرین علماء نے مذہب کی تعیین اور تخصیص میں مصلحت دیکھی ہے [۱]، یہ مذہب معاملے کے منضبط کرنے اور دین و دنیا کے امور میں انتشار کے دفع کرنے کے زیادہ قریب ہے، ہاں انسان کو ابتداء میں کسی بھی مذہب کو اختیار کرنے کی اجازت ہے، جو مذہب چاہے اور جس میں بہتری دیکھے اسے اختیار کر لے، لیکن ان میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کے بعد دوسرے مذہب کی طرف رجوع کرنا عبث (بیکار) ہے۔ جیسے ایک گھر کے چار دروازے ہوں، ان میں سے جس میں بھی داخل ہو مقصد حاصل ہو جائے گا، پھر اسے ترک کرنا اور دوسرے دروازے سے داخل ہونا عبث اور بے وقوفی ہے، اور افعال میں پراگندگی کا باعث ہے، بعض محققین صوفیہ نے فرمایا بلکہ باطنی احوال میں بھی انتشار کا سبب ہے، ہاں اگر اسے حق اور دلیل واضح ہو جائے اور تقویٰ و احتیاط بھی اسی

۱۔ امام احمد رضا بریلوی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے رسالہ انصاف سے نقل کرتے ہیں کہ "دو صدی کے بعد خاص ایک مجتہد کا مذہب اختیار کرنا اہل اسلام میں شائع ہوا، کم کوئی شخص تھا جو ایک امام معین کے مذہب پر اعتماد نہ کرتا ہو، اور اس وقت یہی واجب ہوا۔" اسی رسالہ میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ "خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک مذہب کا اختیار کر لینا ایک راز ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے علماء کے قلوب میں القاء فرمایا اور انہیں اس پر جمع کر دیا چاہے اس راز کو سمجھ کر اس پر متفق ہوئے ہوں یا بے جانے۔" دیکھئے الفضل الموھبی (طبع لاہور ص ۲۳)

میں دیکھے تو یہ الگ بات ہے، لیکن یہ ہر انسان کو میسر نہیں ہوتا، یہ صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو مرتبہ اجتہاد کے قریب ہوں، ایسے لوگ شاذ ونادر ہی ہوتے ہیں

بعض متاخرین نے (چار) اماموں کے ماسوا کی تقلید سے منع کیا ہے، کیونکہ ان ائمہ کے مذاہب احاطہ ضبط میں آچکے ہیں، ان کے مسائل کی تحقیق و تنقیح ہو چکی ہے، جب کہ اب تک یہ بات ان کے غیر کے لئے دیکھنے میں نہیں آئی، جب تقلید ان چاروں میں منحصر ہے تو ان کے غیر کی تقلید جائز نہیں ہو گی[1]، ان میں سے جس کی تقلید پسند کرے اسی ایک کا ہو رہے، امام الحرمین نے اس پر محققین کا اتفاق نقل کیا ہے اور عوام کو معین صحابہ کرام بلکہ ان کے بعد کے ان علماء کی تقلید سے منع کیا ہے جنہوں نے احکام وضع کئے اور انہیں مرتب کیا، (لیکن ان کے مذاہب بطریق شہرت محفوظ اور منقول نہیں ہوئے ۱۲ قادری) در حقیقت احکام کی وضع اور تدوین بہت مشکل کام ہے خصوصاً آیات، احادیث، آثار، ان کی باہمی تطبیق اور ان کے ناسخ و منسوخ کی پہچان کے پیش نظر - اس لئے مصلحت اسی میں ہے کہ معاملہ اس مجتہد کے سپرد کر دے جس کی تقلید کی ہے[2]، جس کے بارے میں اچھا گمان ہے اور جسے برحق سمجھتا ہے - اہل علم فرماتے ہیں کہ مذہب کی مختار اور قوی دلیل والی روایات پر

---

[1] اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، علامہ سید احمد طحطاوی کے حاشیہ در مختار جلد ۴ ص ۱۵۳ (مطبوعہ مصر) سے نقل کرتے ہیں کہ یہ نجات والا گروہ یعنی اہل سنت و جماعت، آج چار مذہب حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی میں جمع ہو گیا ہے، اب جو ان چار سے باہر ہے بد مذہب جہنمی ہے۔ "الفضل الموھبی ص ۲۱ - ۱۲ شرف قادری)

[2] امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکتوبات کی ایک عبارت التحیات میں انگلی اٹھانے کے بارے میں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان بزرگوں کے بزرگ کیا فرما رہے ہیں؟ اولاً تصریحاً تسلیم فرمایا کہ التحیات میں انگلی اٹھانا سید عالم ﷺ کی بہت حدیثوں میں وارد تا زیادہ حدیثیں معروف و مشہور ہیں ثانیاً مذہب حنفی میں بھی اختلاف ہے، روایت نوادر میں خود امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ

عمل کرنے سے ہی تقویٰ اور احتیاط کے راستے پر چلا جا سکتا ہے، ہاں اگر ضرورت پیش آ جائے اور اضطرار کی کیفیت پیدا ہو جائے اور امام کے غیر کے قول کی طرف رجوع کئے بغیر چارہ نہ رہے (تو اس قول پر عمل کیا جا سکتا ہے ۱۲ قادری) زیادہ سے زیادہ یہ گا کہ وہ کام امام کے نزدیک ممنوع ہو گا، لیکن ضرورت کی بنا پر ممنوع کام بھی جائز ہو جاتا ہے۔

ہم نے اہل حرمین شریفین کے ہاں معاملہ وسیع دیکھا، اس بارے میں ان کے ہاں تنگی نہیں ہے، ان علاقوں میں معمول یہ ہے کہ طالب کے سامنے ائمہ مجتہدین کے مناقب و فضائل اور ان کی صفات بیان کرتے ہیں، اسے جس طرف عقیدت و رغبت حاصل ہو اور بہتری معلوم ہو اسے اختیار کر لیتا ہے، یہاں تک کہ ایک شخص کے چار بیٹے تھے، ان میں سے ہر ایک چار اماموں میں سے کسی ایک کے مذہب پر تھا، شیخ ابو السعادات فاکہی، مکہ مکرمہ کے علماء اور فقہاء میں سے تھے، وہ احمد آباد میں تشریف لے آئے، ان کے چار بیٹے تھے، ان میں سے ہر ایک ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے مذہب پر تھا، یہ ان کی اپنی صوابدید تھی یا ان کے والد کی تجویز تھی؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اشارہ فرماتے تھے، ہم بھی کریں گے، و لہٰذا صاف یہ بھی فرمادیا کہ یہی قول امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے خاصانہ فقط روایت بلکہ علمائے حنفیہ کا فتویٰ بھی دونوں طرف ہے بایں ہمہ صرف اس وجہ سے کہ روایاتِ اشارہ ظاہر الروایہ نہیں ہیں، صاف صاف فرماتے ہیں کہ ہم مقلدوں کو جائز نہیں ہے کہ حدیثوں پر عمل کر کے اشارے کی جرأت کریں، جب ایسی سہل و نرم حالت میں حضرت امام ربانی صاحب کا یہ قاہر ارشاد ہے تو جہاں فتوائے حنفیہ مختلف نہ ہو، جہاں سرے سے اختلافِ روایت ہی نہ ہو وہاں خلافِ مذہبِ امام، حدیث پر عمل کرنے کو کیا کچھ نہ فرمائیں گے؟ (الفضل الموہبی ص ۱۸-۱۷) امام ربانی کے رسالہ "مبدء و معاد" کی ایک عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس سوال کا بھی صاف جواب دے دیا کہ ایک مسئلہ میں بھی اگر خلافِ امام کیا، اگرچہ اسی بنا پر کہ اس میں حقانیتِ مذہب ظاہر نہ ہوئی، تاہم مذہب سے خارج ہو جائے گا کہ اسے نقل از مذہب فرماتے ہیں، یہ سخت اشد و قاہر حکم دیکھئے کہ جو ایسا کرے وہ ملحد ہے (ص ۱۹) ۱۲ شرف قادری

اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

میں نے اپنے شیخ علی بن جار اللہ کو دیکھا، وہ مذہب حنفی کے مفتی اور علم و فقاہت میں عظیم المرتبت تھے، یہاں تک کہ کہا جاتا تھا کہ انہیں فتاویٰ قاضی خان یاد ہے، ان کے پاس ایک شافعی المذہب آیا جو کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا تھا، اسے مذہب شافعی میں رشتہ نہیں مل رہا تھا، شیخ نے فرمایا: تم مذہب حنفی اختیار کر لو، اس نے کہا ٹھیک ہے، چنانچہ لڑکی کے والد نے مذہب حنفی کی بنیاد پر لڑکی کا نکاح اس سے کر دیا۔

میں نے عظیم شیخ، امام ابو الحسن البکری کے شاگرد شیخ محمد القضا کی زیارت کی، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی اور ان کے علوم کی برکات سے نفع عطا فرمائے، پھر ان پر جذب طاری ہو گیا اور تجرید اختیار کر کے گوشہ نشین ہو گئے، ان کے پاس ایک شخص آیا جو مذہب شافعی کے مطابق کسی مشکل میں مبتلا ہو گیا تھا، شیخ نے اسے فرمایا:

"جا اور امام ابو حنیفہ کے فتوے پر عمل کر، اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے پوچھا تو کہہ دینا کہ مجھے اس امام نے حکم دیا تھا اور میں نے اس پر عمل کر لیا تھا، تجھ پر کوئی گناہ نہیں ہوگا"۔

بعض علماء کا اپنے مذہب سے رجوع ثابت ہے، امام طحاوی نے امام شافعی کے مذہب سے امام ابو حنیفہ کے مذہب کی طرف رجوع کیا، خطیب بغدادی نے امام احمد بن حنبل کے مذہب سے امام شافعی کے مذہب کی طرف رجوع کیا، ابن عبد الحکم اپنے والد کے ساتھ مذہب مالکی پر تھے، امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کا مذہب اختیار کر لیا، امام شافعی کی وفات کے بعد اپنے والد کے مذہب کی طرف لوٹ گئے، مکہ معظمہ کے اکابر اور علماء میں سے بعض بنو ظہیرہ نے امام شافعی کے مذہب سے امام ابو حنیفہ کے مذہب کی طرف رجوع کیا، قاضی علی بن

جار اللہ بھی ان ہی میں سے تھے۔

وصل (۱۲)

کیا صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صوفیہ کرام کا دین میں کوئی مذہب نہیں ہوتا، بلکہ ان کے دل میں جو آتا ہے اور ان کا دل جو حکم کرتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جب کہ اکابر مشائخ صوفیہ چاروں مذہبوں میں سے کسی ایک مذہب پر عمل پیرا تھے، مثلاً حضرت جنید، امام شافعی کے شاگرد ابو ثور کے مذہب پر تھے، شیخ شبلی مالکی، شیخ جریری حنفی اور شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی امام احمد بن حنبل کے مذہب پر تھے، بلکہ اس مقولے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس حکم پر عمل کرتے تھے جس میں تقویٰ اور احتیاط زیادہ ہو، چاہے وہ کسی بھی مذہب کے مطابق ہو، بعض علماء کہتے ہیں کہ صوفیہ کرام محدثین کے مذہب کے حامل ہوتے ہیں، وہ کسی معین مذہب کی پابندی کرنے کی بجائے صحیح حدیث کے حکم پر عمل کرتے ہیں، بعض محققین صوفیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات مطلقاً نہیں ہے، بلکہ تحقیق یہ ہے کہ وہ جس مذہب کے مقلد ہوتے ہیں اس مذہب کی اس روایت پر عمل کرتے ہیں جس میں احتیاط زیادہ ہوتی ہے اور جو ظاہر حدیث کے موافق ہوتی ہے، اگرچہ وہ ان کے مشہور مذہب کی ظاہر الروایہ نہ ہو، یہ تحقیق تشدید سے خالی نہیں ہے، پہلی بات التعرف وغیرہ کے بیان کے مطابق ہے، اس رسالے کی پہلی قسم میں اس پر گفتگو گزر چکی ہے، حدیث شریف میں ہے اِستفتِ قلبک اپنے دل سے فتویٰ طلب کر۔ بعض اوقات اس حدیث کا مطلب وہی سمجھا جاتا ہے جو اس مقولے کا ہے کہ صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہے، لیکن یہ معنی مراد نہیں ہے،

بلکہ یہ اس صورت کے بارے میں ہے جب قرآن وحدیث کے دلائل اور اقوال علماء کے اختلاف کی بنا پر تردد پیدا ہو جائے، جیسے کہ اصول فقہ میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اگر (بظاہر) احادیث میں تعارض واقع ہو جائے تو مجتہدین کے اقوال کی طرف رجوع ضروری ہے، اور اگر اقوال میں بھی اختلاف ہو تو اس صورت میں بعض اقوال کی ترجیح، حق تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کوشش کے صرف کرنے اور جس حکم پر دل مطمئن ہو اسے اختیار کرنے کے سلسلے میں دل کی تحری کی طرف رجوع کیا جائے گا، جب دلائل اور علامات میں غور وفکر کرنے کے باوجود کتاب وسنت میں حکم نہ ملے تو اس وقت یہ طریقہ (تحری) حکم اجتہاد میں ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ دل مراد ہے جو پاک صاف ہو، ایمان اور تقویٰ کے نور لئے منور اور وہم اور شیطانی وسوسے سے پاک ہو، کیونکہ ایسا دل نور فراست سے حق کو پالے گا، اور اسے اطمینان وانشراح حق کے بغیر حاصل نہیں ہوگا، جیسے کہ شارحین نے نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کی شرح میں بیان کیا ہے اَلاِثمُ مَا حَاكَ فِي القَلبِ گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے۔

وصل (۱۴)

خاتمہ

اجتہاد کی تعریف اور اس کی شرائط

لغت میں اجتہاد کا معنی ہے مشقت کا برداشت کرنا، اصطلاح میں فقیہ کے حکم شرعی کا ظن حاصل کرنے کے لئے اپنی قوت صرف کر دینے کو اجتہاد کہتے ہیں، علماء اصول جو فرماتے ہیں بَذلُ المَجهُودِ لِنَيلِ المَقصُودِ مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنی پوری کوشش صرف کر دینا، تو اس کا یہی مطلب ہے، اسی طرح علامہ تفتازانی نے توضیح کی شرح (تلویح) میں فرمایا، انہوں نے فرمایا: اِستِفرَاغُ

الوُسعِ کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنی پوری طاقت اس طرح خرچ کردے کہ اس سے زیادہ کی قوت اپنے اندر محسوس نہ کرے، اگر غیر فقیہہ حکم شرعی کی معرفت کے لئے اپنی کوشش صرف کرتا ہے یا فقیہہ (مجتہد) حکم شرعی قطعی کی معرفت یا غیر شرعی حکم کا ظن حاصل کرنے کے لئے اپنی قوت صرف کرتا ہے تو وہ اجتہاد نہیں ہے۔

اجتہاد کے لئے شرائط

اجتہاد کے لئے تین (بلکہ چار، جیسے کہ عنقریب آرہا ہے ۱۲ قادری) امور کے علم کا جامع ہونا شرط ہے

۱۔ کتاب یعنی "قرآن پاک کے معانی لغت اور شریعت کی رو سے جانے"، لغت کے اعتبار سے اس طرح کہ مفردات اور مرکبات کے معانی اور بحیثیت مفید ہونے کے ان کے خواص جانے، اس مقصد کے لئے اسے لغت، صرف، نحو، معانی اور بیان کی طرف حاجت ہوگی، ہاں اگر اسے یہ مقصد فطری سلیقے سے حاصل ہو (یعنی وہ پیدائشی عرب ہو) تو اسے ان علوم کی حاجت نہیں ہوگی۔

شریعت کے اعتبار سے اس طرح کہ وہ احکام میں اثر کرنے والے معانی (یعنی علل) کو پہچانے، مثلاً اسے معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اَوْجَاءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَائِطِ (یا تم میں سے کوئی شخص قضائے حاجت کر کے آئے) میں حکم کی علت جسم انسانی سے نجاست کا نکلنا ہے، اس میں شک نہیں کہ یہ معنی اس ترکیب کے معنیٰ لغوی سے جدا ہے، نیز قرآن پاک کی اقسام خاص، عام، مشترک، مجمل، مفسر وغیرہ کو جانے جن کا ذکر قرآن پاک کی تقسیمات میں کیا گیا ہے، ان اقسام کی تعریفات اور احکام کو بھی جانے، اسے معلوم ہو کہ یہ خاص ہے اور وہ عام ہے، یہ ناسخ ہے اور وہ منسوخ ہے، اس کے علاوہ اسے وہ قوانین معلوم ہوں جن کا تعلق احکام کے

استنباط سے ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد تمام قرآن پاک نہیں ہے، بلکہ وہ آیات ہیں جن کے ساتھ احکام شرعیہ عملیہ کا تعلق ہے، کیونکہ اجتہاد کی اہلیت کے لئے قصص، مواعظ اور امثال کی معرفت شرط نہیں ہے۔

سوال: قرآن پاک کے قصص، مواعظ اور امثال بھی علوم دینیہ اور احکام شرعیہ پر مشتمل ہیں، جن کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، اور جن کا استنباط کیا جاتا ہے اور اعتبار کیا جاتا ہے۔

جواب: یہ معلوم ہے کہ (اجتہاد سے) احکام شرعیہ فرعیہ (عملیہ) مراد ہیں، لہٰذا اگر قصص سے متعلق بعض آیات ان احکام پر مشتمل ہیں تو وہ ہمارے بیان کے تحت داخل ہیں، ورنہ ان کا اجتہاد میں دخل نہیں ہے۔

پھر ان آیات کے علم میں اس امر کا اعتبار ہے کہ ان آیات کے مقامات کا اس طرح علم ہو کہ طلب حکم کے وقت ان کی طرف رجوع کر سکے، اور جب حکم کی معرفت کی حاجت ہو تو مقصد حاصل کر سکے، دل میں محفوظ (یاد) ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اس کی حاجت نہیں ہے۔

۲۔ سنت کی اتنی مقدار جو احکام سے متعلق ہے، ان کے لغوی اور شرعی معانی اور ان کی اقسام کا علم ہو جیسے قرآن پاک کے بارے میں بیان کیا گیا ہے، نیز احادیث کے متون اور ان کی سندوں کو جانے، یہ بھی جانتا ہو کہ وہ حدیثیں سند کے اعتبار سے متواتر، مشہور ہیں یا اخبار آحاد، اسی طرح اسے راویوں کے احوال، جرح و تعدیل اور ان کی ولادت و وفات کی تاریخوں کا علم ہو، اصول حدیث میں بیان کئے گئے قواعد اور استدلال و استنباط کے قوانین (جو اصول فقہ میں بیان کئے گئے ہیں ۱۲ قادری) کا علم بھی رکھتا ہو۔ ہاں اس زمانے میں راویوں کے احوال کی معرفت کے سلسلے میں مستند

محدثین مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام احمد، امام ابو داؤد اور صحاح ستہ کے باقی مصنفین وغیرہم کی تعدیل و توثیق پر اعتماد کرلے تو کافی ہے۔

سنت اور حدیث کے سلسلے میں بھی زبانی یاد ہونا اجتہاد کے لئے شرط نہیں ہے، بلکہ وقتِ حاجت انہیں جان سکتا ہو، محدثین بھی مشائخ سے جو حدیثیں سنتے تھے انہیں لکھ لیا کرتے تھے (یاد کرنا ضروری نہیں جانتے تھے ۱۲ قادری) مختصر یہ کہ احادیث کا ضبط (محفوظ ہونا) معتبر ہے، اور ضبط کی دو قسمیں ہیں ☆(۱) سینے میں (یاد ہو) ☆(۲) کتاب میں (تحریری طور پر محفوظ ہو)

۳۔ قیاس کی شرائط، اس کے احکام و اقسام کا علم ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ کونسا قیاس مقبول اور کونسا مردود ہے؟ تاکہ صحیح استنباط کر سکے۔ منطق اور علم الخلاف میں بیان کردہ طریقے کے مطابق مفید مطلوب طریقے پر دلائل کی ترتیب اور صحیح طور پر نظر و فکر کی کیفیت کی معرفت بھی اسی (معرفتِ قیاس) میں داخل ہے، بعض اوقات یہ معرفت سلیقے اور فطرت ہی سے حاصل ہو جاتی ہے، منطق کی حاجت نہیں ہوتی۔

۴۔ مسائل اجماعیہ کا علم ہو

ان مسائل کی معرفت بھی ضروری ہے جن پر اجماع ہو چکا ہے، تاکہ مجتہد کا اجتہاد اجماع کے خلاف واقع نہ ہو، جس طرح کتاب و سنت سے قیاسوں کا استنباط کیا جاتا تھا اسی طرح اجماع سے بھی استنباط کیا جاتا تھا۔ اسی طرح مجتہد کو صحابۂ کرام کے اقوال اور ان کے بیان کردہ احکام کا علم بھی ہونا چاہیے، یہ ان حضرات کے نزدیک ہے جو صحابۂ کرام کی تقلید اور اتباع کو ضروری قرار دیتے ہیں، مثلاً امام ابو حنیفہ اور ان کے متبعین، خصوصاً ان کے اختلافات کے مقامات کو جانتا ہو، کیونکہ اگر اختلاف کی صورت میں ان کے صرف دو قول ہیں تو تیسرے قول کی نفی لازم ہو گی، اسی کو اجماع

مرکب کہتے ہیں۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ اجتہاد کے لئے علم کلام شرط نہیں ہے [۱]،

کیونکہ اسلام کا تقلیدی طور پر جزم رکھنے والے کے لئے دلائل سمعیہ سے استدلال کرنا جائز ہے، ہاں (علم کلام کا جاننا) تحقیقی ایمان کے حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے، لیکن فقہ اور احکام کی معرفت کے لئے شرط نہیں ہے۔

۵- امام رازی کے مطابق اجتہاد کے لئے ایک اور شرط

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ اجتہاد کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ اصول دین اور عقائد کلامیہ کو جانتا ہو (اھ) اس کلام کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ اجتہاد کے لئے عقائد کلامیہ کا علم شرط ہے اگرچہ نقل اور تقلید کے طور پر ہو- اس صورت میں یہ کلام علامہ تفتازانی کے موافق ہوگا- یہ بھی احتمال ہے کہ ان کا مقصد یہ ہو کہ عقائد کو علم کلام کے دلائل اور عقلی براہین سے جانے، جیسے کہ ان کا حق ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

۶- مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ اصول فقہ کا قوی علم رکھتا ہو، امر و نہی، خصوص و عموم، استثناء، تخصیص اور نسخ کے تمام احکام، تاویلات، ترجیحات اور قیاس کے تمام احکام کا علم رکھتا ہو، اسی طرح امام رازی نے بیان کیا، یہ بعد سے خالی نہیں ہے، مقصد یہ ہے کہ ان تمام قواعد کی رعایت کرے جن کا استنباط میں دخل ہے

اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کا مطلب

کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں اجتہاد کا دروازہ بند ہے، ہماری گفتگو سے ظاہر ہو گیا کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس زمانے میں کسی کے لئے اجتہاد کا حصول ممکن نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مذکورہ علوم و معارف کا کسی کے لئے حاصل ہونا نہ تو محال ہے اور نہ ہی بعید ہے، کیونکہ ان کا تعلق کسبی علوم اور مستعمل

---

[۱] یعنی مجتہد کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اسلامی عقائد کو برہان اور علم کلام کے دلائل سے جانتا ہو ۱۲ شرف قادری

قوانین سے ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ اس زمانے میں کسی عالم کو مقام اجتہاد حاصل نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ علوم مذکورہ کے حاصل کرنے اور بیان کردہ طریقے کے مطابق ان کی تکمیل کے سلسلے میں لوگوں کی ہمتیں کمزور ہو گئی ہیں، اور کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جو اس مقام کا حامل ہو، لیکن اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو خصوصی فضل و کرم سے نوازے اور اسے مذکورہ علوم اور مرتبۂ اجتہاد عطا فرمادے تو یہ ناممکن بھی نہیں ہے۔ یہ بعید نہیں ہے کہ اس قول سے یہی (مجتہد کا اس زمانے میں پایا جانا ممکن ہے لیکن موجود نہیں ہے ۱۲ قادری) مراد ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مذاہب اربعہ کے مکمل طور پر منظم اور مرتب ہونے سے اجتہاد کا معاملہ منظم ہو چکا ہے، اور اس سے فراغت حاصل ہو چکی ہے، اس کے بعد اب اجتہاد کی حاجت نہیں رہی، اگر کوئی عالم اجتہاد کرنا چاہتا ہے تو اسے ائمہ کے اجتہادی فیصلوں میں اجتہاد کرنا چاہیے، جیسے کہ اجتہاد فی المذہب کی شان ہے۔ ا؎

یہ امر معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض متاخرین کو کتاب اللہ تعالیٰ اور سنت رسول ﷺ کی معرفت، ان کے معانی اور اسرار کے آشکارا کرنے، قرآن پاک کے بطون (مخفی مطالب) اور سنت کے انوار کے واضح کرنے کی خصوصیت عطا فرمائی ہے، انہوں نے کتاب و سنت سے فوائد و منافع حاصل کیے، اور ایسے گرانمایہ جواہر کا استنباط کیا کہ عقل اور قیاس ان کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو فقہ اور راہ اجتہاد پر چلنے کی خصوصی توفیق عطا فرمادے تو کچھ بعید نہیں ہے،

ا؎ (نو پید امسائل مثلاً انسانی اعضا کی پیوند کاری، انشورنس، نظام بینکاری، ہوائی جہاز میں نماز، بے بی ٹیسٹ ٹیوب، کلوننگ وغیرہ مسائل میں علوم دینیہ اور دنیاویہ ضروریہ کے ماہرین کتاب و سنت، اجماع امت اور ائمہ مجتہدین کے فیصلوں کی روشنی میں اجتہاد سے کام لے سکتے ہیں، بلکہ ایسا کرنا ضروری ہے ۱۲ اشرف قادری)

اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے-وہ اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے مخصوص فرمادیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے-

لیکن اجتہاد کا ایک علمی مقام ہے، اس کے قواعد و قوانین ہیں، اصطلاحات ہیں جو معقول و منقول، فروع و اصول، علمی وسعت، فہم و دانش کے کمال، اصولِ دین کی حفاظت، ائمہ مجتہدین کے بیان کردہ قواعد و قوانین کے پیش نظر اصول دین سے احکام کے استنباط اور صحیح نظر و استدلال کے لئے تمام تر توانائی کے صرف کر دینے پر مشتمل ہیں- ظاہر ہے کہ ان تمام امور کی ذمہ داری سے عہدہ بر آہونا بڑا مشکل اور بہت ہی عظیم کام ہے- جیسے کہ لوگ منطق پڑھتے ہیں اور اس کے قواعد کا اجمالی طور پر احاطہ کرتے ہیں، لیکن مطالب و مقاصد کے لئے ان قواعد کا تفصیلی اور مکمل استعمال مشکل ہے، اسی دشواری کی بنا پر اجتہاد صرف ظن کا فائدہ دیتا ہے، کیونکہ عقول اور اذہان اس کے قواعد سے کماحقہ، فائدہ اور یقین حاصل کرنے میں ساتھ نہیں دیتے- شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تائید و اجازت سے اصول دین سے اجتہاد ثابت ہے، بعض علماء محدثین اجتہاد کی قید اور اس کے التزام سے نکل گئے، جنہیں اصحاب ظواہر کہا جاتا ہے وہ تاویل اور اجتہاد کے بغیر ظواہر نصوص پر عمل کرتے ہیں انہوں نے احادیث کی تصحیح اور جانچ پرکھ کی ذمہ داری قبول کی، یہ بھی مشکل اور بڑا کام ہے، اللہ تعالیٰ ہادی نے جس کے لئے چاہا یہ کام آسان کر دیا- اجتہاد کا حکم یہ ہے کہ وہ ظنی ہے، خطا اور صواب دونوں کا احتمال رکھتا ہے، اس بارے میں گفتگو اور مشکل بحثیں کثیر بھی ہیں اور طویل بھی، ان کا تذکرہ کتب اصول فقہ میں ہے-

تمام احادیث کے احاطہ کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا

اس جگہ ایک گفتگو باقی ہے جس کا تذکرہ ضروری ہے، اور وہ یہ ہے کہ اجتہاد

کی شرائط میں سے ایک شرط کتاب اللہ (قرآن پاک) کا علم، اس کے لغوی اور شرعی معانی اور اس کی اقسام کی معرفت ہے، قرآن پاک کی معرفت ہر شخص کے لحاظ سے (اس کی آیات میں) محدود اور منحصر ہے، جب کہ احادیث کسی شخص کیلئے بھی محدود نہیں ہیں، اور کسی شخص کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ اسے تمام احادیث حاصل نہیں، کیونکہ ہر صحابی کے پاس علم تھا، صحابہ کرام مختلف شہروں میں بکھر گئے تابعین نے ان سے علم حاصل کیا، اور ان سے وہ حدیثیں سنیں جو ان کی قسمت میں تھیں، ان میں سے کسی نے بھی تمام احادیث کا احاطہ نہیں کیا، جیسے کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا، علماء نے کسی نہ کسی مقام میں یہ تصریح ضرور کی ہے کہ بعض احادیث بعض ائمہ کو نہیں پہنچیں۔ اسی سلسلے میں امام شافعی کا یہ قول ہے کہ جب میں کوئی فتویٰ دوں اور تم حدیث اس کے خلاف پاؤ تو وہی میرا مذہب اور فتویٰ ہے، یہ امر ثابت اور طے شدہ ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ جب کسی واقعہ کے بارے میں مجتہد کے علم میں بعض احادیث نہ ہوں تو وہ اس واقعہ سے متعلق کیسے حکم کرے گا؟ ہو سکتا ہے اس کا حکم حدیث کے خلاف ہو، ایسی صورت میں مجتہد کیا کرے گا؟ یا تو اس واقعہ سے متعلق وارد احادیث تلاش کرے گا اور اس سلسلے میں اپنی پوری کوشش صرف کر دے گا یہاں تک کہ اسے حدیث مل جائے، اور اگر اسے حدیث نہیں ملتی تو دو ہی صورتیں ہیں

(۱) ضرورت کی بنا پر اپنے اجتہاد کے مطابق حکم بیان کرے گا، اور یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے ظاہر کا مقتضا ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اے معاذ! تم کس چیز کی بنا پر فیصلہ کرو گے"؟ انہوں نے عرض کیا کتاب اللہ سے، فرمایا: "اگر تم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ پاؤ تو"؟ عرض کیا سنت سے، فرمایا: "اگر سنت میں نہ پاؤ تو"؟ حضرت معاذ نے عرض کیا: "میں اپنی رائے (اور اجتہاد) پر عمل

کروں گا"، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنے رسول کے نمایندے کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جو اس کے اور اس کے رسول (ﷺ) کے نزدیک پسندیدہ ہے"۔

(۲) حکم بیان نہ کرے اور اعتراف کر لے کہ مجھے معلوم نہیں، جیسے امام مالک نے فرمایا، ان سے چالیس مسئلے پوچھے گئے تو انہوں نے چھتیس مسائل کے بارے میں فرمایا لا ادری مجھے معلوم نہیں، امام مالک نے کیوں فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں، اس کی وجہ یا تو یہ ہو گی کہ ان مسائل میں انہیں احادیث نہیں ملیں، یا اس وقت قیاس نہیں کر سکتے تھے اور قیاس کی شرطیں اور قواعد مستحضر نہیں تھے، یا کوئی اور وجہ تھی جو وہم و التباس کا باعث اور علم کے حاصل نہ ہونے کی موجب تھی، اس سب کچھ کے باوجود ان کا یہ جواب ان کے اجتہاد کے منافی نہیں، کیونکہ وہ مجتہد (مطلق) ہیں، انہیں احکام کی معرفت حاصل کرنے کی کامل استعداد اور صلاحیت حاصل تھی اگرچہ (ایک وقت) خاص حکم کی معرفت حاصل نہیں ہوئی۔ یہ اس قدرت کی طرح ہے جو فصاحت و بلاغت میں معتبر ہے، ایک شخص بالاتفاق فصیح و بلیغ ہونے کے باوجود کسی خاص جگہ لغزش کھا جاتا ہے۔

مجتہد فی الاصطلاح

زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اجتہاد مختلف ہوتے ہیں اور مجتہدین کا حال بھی مختلف ہوتا ہے، بعض مجتہدین کا علم وسیع اور ان کا اجتہاد زیادہ اور اعلیٰ تھا جو بعض دوسرے مجتہدین کو حاصل نہیں تھا، مجتہد سب ہی ہیں، لیکن ان کے درجات مختلف ہیں، اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔ اسی لئے بعض علماء اصول کہتے ہیں کہ شرائط مذکورہ مجتہد مطلق کے بارے میں ہیں جو تمام احکام میں فتویٰ دیتا ہے،

وہ مجتہد جو ایک حکم میں اجتہاد کرتا ہے دوسرے حکم میں اجتہاد نہیں کرتا تو اس پر حکم سے متعلق دلائل کی معرفت ضروری ہے، مثلاً نماز سے متعلق حکم میں اجتہاد ان دلائل کی معرفت پر موقوف نہیں ہے جو احکام نکاح سے متعلق ہوں، یہ واضح مسئلہ ہے لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ ایک مسئلے میں اجتہاد کرنے والے کو مجتہد فی الاصطلاح کہا جائے، جیسے کہ فقہ کی تعریف میں علماء اصول کی گفتگو سے ظاہر ہے، فقہ کی تعریف یہ ہے: احکام فرعیہ کا ان کے تفصیلی دلائل سے علم حاصل کرنا۔

فقہ کی تعریف پر ایک اشکال کا جواب

اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ احکام سے مراد تمام احکام ہوں تو یہ مشکل ہی نہیں متعذر (عادۃً ناممکن) بھی ہے، کیونکہ بعض واقعات وہ ہیں جو ابھی معرضِ وجود میں ہی نہیں آئے، اور اگر بعض احکام مراد ہیں تو لازم آئے گا کہ مثلاً (دلائل تفصیلیہ سے) تین احکام کے جاننے والے کو فقیہ کہا جائے، اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تمام احکام مراد ہیں، لیکن استغراق عرفی ہے، مطلب یہ کہ اس عالم کے سامنے جو مسئلہ پیش کیا جائے اس کا حکم معلوم کر سکے، یہ آسان معاملہ ہے جس کا تعلق اصطلاح سے ہے، اور ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو چاہے اصطلاح بنا لے۔

اس موضوع پر یہ وہ گفتگو ہے جو میسر ہوئی، اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ علم والا ہے، وہ علیم بھی ہے اور علام بھی۔ مجھے اللہ تعالیٰ کافی ہے، وہ بہترین کارساز، آقا اور بہترین مددگار ہے۔

نوٹ: اس رسالے کے آخر میں یہ عبارت اردو میں لکھی گئی ہے

نسخہ رسالہ موصوفہ (جس اصل سے نقل کیا گیا وہ اصل) برائے امیر ابراہیم جد بزرگوار امیر احسن خان دیوان صوبہ الہ آباد بھیجا گیا تھا، نیز اصل نسخہ پر

مذکورۂ ذیل عبارت حضرت سیدی وجدی (شیخ محقق) رحمہ اللہ تعالیٰ کے قلم خاص سے مرقوم ہے

تَمَّتْ كِتَابَتُهَا وَمُقَابَلَتُهَا صَبِيحَةَ يَوْمِ السَّبْتِ ثَانِي عَشَرَ رَمَضَانَ سَنَةَ أَلْفٍ وَخَمْسِينَ

بارہ رمضان المبارک سن ۱۰۵۰ھ ہفتے کی صبح کو اس نسخے کی کتابت اور اصل کے ساتھ مقابلہ مکمل ہوا۔

اس کی ایک جانب لکھی ہوئی عبارت کا ترجمہ یہ ہے (غالباً یہ حضرت شیخ محقق کی تحریر ہے)

"اے عزیز! اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں راہ راست پر ثابت قدمی عطا فرمائے، میری طرف سے تمہیں سلام ہو، میں نے تمہاری طرف ایک کتاب مطالعہ کے لئے بھیجی ہے، جس کا نام ہے تحصیلُ التعرُّف، یہ ایسی کتاب ہے جس کی مثل کوئی کتاب نہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ مغز کا بھی مغز ہے، اس کا مطالعہ تعصُّب کی نگاہ سے نہیں، بلکہ انصاف کی نظر سے کرو، اللہ تعالیٰ ہی صواب کی توفیق دینے والا ہے"

پیش نظر نسخے کے آخر میں نقل کرنے والے کا نام نہیں لکھا گیا، البتہ تاریخ لکھی ہے ۲۹/مارچ ۱۹۵۴ء ۲۳/رجب ۱۳۷۳ھ۔

۲۵/شعبان المعظم ۱۷/جنوری ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء کو یہ ترجمہ مکمل ہوا،[1]

فالحمد لله جل و على اولا و آخرا وصلى الله تعالىٰ على حبيبه ونبيه سيدنا و مولانا محمد بعدد كل معلوم له قدر حسنه وجماله وجوده و نواله، وفضله وجلاله وعلى آله وعلماء امته وصلحاء ملته اجمعين

محمد عبدالحکیم شرف قادری

شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

---

[1] ۱۲/رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ/۲/فروری ۱۹۹۶ء کو نظر ثانی مکمل ہوئی فالحمد لله تعالىٰ علىٰ ذالك

مکہ معظمہ کے محقق عالم علامہ سید محمد علوی مالکی اور شیخ عبداللہ
ابن منیع نجدی کے درمیان زیر بحث آنیوالے بعض اہم اسلامی عقائد
و معمولات پر محققانہ تبصرہ اور عالم اسلام کی غالب اکثریت کی ترجمانی

مصنف

مفکر اسلام علامہ سید یوسف سید ہاشم رفاعی حفظہ اللہ تعالیٰ

مترجم

بقیۃ السلف شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العزیز

زندہ جاوید خوشبوئیں
ولولہ انگیز خوشبوئیں
سدا بہار خوشبوئیں
انوار الفرقان
معانی القرآن
دلائل الخیرات
دعائے حزب البحر